صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا
قبولِ اسلام
عبد العلیم ندوی
سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا

قبول اسلام

عبد العلیم ندوی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

طبع اول

ربیع الاول ۱۴۳۷ھ - دسمبر ۲۰۱۵ء

نام کتاب	:	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قبولِ اسلام
نام مرتب	:	عبدالعلیم ندوی
صفحات	:	۵۰۴
کمپوزنگ	:	ابوحنظلہ ندوی
تعداد	:	۱۰۰۰

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے:

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی

☆ مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ الجدیدۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

ناشر:

سید احمد شہیدؒ اکیڈمی

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

فہرست مضامین

دعوت اسلام

صحابیات کا قبول اسلام

اسلام کی وسعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

محسن ومربی داعی اسلام

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نوّر اللّٰہُ مرقدہ

کے نام

جنہوں نے انسانیت کی فکر وتڑپ اور اس کے لئے جہد مسلسل کو سب کاموں پر ترجیح دی اور غیر مسلموں میں دعوت کے کام کو قوت بخشنے کے لئے تصنیفی طریقوں سے بھی کام لیا، نبوی تربیت گاہ سے فیضان پاکر دعوت دین کے لئے اپنی زندگیاں لگا دینے والی جماعت صحابہ کرامؓ کے قبول اسلام کے واقعات کی ترتیب وتالیف پر اپنے اس خوشہ چیں کو لگایا اور اپنی زیر نگرانی اس کا ہندی ترجمہ بھی کرایا لیکن افسوس کہ آپ کی زندگی میں یہ کتاب طبع نہ ہوسکی۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہمارے حضرتؒ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آپ کے درجات بلند فرمائے، ﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ کے زمرہ میں شامل فرمائے، آمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عبدالعلیم ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

دین اسلام کو اس کائنات اور انسانوں کے پیدا کرنے والے نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل کیا، وہ اس دین اور شریعت کے پیغام کے ساتھ جس زمانہ میں مبعوث ہوئے، وہ دنیا کی دینی و اخلاقی حالت کے لحاظ سے بہت بگڑ چکا تھا اور اللہ کی طرف سے بھیجے جانے والے نبیوں کے سلسلہ کو وقفہ ہو جانے کے بعد اس کی ضرورت بہت شدید ہو گئی تھی، یہ وقفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد تقریباً چھ سو سال رہا، جس میں کوئی نبی نہیں آیا، دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم نے جو برا سلوک کیا، اس نے اللہ رب العزت کو انسانوں سے ایسا ناراض کر دیا تھا کہ اس کے اثر سے اس کائنات کے خالق کی طرف سے دنیا کو ختم کر دینے کا فیصلہ ہو سکتا تھا، لیکن اس کی رحمت نے پھر بھی نبی بھیجنے کا فیصلہ کیا، اور اس نبی کو اصلاح انسانیت کے کام کی مزید صلاحیت عطا کی، اور اس پر نبوت کے سلسلہ کے مکمل کرنے کا فیصلہ کیا، اس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار پائے۔

ان کو ایسی قوم میں پیدا فرمایا جو انسانوں کی ترقی یافتہ اور بگڑی ہوئی تہذیبوں

کے اثر سے محفوظ رہتے ہوئے صرف انسانی فطری حالات اور خصوصیات کے دائرہ تک محدود تھی، یہ دائرہ تعلیم شروع کرنے سے پہلے کا دائرہ ہوتا ہے جس میں انسان کی صلاحیتیں فطری حدود تک محدود رہتی ہیں، اور ترقی یافتہ حالات کے ذریعہ مختلف نفس پرستانہ طریقوں سے جو بگاڑ آتا ہے وہ اس میں شروع نہیں ہوا ہوتا ہے۔

یہ قوم عربوں کی امی قوم تھی، جس نے باقاعدہ تعلیمی مراحل نہیں دیکھے تھے، اس کے سامنے اللہ کے برگزیدہ نبی نے دعوت حق اور صداقت پیش کی، تو جس نے اس کو جب تک نہیں سمجھا اس کو نہیں مانا، اور جس نے جب اس کو سمجھا فوراً اس کا وفادار ہوگیا، اور اس کا داعی بن گیا، چنانچہ آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوششیں کی، ان کو اول اول سخت مخالفت برداشت کرنا پڑی، لیکن آہستہ آہستہ آپ کے طریقہ کار اور اخلاق اور اللہ تعالیٰ کا کلام اتنا موثر ہوا، کہ صرف تیئیس سال کی مدت میں صرف اسلام کا حلقہ بگوش ہی نہیں بلکہ پختہ کار داعی اور مثالی انسانی معاشرہ بن گیا، ان میں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا، وہ فولادی صفت کے مسلمان ہوئے، جن کے ذریعہ آئندہ آنے والی نسلوں اور دنیا کے دوسرے علاقوں میں اسلامی اخلاق واعمال کا پیغام پہنچا، اور یہ دین بین الاقوامی اور دائمی دین بن گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے یہ اصحابؓ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے دین ملا تھا، وہ انسانی مخلوقات میں نبیوں کے بعد سب سے اعلیٰ مثالی جماعت بن گئی، کہ جن کے سیرت واخلاق دیکھ کر اسلام سے محبت اور عقیدت قائم ہو جاتی تھی۔

ضرورت تھی کہ ان حضرات کے سیرت کے نمونے اور قبولِ اسلام کے واقعات لوگوں کے سامنے لائے جائیں جن کے ذریعہ اسلام کی خوبی اور اخلاق وسیرت کے وہ حالات سامنے آسکیں، جن سے اسلام کے دینِ حق ہونے کا یقین حاصل ہو، عربی زبان میں اس کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، اردو میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی حکایات صحابہؓ، مولانا عبدالسلام ندویؒ کی اسوۂ صحابہؓ اور مولانا یوسف

صاحب کاندھلویؒ کی حیات الصحابہؓ کا اردو ترجمہ موثر کتابیں ہیں، داعی حق مولانا عبداللہ حسنی مرحوم کی طرف سے آسان اور سلیس اسلوب میں مولوی عبدالعلیم ندوی رائے بریلوی کو اس کی توجہ دہانی ہوئی، اور انہوں نے اس پر کام کیا، اب یہ طباعت کے لئے جارہی ہے، توقع ہے کہ اس کے پڑھنے والوں کے سامنے دین اسلام کے اخلاق وصفات کے نمونے سامنے آئیں گے، اور صحابہ کرامؓ کا مقام بلند بھی واضح ہوگا وہ دین حق کے آخری پیغمبر کے بعد داعی اول کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کی بناء پر وہ عملی نمونے کی بھی حیثیت رکھتے ہیں، کہ وہ ان کو پڑھ کر اور دیکھ کر انسان ان اعلیٰ اخلاق وکردار سے واقف ہوتا ہے، جو رب العزت کو پسند ہے اور جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو عام فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ، تکیہ، رائے بریلی
رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ العالی
(جنرل سکریٹری آل انڈیا پیام انسانیت فورم)

اسلام ہی دین حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اس کو پسند فرمالیا ہے، اور یہ اعلان فرمادیا کہ ﴿ان الدین عند اللہ الاسلام﴾ اور فرمایا ﴿ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین﴾ ہر نبی نے اپنے اپنے زمانہ میں اللہ کے بندوں کو جو راہ حق سے ہٹ گئے تھے اسلام کا صحیح راستہ بتایا، اور اپنی زندگی اسلام کی تبلیغ میں صرف کی، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لیے بھیجا، آپ کی بعثت کا دائرہ ایک طرف پوری دنیا کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے تو دوسری طرف اس کا زمانی رقبہ قیامت تک کے لیے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت پیش کی تو مکہ کے دشت وجبل گونج اٹھے، آہستہ آہستہ لوگ دین میں داخل ہونا شروع ہوئے اور پھر وہ وقت آیا کہ جوق در جوق اسلام کی طرف لوگ آنے لگے۔

ان اسلام لانے والوں کی اگر تاریخ دیکھی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے لیے دو چیزیں ایسی پرکشش تھیں جنہوں نے ان کو اسلام کی طرف کھینچا، ایک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دوسرے اللہ کا کلام یعنی قرآن مجید۔

ان حضرات کے اسلام میں داخل ہونے کی تفصیلات جو حدیث اور سیرت وتاریخ

کی کتابوں میں منتشر ہیں، بڑی مؤثر اور دلوں کو جھنجھوڑنے والی ہیں، عجیب بات ہے کہ قریبی دور میں اسلام لانے والوں کے واقعات پر تو کتابیں شائع ہوئیں لیکن حضرات صحابہ کے اسلام لانے کے واقعات کم از کم اردو میں یکجا نہیں ملتے۔

بڑی خوشی کی بات ہے یہ کام محبّ عزیز ومکرم مولوی عبدالعلیم ندوی صاحب نے بڑی عرق ریزی سے کیا، برادر محترم و معظم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے، یہ کام انہوں نے مولانا ہی کے ایماء پر کیا تھا، اس کا ہندی ترجمہ بھی مولانا نے کرایا تھا، جو انشاء اللہ جلد ہی زیور طبع سے آراستہ ہوگا، ضرورت تھی کہ اردو میں بھی یہ کتاب شائع ہو، تا کہ دعوت کا کام کرنے والوں کو اس سے روشنی ملے۔

میں موصوف کو اس کام پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے، دعوت کے میدان میں یہ ایک راہ نما کتاب ثابت ہو، اور مصنف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی، دارعرفات

۱۵ر شوال المکرم ۱۴۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوت اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری انسانیت کو توحید الٰہی کی دعوت دینا اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ واشاعت تھا، لیکن کفار عرب کی مسلسل مزاحمت اس راہ میں رکاوٹ بنی رہی، ان رکاوٹوں کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا اور جس قدر رکاوٹیں دور ہوتی گئیں اسلام کی اشاعت کی رفتار بڑھتی گئی، تا آنکہ فتح مکہ کے بعد جب قریش کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور عربوں کا مذہبی مرکز کعبۃ اللہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے مختلف طریقے اختیار فرمائے، ابتداء میں تن تنہا اشخاص سے مل کر مجمعوں، میلوں اور قبائل میں جا کر خدا کا پیغام پہنچاتے، ہر ایک گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبی بتاتے، بتوں، پتھروں، درختوں کی پوجا سے روکتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تلقین فرماتے کہ خدا کی ذات کو نقص سے، عیب سے، آلودگی سے پاک سمجھیں، اس بات کا پختہ اعتقاد رکھیں کہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چھوٹے، بڑے سب کے سب خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں، سب اسی کے محتاج ہیں، دعا کا قبول کرنا، بیمار کو صحت وتندرستی دینا، مرادیں پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے، اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا، فرشتے اور نبی بھی اسی کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے، عرب میں عکاظ، عینیہ اور ذی المجاز کے میلے بہت مشہور تھے، دور دور سے لوگ وہاں آیا کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مقامات پر جاتے اور میلے میں

آئے ہوئے لوگوں کو اسلام کی اور توحید کی دعوت فرمایا کرتے تھے، حضرت طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بازارِ ذی المجاز میں تھا کہ اچانک ایک نوجوان آدمی گذرا جس نے سرخ دھاریوں والا جوڑا پہنا ہوا تھا، اور وہ یہ کہہ رہا تھا کہ "اے لوگو! لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه" کہو کامیاب ہو جاؤ گے"، اور اس کے پیچھے ایک آدمی تھا جس نے اس نوجوان کی ایڑیوں اور پنڈلیوں کو زخمی کر رکھا تھا اور وہ کہہ رہا تھا اے لوگو! یہ جھوٹا ہے، اس کی بات مت مانو، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کسی نے کہا: یہ بنی ہاشم کا نوجوان ہے جو اپنے کو اللہ کا رسول بتاتا ہے اور یہ دوسرا اس کا چچا ابولہب ہے۔

کچھ دنوں کے بعد نبی ﷺ مکہ سے نکلے اور وعظ کے لیے پیدل طائف تشریف لے گئے، نبی ﷺ کے ساتھ اس سفر میں حضرت زید بن حارثہؓ تھے، مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے سب کو وعظ سناتے، توحید کی منادی کرتے ہوئے نبی ﷺ پیدل طائف پہنچے، نبی ﷺ نے وعظ کہنا شروع فرمایا، تو وہاں کے سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا، وہ وعظ کے وقت نبی ﷺ پر اتنے پتھر پھینکتے کہ حضور ﷺ لہو میں تر بتر ہو جاتے، خون بہہ بہہ کر جوتوں میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں سے جوتا نکالنا مشکل ہو جاتا۔

اسی مقام پر وعظ کرتے ہوئے خدا کے رسول ﷺ کو اتنی چوٹیں لگیں کہ حضور ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے، زیدؓ نے اپنی پیٹھ پر اٹھایا، آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔

اس سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج اور صدمہ کے وقت بھی نبی ﷺ کا دل خدا کی عظمت اور محبت سے بھرپور تھا، جو اس وقت کی دعا میں نظر آتا ہے۔

طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا: میں ان لوگوں کی تباہی کے لیے کیوں دعا کروں، اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا؟ امید ہے کہ آئندہ

نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لانے والی ہوں گی۔

مکہ میں واپس آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اب ایسا کرنا شروع کیا کہ مختلف قبیلوں کی سکونت گاہوں میں تشریف لے جاتے یا مکہ سے باہر چلے جاتے اور جو کوئی مسافر آتا یا مل جاتا اسے ایمان اور خدا ترسی کا وعظ فرماتے۔

انہی ایام میں قبیلہ بنو کندہ میں تشریف لے گئے سردار قبیلہ ملیح تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت دی لیکن سب نے انکار کیا اور قبیلہ بنو عبداللہ کے یہاں بھی پہنچے ان سے فرمایا کہ "تمہارے باپ کا نام عبداللہ تھا، تم بھی اسم بامسمّٰی ہو جاؤ"، لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ دعوت کو قبول نہ کیا، قبیلہ بنو حنیفہ کے گھروں میں تشریف لے گئے، انہوں نے سارے عرب میں سب سے بدتر طریق پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا، قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس گئے، سردار قبیلہ کا نام بحیرہ بن فراس تھا اور اس نے دعوت اسلام سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "بھلا اگر ہم تیری بات مان لیں اور تو مخالفین پر غالب آ جائے تو کیا وعدہ کرتا ہے کہ تیرے بعد یہ امر مجھ سے متعلق ہوگا"؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تو خدا کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے گا میرے بعد اسے مقرر کر دے گا"، بحیرہ بولا: "خوب!! اس وقت تو عرب کے سامنے سینہ سپر ہم بنیں اور جب تیرا کام بن جائے تو مزے کوئی اور اڑائے، جا! ہم کو تیرے ساتھ کوئی سروکار نہیں"۔

قبائل کے سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق طریق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

انہیں ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سوید صامت ملا اس کا لقب اپنی قوم میں "کامل" تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت اسلام فرمائی، وہ بولا: "شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہی کچھ ہے جو میرے پاس ہے"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "تمہارے پاس کیا ہے"؟ وہ بولا: "حکمت لقمان"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل تر ہے اور ہدایت و نور ہے"، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قرآن سنایا اور وہ بے تامل اسلام لے آیا، جب یثرب لوٹ کر گیا تو قوم خزرج نے

اسے قتل کر ڈالا۔

انہی ایام میں ابو الحیسر انس بن رافع مکہ آیا اور اس کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے بھی چند نوجوان تھے جن میں ایاس بن معاذ بھی تھا، یہ لوگ قریش کے ساتھ اپنی قوم خزرج کی طرف سے معاہدہ کرنے آئے تھے، نبی ﷺ ان کے پاس گئے اور جا کر فرمایا: ”میرے پاس ایسی چیز ہے جس میں تم سب کی کامیابی ہے، کیا تمہیں کچھ رغبت ہے“؟ وہ بولے ”ایسی کیا چیز ہے“؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں اللہ کا رسول ہوں، مخلوق کی طرف مبعوث ہوں، بندگان خدا کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ خدا ہی کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں، مجھ پر خدا نے کتاب نازل کی ہے“، پھر ان کے سامنے اسلام کے اصول بیان فرمائے اور قرآن بھی پڑھ کر سنایا، ایاس بن معاذ ابھی جوان تھا سنتے ہی بولا: ”اے میری قوم! بخدا یہ تمہارے لیے اس مقصد سے بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو“۔

انس بن رافع نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اٹھائی اور ایاس کے منہ پر پھینک ماری اور کہا: ”بس چپ رہ! ہم اس کام کے لیے تو نہیں آئے“، رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے، ایاس واپس جا کر چند روز کے بعد مر گیا، مرتے وقت اس کی زبان پر تسبیح وتحمید وتہلیل وتکبیر جاری تھے، مرحوم کے دل میں نبی ﷺ کے اسی وعظ سے اسلام کا بیج بو گیا تھا جو مرتے وقت پھل پھول لے آیا تھا۔

سنہ ۱۱ نبوت کے موسم حج کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے رات کی تاریکی میں شہر مکہ سے چند میل پرے مقام عقبہ پر لوگوں کو باتیں کرتے سنا، اس آواز پر خدا کا نبی ﷺ ان لوگوں کے پاس پہنچا، یہ چھ آدمی یثرب (مدینہ) سے آئے تھے، ان کے سامنے نبی ﷺ نے خدا کی عظمت وجلال کا بیان شروع کیا، ان کی محبت کو خدا کے ساتھ گرمایا، بتوں سے ان کو نفرت دلائی، نیکی وپاکیزگی کی تعلیم دے کر گناہوں اور برائیوں سے منع فرمایا، قرآن کی تلاوت فرما کر ان کے دلوں کو روشن فرمایا، یہ لوگ اگر

چہ بت پرست تھے، لیکن انہوں نے اپنے شہر کے یہودیوں کو بارہا ذکر کرتے سنا تھا کہ ایک نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) عنقریب ظاہر ہونے والا ہے، اس تعلیم سے وہ اسی وقت ایمان لے آئے اور جب اپنے وطن لوٹ کر گئے تو دین حق کے سچے داعی بن گئے۔

وہ ہر ایک کو خوش خبری سناتے تھے کہ وہ نبی جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آ گیا، ہمارے کانوں نے اس کا کلام سنا، ہماری آنکھوں نے اس کا دیدار کیا، اور اس نے ہم کو اس زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا ہے کہ دنیا کی زندگی اور موت اس کے سامنے ہیچ ہے۔

ان لوگوں کے بشارت لے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یثرب کے گھر گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے لگا اور اگلے سال ۱۲ھ نبوت میں یثرب کے باشندے مکہ میں حاضر ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے دولت ایمان حاصل کی۔

خلاصہ یہ کہ سابقین اولین اور انصار کی ابتدائی جماعت کا اسلام جو در حقیقت تبلیغ اسلام کا سنگ بنیاد ہے اسی دور کی کوشش کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد اسلام میں جوں جوں تقویت آتی گئی، اس فریضہ کی ادائیگی میں اور زیادہ وسعت ہوتی گئی، تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں مختلف قبائل اور مقامات میں بھیجی جانے لگیں، جس قبیلہ کا کوئی آدمی مسلمان ہو جاتا تھا وہ خود جا کر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا۔

چنانچہ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ نے اسلام لانے کے بعد اپنے قبیلہ میں جا کر اشاعت اسلام کا کام کیا، لیکن عام قبیلہ نے طفیلؓ کی دعوت قبول نہ کی، وہ رنجیدہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دوس نے نافرمانی کی ان پر بددعا کیجئے''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ ''خدایا! دوس کو ہدایت دے اور ان کو بھیج''، اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

حضرت ضماد بن ثعلبہ قبیلہ ازدشنوءہ کے رئیس تھے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اپنے پورے قبیلہ کی

طرف سے بیعت کرلو"، چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کرلی اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہوگیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ جب اسلام لانے کے بعد مکہ سے اپنے قبیلہ واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہوگیا، بقیہ آدمیوں نے کہا کہ ہم اس وقت اسلام کا اظہار کریں گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آجائیں، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آدمی بھی مسلمان ہوگئے۔

غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ تھا اور دونوں قبیلوں میں پرانے تعلقات تھے، غفار کے اثر سے انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔

غرض اسی طرح اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا رہا۔ ۵ھ کے بعد جب غزوۂ احزاب میں قریش اور متحدہ قبائل کو شکست ہوئی اور قریش کا اثر کسی قدر کم ہوا، اس وقت ان قبائل نے جو اسلام کی طرف مائل تھے، لیکن قریش کے خوف سے اس کے اظہار کی ہمت نہ پڑتی تھی، وفود بھیجنے شروع کیے، چنانچہ سب سے پہلی جو سفارت آئی وہ قبیلہ مزینہ کی تھی جس میں چار سو آدمیوں کی ایک جماعت مشرف بہ اسلام ہوئی، اور انہوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کرکے مدینہ آجائیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تم جہاں رہو مہاجر ہو"۔

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سفراء جن کی تعداد سو (۱۰۰) تھی، مدینہ میں آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا، اس وقت تک یہ لوگ کافر رہے، لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخود اسلام قبول کرلیا۔

جہینہ بھی انہی قبائل کے آس پاس آباد تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی، اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہوگئے۔

لیکن صلح حدیبیہ تک اشاعت اسلام کی رفتار سست رہی، صلح حدیبیہ کے بعد جب

مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا، اس وقت مسلمانوں کے اخلاق وعمل اور اسلام کے زندہ پیکر کو دیکھ کر اور ان سے اسلام کو سمجھ کر بکثرت کفار مسلمان ہوئے، طبری کا بیان ہے کہ "کوئی سمجھ دار آدمی ایسا نہ تھا جس نے اسلام پر گفتگو کے بعد اس کو قبول نہ کیا ہو"، جتنے لوگ شروع سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے، صرف دو برس کے اندر ان کے برابر یا ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے۔

پھر بھی فتح مکہ تک یہ رفتار مقابلۃً سست رہی، فتح مکہ کے بعد ہر طرف سے لوگ قبول اسلام کی جانب پیش قدمی کرنے لگے، اس کا سبب یہ تھا کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش سارے عرب کے مقتدا اور پیشوا تھے، اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں، فتح مکہ کے بعد جب کعبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور قریش کی قوت ختم ہوگئی، اس وقت قبائل اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے، بخاری کی روایت ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پر غالب آگئے، تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں، پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش دستی کی اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے، قرآن پاک کی یہ آیت اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہے:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ☆ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ (جب خدا کی فتح ونصرت آئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج خدا کے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں)

صحابہ کرام کا قبول اسلام

لطافت طبع، رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں، اور انھیں کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پند وموعظت، تعلیم وتربیت اور ارشاد وہدایت کو قبول کرسکتا ہے، پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں، لیکن تناور

درختوں کو بادِ صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاعِ نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے، لیکن پہاڑوں میں فولادی تیر بھی نفوذ نہیں کرتے، بعینہٖ یہی حال انسان کا بھی ہے، ایک لطیف الطبع، رقیق القلب اور اثر پذیر آدمی ہر دعوتِ حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے، لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے سے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے، اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں، لیکن اشاعتِ اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے، کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا، لیکن صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کی آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ و نصائح، شکل وشباہت، دعاۃ اسلام کی تعلیم، ہدایت وارشاد اور معجزات وآیات غرض ہر موثر چیز کے اثر کو قبول کیا اور برضا ورغبت اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئے۔

قرآن مجید کا اثر

حضرت عمرؓ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (نعوذ باللہ) کام تمام کرنے کے لیے گھر سے نکلے تھے، لیکن جب قرآن مجید کی چند آیتیں سنیں تو ان کا دل نورِ ایمان سے لبریز ہو گیا، حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے بھائی سے قرآن مجید کے معجزانہ اثر کا ذکر سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدقِ دل سے مسلمان ہو گئے۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے جب یہ آیت سنی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

(النحل: ۱۳) (خدا عدل، احسان اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، برائی اور ظلم سے روکتا ہے، وہ اس لیے یہ نصیحتیں کرتا ہے کہ شاید تم اس کو قبول کر لو)

تو ان کے دل پر جو اثر ہوا اس کو وہ خود ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ”یہی وہ

وقت ہے جب ایمان میرے دل میں جاگزیں ہوا اور میں محمد ﷺ سے محبت رکھنے لگا''، حضرت جبیر بن مطعمؓ نے جب یہ آیتیں سنیں:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُسَيْطِرُونَ﴾ (کیا یہ لوگ خود بخود پیدا ہو گئے؟ یا یہ لوگ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ کیا آسمان وزمین کو انہی لوگوں نے پیدا کیا؟ سچ تو یہ ہے کہ ان کے دل میں ایمان نہیں (اے پیغمبر) کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں؟ یا یہ لوگ سربراہ کار ہیں)

تو خود کہتے ہیں کہ میرا دل اڑنے لگا''۔

حضرت طفیل بن عمر والدوسیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو بے اختیار ہو کر مسلمان ہو گئے۔

طائف کے سفر میں حضرت خالد العدوانیؓ نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ آیت سنی:

﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ (آسمان کی قسم اور رات میں آنے والے کی قسم)

تو اسی وقت پوری سورہ کو یاد کر لیا، اور بالآخر مسلمان ہو گئے۔

اشخاص سے الگ صحابہؓ کی جماعت کی جماعت قرآن مجید سے متاثر ہوئی اور اسلام لائی، مثلاً: حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابوسلمہؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دعوت اسلام دی، اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔

قرآن مجید نے ایرانیوں کے مقابل میں رومیوں کی فتح کی جو پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی تو بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اخلاق نبوی کا اثر

ایک بار ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی بکریاں مانگیں، آپ ﷺ

نے اس کا سوال پورا کیا، اس پر اس فیاضی کا یہ اثر پڑا کہ اپنے قبیلہ میں آ کر کہا: ”لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد ﷺ اس قدر دیتے ہیں کہ ان کو اپنے تنگ دست ہو جانے کا بھی خوف نہیں ہوتا“۔

ایک یہودی عالم نے جب آپ ﷺ کو تقاضائے قرض میں اس قدر تنگ کیا کہ ظہر کی نماز سے لے کر فجر تک آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا تو صحابہ کرامؓ نے اس کو سخت دھمکیاں دیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا نے مجھے کسی ذمی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے“، دن چڑھا تو وہ اسلام لایا، اور کہا کہ ”میرا نصف مال خدا کی راہ میں صدقہ ہے، اس سخت گیری سے میرا صرف یہ مقصد تھا کہ تورات میں آپ ﷺ کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کرلوں“۔

حضرت ثمامہ بن اثالؓ گرفتار ہو کر آئے لیکن جب آپ ﷺ نے ان کو بلا شرط و بلا معاوضہ رہا کر دیا تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور ان کا دل اسلام، داعی اسلام اور مدینۃ الاسلام کی محبت سے معمور ہو گیا۔

مواعظ نبوی کا اثر

ایک بار حضرت ضمادؓ مکہ میں آئے تو کفار سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کو جنون ہو گیا ہے، حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ ”میں جنون کا علاج کرتا ہوں“، آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایک تقریر کی جس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی آپ ﷺ کے رضاعی باپ جب مکہ میں تشریف لائے تو قریش نے کہا کہ ”کچھ سنا ہے تمہارا بیٹا کہتا ہے کہ لوگوں کو مر کر پھر جینا ہوگا“، انھوں نے آپ ﷺ سے کہا: ”بیٹا! یہ کیا کہتے ہو“؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر وہ دن آیا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا سچ تھا“، وہ فوراً مسلمان ہو گئے، اور ان فقروں کا اثر عمر بھر رہا، کہا کرتے تھے کہ ”میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا تو جنت میں پہنچا کر ہی چھوڑے گا“۔

شمائل نبوی کا اثر

بعض صحابہؓ نے صرف آپ ﷺ کی شکل و صورت ہی دیکھ کر آپ ﷺ کی نبوت

کا اعتراف کرلیا، حضرت ابورافع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قریش کی طرف سے قاصد بن کر آئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑتے ہی شیدائے اسلام ہو گئے، اور بالآخر علانیہ اسلام قبول کرلیا، حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ جھوٹے آدمی کا چہرہ ایسا نہیں ہوسکتا۔

دُعاۃ کا اثر

صحابہؓ میں بکثرت دُعاۃ اسلام کے اخلاقی اثر سے اسلام لائے، متعدد صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے اثر سے اسلام قبول کیا، یمن کے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد و ہدایت سے اسلام لائے، حضرت طفیلؓ نے اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا، قبیلہ ہمدان حضرت عامر بن شہرؓ کے اثر سے اسلام لایا، حضرت ابوذر غفاریؓ کا آدھا قبیلہ ان کے اثر سے مسلمان ہوا، غرض احادیث و سیر میں اس قسم کے بکثرت واقعات مذکور ہیں۔

معجزات کا اثر

ایک سفر میں صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو پانی کی تلاش میں بھیجا، یہ لوگ جستجو میں نکلے تو ایک ناقہ سوار عورت ملی جس کے ساتھ پانی کی دو مشکیں تھیں، ان دونوں بزرگوں نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگوایا اور اس میں دونوں مشکوں سے پانی ڈال کر مشکوں کے دہانے بند کر دیئے اور عام اعلان کے ذریعہ سے تمام صحابہ آئے اور پانی پی کر سیراب ہوئے، لیکن مشکوں کے پانی میں کوئی کمی نہیں ہوئی، عورت نے یہ معجزہ دیکھا تو اپنے قبیلہ میں آکر بیان کیا کہ "خدا کی قسم آسمان و زمین کے درمیان یہ شخص عجوبہ روزگار اور خدا کا سچا پیغمبر ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت عبد اللہ بن سلامؓ حاضر خدمت ہوئے اور چند غیبی امور کے متعلق سوالات کیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

جوابات دیے تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔

فتح مکہ کا اثر

اگرچہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد جن میں تمام اکابر صحابہؓ داخل ہیں مذکورہ بالا اسباب سے اسلام قبول کیا، تاہم ایک جماعت اسلام کے عام غلبہ کا انتظار کررہی تھی، اس لیے جب فتح مکہ ہوا تو عام اہل عرب نے برضا و رغبت خود بخود اسلام قبول کرلیا، صحیح بخاری میں ہے کہ تمام عرب اپنے اسلام کے لیے فتح مکہ کا منتظر تھا، وہ کہتے تھے کہ محمد کو اپنی قوم سے نپٹ لینے دو، اگر وہ ان پر غالب آگئے تو وہ سچے پیغمبر ہیں"، چنانچہ فتح مکہ کا واقعہ ہوا تو ہر قبیلہ کے لوگ نہایت سرعت کے ساتھ اسلام کی طرف دوڑے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کا قبول اسلام

حضرت ابوبکرؓ صدیق کو بچپن ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص انس اور خلوص تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ احباب میں داخل تھے، اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔

نزول وحی سے ایک سال پہلے سے حضرت ابوبکرؓ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے، آغاز وحی کے زمانہ میں بسلسلہ تجارت یمن گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے تو قریش کے سردار ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ ملنے گئے، اثناء گفتگو میں حضرت ابوبکرؓ نے تازہ خبر دریافت کی، تو کہا: "سب سے بڑی خبر اور بڑی بات یہ ہے کہ ابوطالب کا یتیم بھتیجہ مدعی نبوت بنا ہے، اس کے انسداد کے متعلق ہم تمہارے آنے کے منتظر تھے"، یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا اور اعیانِ قریش کو خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر کے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے، بعثت کے متعلق سوال کیا اور اسی جلسہ میں قبول اسلام سے مشرف ہوئے، حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا اس میں ایک قسم کی جھجک اور تردد وفکر ضرور پائی، مگر ابوبکرؓ کہ جس وقت میں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا انھوں نے بے جھجک قبول کر لیا"۔

حضرت ابوبکرؓ کا آئینہ دل پہلے سے صاف تھا، فقط خورشید حقیقت کی عکس افگنی کی دیر تھی، اور گزشتہ صحبتوں کے تجربوں نے نبوت کے خط وخال کو اس طرح واضح کر دیا

تھا کہ معرفت حق کے لیے کوئی انتظار باقی نہ رہا، البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض مورخین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا اسلام سب سے مقدم ہے، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ بھی حضرت حضرت ابو بکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اس کے مقابلہ میں ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے امتیاز صرف اسی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہے، محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں، حضرت علیؓ بچوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کے لیے جد و جہد شروع کر دی اور صرف آپ کی دعوت پر حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیر العوامؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ، جو معدن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد کفار کی ایذاء رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت ابو بکرؓ اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رائے و مشورہ غرض ہر حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و باز و اور رنج و راحت میں شریک رہے۔

مکہ میں ابتداءً جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ظلم و ستم میں گرفتار ہونے کے باعث

طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا، چنانچہ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، نذیرہؓ، نہدیہؓ، جاریہؓ وغیرہ نے اسی صدیقی جود وکرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

کفار جب کبھی آنحضرت ﷺ پر دست تعدی دراز کرتے تو یہ مخلص جانثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا، ایک دفعہ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ نے بڑھ کر کہا: ”خدا تم سے سمجھے، کیا تم صرف ان کو اس لیے قتل کر دو گے کہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں“، یہ مداخلت مشرکوں کو سخت ناگوار ہوئی اور سب کے سب ان پر جھپٹ پڑے اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا، عزیزوں نے آکر بچایا، حضرت صدیقؓ پٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام“، حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ ”اس واردات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ گھر پہنچے ہیں تو یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال الگ ہو جاتے“۔

اسی طرح ایک روز آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا، اس وقت اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ پہنچ گئے اور اس ناہنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام ﷺ سے علاحدہ کیا اور فرمایا: ”کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے“۔

ایک دن حضرت ابوبکرؓ ایک مجمع میں تبلیغ کی نیت سے کھڑے ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت دینی شروع کی، تو مشرکین غیظ وغضب کے عالم میں ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو بہت زیادہ زدوکوب کیا، عتبہ بن ربیعہ دو پھٹے پرانے جوتوں سے ان کے چہرہ کو اس طرح مارتا رہا کہ بعد میں ان کے چہرہ کے خدوخال پہچانے نہ جاتے تھے، بنوتمیم آپ کو اس حالت میں اٹھا کر لے گئے کہ ان کو ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا، دن ڈھلے آپ کو ہوش آیا اور پہلا لفظ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ

''بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں''؟ انھوں نے اس پر ان کو برا بھلا کہا، اس وقت ام جمیل جو اسلام لا چکی تھیں ان سے قریب ہوئیں تو انھوں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے کہا: ''آپ کی والدہ قریب کھڑی ہیں سن لیں گی''، انھوں نے کہا کہ ''ان کے سامنے کوئی حرج نہیں''، ام جمیل نے بتایا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخیر اور صحیح وسالم ہیں''، انہوں نے کہا: ''میری اللہ سے نذر ہے کہ میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر نہ ہو جاؤں''، لیکن وہ دونوں رک گئیں، جب لوگوں کی آمد ورفت بند ہوئی اور سناٹا ہوا، تو وہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کو سہارا دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں ان کی یہ حالت دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت اثر پڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ کے لیے دعا کی اور ان کو اسلام لانے پر آمادہ کیا تو وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔

جس وقت حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی، ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی اور رختِ سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے، جب آپ مقام برک الغماد میں پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا: ''ابوبکرؓ کہاں کا قصد ہے''؟ آپ نے فرمایا کہ ''قوم نے مجھے جلاوطن کر دیا ہے، اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک میں چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں''، ابن الدغنہ نے کہا: ''تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا، تم مفلس و بے نوا کی دست گیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو، میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو''، چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے، ابن الدغنہ نے قریش میں پھر کر اعلان کر دیا کہ ''آج سے ابوبکرؓ میری امان میں ہیں''، قریش نے

ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا اور کہا کہ ''ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ اپنے رب کی عبادت گھر کے اندر کریں، علانیہ نہ عبادت کریں نہ تلاوت کریں، ورنہ ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور ہمارے نوجوان مبتلائے فساد ہو جائیں گے۔

عرصہ تک حضرت ابوبکرؓ نے اس کی پابندی کی آخر کار شوقِ دل نے مجبور کیا اور گھر کے باہر میدان میں ایک مسجد بنا کر نماز و تلاوت میں مصروف رہنے لگے، حضرت ابوبکرؓ بے حد رقیق القلب تھے، تلاوتِ کلام مجید کے وقت زار زار روتے، یہ عالم دیکھ کر قریش کی عورتوں اور نوجوانوں کا ہجوم ہو جاتا اور محو حیرت ہو کر پروانہ وار ایک دوسرے پر گرتے، اشراف قریش یہ حالت دیکھ کر گھبرا اٹھے اور ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ''ابوبکرؓ شرائط امن پر قائم نہیں رہے، باہر مسجد میں بالاعلان نماز و قرآن پڑھتے ہیں، ہم کو اپنی عورتیں اور نوجوانوں کے گمراہ ہو جانے کا سخت اندیشہ ہے، ان کو روکو ورنہ اپنی پناہ واپس لو، ہم تم سے بدعہدی نہیں کرنا چاہتے''، اسی کے ساتھ ابوبکرؓ کو علانیہ نماز و قرآن پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے، ابن الدغنہ نے آکر ابوبکرؓ سے یہ ماجرا کہا تو انھوں نے جواب دیا: ''تمہاری پناہ تم کو مبارک، میں اللہ کی پناہ سے خوش ہوں''۔

حضرت عمرؓ فاروق کا قبول اسلام

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے، حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا، اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہوگئیں، اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہؓ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے، یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لاچکے تھے، ان کے دشمن بن گئے، لبینہؓ ان کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کرلیا تھا، اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ "دم لے لوں تو پھر ماروں گا"، وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ "اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا"، لبینہؓ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہ کرتے تھے، اسی طرح حضرت زنیرہؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ ان کو جی کھول کر ستاتے، جب ان کے چچازاد بھائی سعید بن زیدؓ اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا، لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اتر تا نہ تھا۔

چونکہ قریش کے سر برآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمر اسلام اور آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے، اس لیے دوسرے حربے ان پر کامیاب نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سب سے کارگر حربہ کو ان کے مقابلہ

میں استعمال کیا جس کے وار کی کوئی روک نہیں ہو سکتی تھی۔

اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ان ہی دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی:

"اللّٰھم أعز الاسلام بأحد الرجلین اما ابن هشام واما عمر بن الخطاب" (خدایا اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر)

مگر یہ دولت تو قسام ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت میں لکھ دی تھی، ابوجہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جاں نثار بن گیا، یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا، "ذلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء".

تاریخ وسیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے، ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا: "خیر تو ہے"؟ بولے: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں"، انھوں نے کہا: "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں"، فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں "کچھ نہیں"، انہوں نے کہا: "میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو"، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا، بولیں: "عمر! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"، ان

الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، اسے دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا: ”تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ“، فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی:

﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

(زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں، وہ غالب اور حکمت والا ہے)

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:

﴿آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه﴾ (خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ)

تو بے اختیار پکار اٹھے:

”اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا لرَّسُوْلُ اللّٰهِ“.

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقمؓ کے مکان پر جو کوہِ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزیں تھے، حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ کرامؓ کو تردد ہوا، لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا: ”آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا“، حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: ”کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو“؟ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی: ”ایمان لانے کے لیے“، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ ”اللہ اکبر“ کا نعرہ اس زور سے مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج گئیں۔

یہی روایت تھوڑے تغیر کے ساتھ حضرت انسؓ سے مروی ہے، دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورۂ حدید کی آیت ”سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ“ ہے۔ دوسری میں سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت ہے:

﴿اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾
(میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں، تو مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لیے نماز کھڑی کرو)

جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار "لا اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ" پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔

مسند احمد میں ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "ایک شب میں آنحضرت ﷺ کو چھیڑنے نکلا، آپ ﷺ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی، جس میں آپ ﷺ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی، میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم یہ شاعر ہے، ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ﴾ (یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے ہو)

میں نے کہا: یہ تو کاہن ہے، میرے دل کی بات جان گیا ہے، اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی:

﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ، تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے)

آپ (ﷺ) نے یہ سورہ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا"۔

چونکہ وہ مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لیے انھوں نے اسلام کا اعلان نہیں

کیا بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور قرآنی آیات پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت مؤثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا اور بے اختیار کلمہ توحید پکار اٹھے اور درِ اقدس پر حاضری کی درخواست کی۔

حضرت اسلم کہتے ہیں کہ "ہم سے حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میں اپنے ابتداءِ اسلام کا قصہ بیان کروں؟ ہم نے کہا: جی ضرور، آپ نے فرمایا: میں حضور ﷺ کے بڑے دشمنوں میں تھا، صفا پہاڑی کے قریب ایک مکان میں حضور ﷺ تشریف فرماتے، میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے میرا گریبان پکڑ کر فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! مسلمان ہو جا اور ساتھ ہی یہ دعا کی کہ اے اللہ اسے ہدایت عطا فرما، میں نے فوراً کہا:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ"

فرماتے ہیں: میرے اسلام لاتے ہی مسلمانوں نے اتنی بلند آواز سے تکبیر کہی کہ جو مکہ کی تمام گلیوں میں سنائی دی"۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا، اس وقت چالیس یا اس سے کچھ کم وبیش آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن وہ نہایت بے بسی و مجبوری کے عالم میں تھے، اعلانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو در کنار اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعۃً حالت بدل گئی، انھوں نے اعلانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کر کے بآواز بلند اپنے ایمان کا اعلان کیا، مشرکین نہایت برافروختہ ہوئے لیکن عاص بن وائل نے جو رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا، حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی مظلومیت کا تماشہ دیکھتے تھے اس لیے شوق مساوات نے اسے پسند نہ کیا کہ وہ اسلام کی نعمت سے متمتع ہونے کے بعد عاص بن وائل کی حمایت

کے سہارے اس کے نتائج سے محفوظ رہیں، اس لیے انھوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابر ثبات واستقامت کے ساتھ مشرکین کا مقابل کرتے رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ برابر جا کر کعبہ میں نماز ادا کی، یہ پہلا موقع تھا کہ حق باطل کے مقابلہ میں سر بلند ہوا اور حضرت عمرؓ کو اس صلہ میں دربار نبوت سے ''فاروق'' کا لقب مرحمت ہوا۔

حضرت عمرؓ ۶ نبوی میں اسلام لائے تھے اور ۱۳ نبوی میں ہجرت ہوئی، اس طرح گویا انھوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶-۷/ برس تک قریش کے مظالم برداشت کیے، جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے۔

ہجرت کرنے والوں کو قریش مکہ کی سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا، حضرت عمر فاروقؓ کا بیان ہے کہ حضرت عیاش بن ربیعہؓ اور حضرت ہشامؓ صحابی بھی ان کے ساتھ مدینہ چلنے کو تیار ہوئے تھے، حضرت عیاشؓ تو روانگی کے وقت جائے مقررہ پر پہنچ گئے مگر ہشامؓ کے بارے میں کفار کو خبر لگ گئی، ان کو قریش نے قید کر دیا، حضرت عیاشؓ مدینہ جا پہنچے کہ ابوجہل مع اپنے بھائی حارث کے مدینہ پہنچا، عیاشؓ ان کے چچیرے بھائی تھے اور تینوں کی ماں ایک تھی، ابوجہل وحارث نے کہا: ''تمہارے بعد والدہ کی بری حالت ہو رہی ہے، اس نے قسم کھالی ہے کہ عیاشؓ کا منہ دیکھنے تک نہ سر میں کنگھی کروں گی، نہ سایہ میں بیٹھوں گی، اس لیے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دے کر آجانا''، عمر فاروقؓ نے کہا: ''عیاشؓ! مجھے تو فریب معلوم ہوتا ہے، تمہاری ماں کے سر کوئی جوں پڑ گئی تو وہ خود ہی کنگھی کر لے گی اور مکہ کی دھوپ نے ذرا خبر لی تو وہ خود ہی سایہ میں جا بیٹھے گی، میری رائے تو یہ ہے کہ تم کو جانا نہیں چاہیے''، عیاشؓ بولے: ''نہیں میں والدہ کی قسم پوری کر کے واپس آجاؤں گا''، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ''اچھا اگر یہی رائے ہے تو سواری کے لیے میرا ناقہ لے جاؤ یہ بہت تیز رفتار ہے، اگر

راستہ میں ذرا بھی ان سے شبہ گزرے تو تم اس ناقہ پر بآسانی ان کی گرفت سے بچ کر آسکو گے''، حضرت عیاش رضی اللہ عنہ نے ناقہ لے لیا، یہ تینوں چل پڑے، ایک روز راہ میں (مکہ) کے قریب ابوجہل نے کہا: ''بھائی ہمارا اونٹ تو ناقہ کے ساتھ چلتا چلتا رہ گیا، بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کرلو''، عیاش رضی اللہ عنہ بولے: بہتر ہے، جب عیاش رضی اللہ عنہ نے ناقہ بٹھایا تو دونوں نے انہیں پکڑ لیا، مشکیں کس لیں اور مکہ میں اسی طرح لے کر داخل ہوئے، یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ ''دیکھو کہ بیوقوفوں اور احمقوں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں''، اب عیاش رضی اللہ عنہ کو بھی ہشام رضی اللہ عنہ کے ساتھ قید کر دیا گیا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ گئے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا پوری کرنے کے لیے ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ مکہ آئے اور قید خانہ سے دونوں کو راتوں رات نکال کر لے گئے۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت عثمانؓ کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں توحید کی صدائے غلغلہ انداز بلند ہوئی، گوملکی رسم ورواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے لیے یہ آواز نامانوس تھی، تاہم وہ اپنی فطری عفت، پارسائی، دیانتداری اور راست بازی کے باعث اس داعی حق کو لبیک کہنے کے لیے بالکل تیار تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے تو انھوں نے دین مبین کی تبلیغ واشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقہ احباب میں تلقین وہدایت کا کام شروع کیا، ایام جاہلیت میں ان سے اور حضرت عثمانؓ سے ارتباط تھا اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی، ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گفتگو سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے، ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کررہے تھے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا: ”عثمان! خدا کی جنت قبول کر، میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں“، حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان سادہ و صاف جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر بھری ہوئی تھی کہ میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور دست مبارک میں ہاتھ دے کر حلقہ بہ گوش اسلام ہوگیا“۔

حضرت عمرو بن عثمان کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ”میں اپنی خالہ اروی بنت عبدالمطلب کے پاس ان کی بیمار پرسی کے لیے گیا، کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں

تشریف لے آئے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غور سے دیکھنے لگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تھوڑا بہت تذکرہ ان دنوں ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عثمان! تمہیں کیا ہوا؟ (مجھے غور سے دیکھ رہے ہو) میں نے کہا: میں اس بات پر حیران ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے میں بڑا مرتبہ ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کہی جا رہی ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاالہ الا اللّٰہ، خدا گواہ ہے کہ میں یہ سن کر کانپ گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وفی السماء رزقکم وماتوعدون،فو رب السماء و الارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون﴾ (اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے گئے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا"۔

حضرت عثمانؓ نے اس زمانہ میں حق کی آواز پر لبیک کہا، جب کہ پینتیس یا چھتیس زن و مرد اس شرف سے مشرف ہوئے تھے۔

مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی، حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام مسلمانوں کی طرح جفا کاروں کے ظلم و ستم کا نشانہ تھے، ان کو خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا، اعزہ و اقارب نے سرد مہری شروع کر دی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہو گئی، اور بالآخر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ کو ساتھ لے کر ملک حبش کی طرف روانہ ہو گئے، چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہوا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان خاطر تھے، ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا، اتنا معلوم ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت میں عثمانؓ پہلا شخص ہے جو اپنے اہل وعیال کو لے کر جلاوطن ہوا“۔

حضرت عثمانؓ اس ملک میں چند سال رہے اس کے بعد جب بعض اور صحابہؓ قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آ گئے، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے، اس بنا پر بعض صحابہ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے، مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے۔

اسی اثناء میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی ہجرت کا ایماء فرمایا تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قبول اسلام

حضرت علیؓ کی عمر ابھی صرف دس سال کی تھی کہ ان کے شفیق مربی کو دربارِ خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، چونکہ حضرت علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے اس لیے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے، چنانچہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو مصروف عبادت دیکھا، اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا طفلانہ استعجاب سے پوچھا: ''آپ دونوں کیا کر رہے تھے''؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر وشرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، متحیر ہو کر عرض کی: ''اپنے والد ابوطالب سے دریافت کروں اس کے متعلق؟ چونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا کہ ''اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا''، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الٰہی شامل ہوئی، اس لیے زیادہ غور وفکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوطالب سے پوشیدہ آیا کرتے اور اپنے اسلام کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب ہدایت) ظاہر نہیں کیا، پہلا شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی وہ علیؓ تھے، جب نماز کا وقت آتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی کسی گھاٹی میں جا کر عبادت کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علیؓ بھی اپنے والد، چچا صاحبان اور تمام افراد خاندان سے چھپ کر جاتے اور تمام نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ ادا کرتے اور شام ہو جاتی گھر واپس آجاتے، یہ سلسلہ جب تک اللہ کو منظور تھا جاری رہا، ایک دن جب کہ یہ دونوں نماز پڑھ رہے تھے، ابو طالب نے دیکھ لیا، ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''عزیز من! یہ کون سا دین ہے جس کی تم پیروی کر رہے ہو''؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''عم محترم! یہ اللہ کا، اللہ کے فرشتوں کا، اس کے پیغمبروں کا اور ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، اللہ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اور چچا جان! آپ سب سے زیادہ اس بات کے مستحق ہیں جن کو مخلصانہ دعوت پیش کی جائے، ابو طالب نے جواب دیا: اے عزیز! میں اپنے آباء کا مذہب اور ان کے طور طریق نہیں چھوڑ سکتا، لیکن بخدا جب تک میں زندہ ہوں تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی''، سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ ابو طالب نے اپنے صاحبزادہ علی مرتضیٰؓ سے کہا: ''اے بیٹے یہ کیا مذہب ہے جس پر تم چل رہے ہو''؟ انھوں نے کہا: ''والد صاحب! میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور ان کی پیروی کرتا ہوں۔ راویوں کا خیال ہے کہ اس کے جواب میں ابو طالب نے کہا۔ وہ تم کو اچھی بات ہی کی طرف بلاتے ہیں لہٰذا اس پر قائم رہو''۔

جو لوگ حق و صداقت کی جستجو اور اسلام کی طلب میں مکہ آیا کرتے تھے، حضرت علیؓ ان کی مدد اور رہنمائی فرمایا کرتے تھے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا کرتے تھے، اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص صلاحیت اور ذہانت بخشی تھی۔

سیدنا علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں: ''ایک دن ہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے اور کعبہ کے در پر آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ اور میرے کاندھوں پر پیر رکھ کر اونچے ہوئے اور کہا کہ کھڑے ہو جاؤ، میں کھڑا ہوا مگر میری کمزوری کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرما لیا، فرمایا: بیٹھ جاؤ، پھر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور مجھ سے کہا کہ میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ، جب ایسا کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے لیے ہوئے کھڑے

ہوئے تو مجھے ایسا لگا کہ اتنا اونچا ہو رہا ہوں کہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جاؤں گا، میں اس طرح کعبہ کی چھت پر پہنچ گیا، اور وہاں جو پیتل یا تانبے کا بنا ہوا بت رکھا ہوا تھا، اس کو میں داہنے بائیں موڑنے لگا اور آگے پیچھے جھکانے لگا یہاں تک کہ اس کو اپنے قابو میں لے آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو گرادو، میں نے گرایا تو وہ ایسا چور چور ہو گیا جیسے شیشے کے بنے ہوئے برتن، پھر وہاں سے اترا اور ہم دونوں تیز قدم چلتے ہوئے گھروں کے پیچھے آ گئے کہ کہیں کوئی ہمیں دیکھ نہ لے"۔

ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ "دعوت کا سامان کرو"، حضرت علیؓ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی لیکن انہوں نے اس کم سنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دستر خوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد چالیس تھی حمزہؓ، عباسؓ، ابو طالب سب شریک تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے، اس بارِ گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا"، تمام مجلس میں سناٹا تھا، دفعۃً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا: "گو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نو عمر ہوں، تاہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دوں گا"، قریش کے لیے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک تیرہ سال کا نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں، حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا تم بیٹھ جاؤ، پھر لوگوں سے خطاب فرمایا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا، حضرت علیؓ پھر اٹھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی انہیں بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بار گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جاں بازی کے لہجہ میں انہیں الفاظ کا اعادہ کیا، تو ارشاد ہوا کہ "بیٹھ جا تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے"۔

حضرت زبیر بن العوامؓ کا قبول اسلام

حضرت زبیرؓ کی والدہ حضرت صفیہؓ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، اس لیے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کے بھی حقیقی بھتیجے تھے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے داماد (حضرت اسماء آپ کی نکاح میں تھیں) ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساڑھو بھی تھے، اس طرح ذات نبوی کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔

حضرت زبیرؓ صرف سولہ برس کے تھے کہ نورِ ایمان نے ان کے خانہ دل کو منور کر دیا، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں۔

حضرت زبیرؓ اگرچہ کمسن تھے، لیکن استقامت اور جاں نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے، قبولِ اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سن کر جذبہ جاں نثاری سے اس قدر بے خود ہوئے کہ اسی وقت ننگی تلوار کھینچ کر مجمع کو چیرتے ہوئے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا: ”زبیر! یہ کیا ہے“؟ عرض کی: ”مجھے معلوم ہوا تھا کہ (خدا نخواستہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرفتار کر لیے گئے ہیں“، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے، اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی، اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ پہلی تلوار تھی جو راہِ فدویت و جاں نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔

عام مسلمانوں کی طرح حضرت زبیرؓ بھی مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے

،ان کے چچا نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم ہو کر اور بھی سختی شروع کی، یہاں تک کہ چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور اس قدر دھونی دیتا کہ دم گھٹنے لگتا لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے ''کچھ کرو اب میں کافر نہیں ہو سکتا''۔

غرض مظالم وشدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے تو خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا قصد کیا اس لیے انہوں نے بھی مدینہ کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چوبیس پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا اور عنفوان شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہو۔

ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصریٰ تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب وہوا میں پرورش پائی تھی اور گرد وپیش جس قسم کے مذہبی چرچے سنے تھے، اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم وتلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت اوران کے مخلصانہ وعظ نے تمام شکوک رفع کردیئے، اور جب انھوں نے ان کو راہب کی بات بتائی تو وہ حیران وششدرر رہ گئے اوران سے کہا کہ ”میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو اور یہ واقعہ ان کے سامنے بیان کرو“۔

چنانچہ صدیق اکبرؓ کے ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا اور آخرت کی بھلائی کی بشارت دی، اللہ تعالیٰ نے ان کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیا جب انھوں نے بصریٰ کے راہب کا قصہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اوراس خوشی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر نمایاں ہوگئے، اس کے بعد حضرت طلحہؓ خلعت ایمان

سے مشرف ہوکر واپس ہوئے، اس طرح حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں نجم صداقت کی پرتو ضیاء سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمان اسلام کے روشن ستارے بن کر چمکے۔

اس قریشی نوجوان کے قبول اسلام کی خبر سن کر اس کے گھر اور خاندان کے لوگ سکتے میں پڑ گئے، جیسے ان کے اوپر بجلی گر پڑی ہو، خصوصاً ان کی ماں کو اس واقعے سے زبردست صدمہ پہنچا اور وہ غم سے نڈھال ہوگئیں، کیونکہ انہیں امید تھی کہ اپنے بلند اخلاق اور کریمانہ خصائل کی بنا پر ان کا بیٹا ایک دن اپنے قبیلے کا سردار بنے گا، ان کے قبیلے والوں نے انہیں اپنے دین سے پھیرنے کی بہتیری کوششیں کیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور ایک مضبوط پہاڑ کی طرح اسلام پر جمے رہے، جب وہ لوگ ان کو نرمی ومحبت کے ریشمی پھندے میں پھانسنے میں ناکام ہوگئے تو سختی اور تعذیب کے اسلحوں سے لیس ہوکر ان کے اوپر ٹوٹ پڑے، مسعود بن خراش بیان کرتے ہیں: "ایک روز میں صفا مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا، اسی دوران میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک نوجوان کا پیچھا کر رہے ہیں جس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے، اسے دھکے دے رہے تھے اور اس کے سر پر مار رہے تھے، اس نوجوان کے پیچھے ایک بوڑھی عورت تھی جو چیخ چیخ کر اسے گالیاں دے رہی تھی، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس نوجوان کا کیا ماجرا ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ یہ طلحہ بن عبید اللہ ہے جس نے اپنے آبائی دین کو ترک کرکے بنی ہاشم کے لونڈے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اختیار کرلی ہے، میں نے پوچھا اور اسکے پیچھے یہ بڑھیا کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ اسی نوجوان کی ماں ہے"۔

اسی طرح عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابوبکرؓ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا کہ اس تشدد سے اپنے نئے مذہب کو ترک کردیں، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔

حضرت طلحہؓ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مشغول رہے، چنانچہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کیے اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں، غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہؓ نے مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال کو لے کر مدینہ پہنچے۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت عبدالرحمان کا اصلی نام عبد عمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمان رضی اللہ عنہ رکھا۔

عام روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمان واقعہ فیل کے دسویں سال پیدا ہوئے تھے، اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کی عمر تیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی، فطری عفت وسلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آ گئی اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر رہروانِ حق کے قافلہ میں شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند روشن ضمیر بزرگوں کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔

خلعت اسلام سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھی عام بلا کشانِ اسلام کی طرح جلاوطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمین یثرب کی طرف ہجرت کر گئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اپنے اس رشتہ پر فخر کرتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامنے سے حضرت سعد کو آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

"هـذا خَالِي فَلْيُرِنِي اِمْرُءٌ خَالَه" (یہ میرے ماموں ہیں، ایسا اگر کسی کا ماموں ہو تو مجھے دکھاؤ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عمر صرف انیس سال کی تھی کہ دعوت اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خلعت ایمان سے مشرف ہوئے۔

بخاری میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتاتے ہیں، لیکن محدثین عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ مسرت حاصل ہوئی، اس لیے کہ ان کے اندر شرافت و مردانگی کی ایسی علامات پائی جاتی تھیں جو اس بات کا پتہ دے رہی تھیں کہ عنقریب یہ ہلال بدرِ کامل بن کر آسمانِ شہرت پر جگمگائے گا اور حسب

ونسب کے لحاظ سے ان کو معاشرہ میں جو بلند مرتبہ حاصل تھا وہ مکہ کے نوجوانوں کو اس بات پر ابھار رہا تھا کہ وہ بھی ان کے راستے کو اپنائیں اور خود کو ان کے سانچے میں ڈھالیں۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اگر چہ نہایت معزز اور اپنے قبیلہ میں نہایت مقتدر تھے ،تاہم کفار کے ستم سے محفوظ نہ تھے، بنو اسد اسلام کے جرم میں ان کو سخت سزائیں دیتے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی ماں نے جب لڑکے کی تبدیلی مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں اور انتہائی غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''سعد! یہ کیسا دین ہے، جو تم نے اختیار کیا ہے؟ جس نے تم کو تمہارے باپ دادا کے دین سے برگشتہ کر دیا ہے، خدا کی قسم! تم اپنے اس نئے دین کو ترک کر دو، ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ کر خود کو ہلاک کر لوں گی اس وقت تمہارا سینہ شدت غم سے شق ہو جائے گا، ندامت وپشیمانی کے مارے اپنے کیے پر کفِ افسوس ملو گے اور لوگ تم کو ہمیشہ اس پر عار دلاتے رہیں گے''، انہوں نے کہا: ''ماں ایسا نہ کرو کیونکہ میں کسی بھی قیمت پر اپنے دین کو ترک نہیں کر سکتا''، لیکن وہ اپنی دھمکی پوری کرنے پر اڑ گئیں۔

بات چیت، کھانا پینا، سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لیے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کا لذت آشنا ہو چکا تھا وہ کفر وشرک کی طرف کس طرح رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب ودانہ رہیں، فاقہ کشی کی وجہ سے ان کا جسم دبلا ہو گیا، ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور اعضاء ڈھیلے پڑ گئے، وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد جا کر کہتے کہ کچھ کھا لو، مگر وہ شدت سے انکار کرتی رہیں، آخر میں انہوں نے کہا: ''ماں! بے شک میں تیرے ساتھ شدید محبت رکھتا ہوں لیکن اللہ اور اس کے رسول کی محبت تیری محبت سے زیادہ ہے، تو یہ بات اچھی طرح سن لے، خدا کی قسم! اگر تیری ہزار جانیں ہوں اور وہ سب ایک ایک کر کے تیرے اندر سے نکل جائیں تب بھی میں اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا''، جب انہوں نے سعدؓ کا یہ اٹل فیصلہ سنا تو آخر کار اپنی ضد سے باز آ گئیں اور کھانے پینے پر مجبور ہو گئیں۔

خدائے پاک کو ان کی یہ شان استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لیے معصیت الٰہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا:

﴿وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ (اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جن کا کوئی علم ویقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر)

اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت نبوی تک مکہ ہی میں مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لیے مصائب وشدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے۔

حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبودِ حقیقی کی پرستش وعبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مصروف عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی اور اسلام کا مزاق اڑانے لگے، حضرت سعد وقاص رضی اللہ عنہ کی اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آگیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

مکہ میں جب کفار کے ظلم وستم سے مسلمانوں کا پیمانہ صبر وتحمل سے لبریز ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا، اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ کی راہ لی۔

عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے، انھوں نے حالت کفر میں غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک زخمی کیا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”واللہ! میں عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہیں ہوا“۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کا قبول اسلام

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغ ودعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے مکہ میں رہتے ہوئے شروع سے اخیر تک ان شدید ترین آزمائشوں کو برداشت کرتے ہوئے زندگی گزاری جن میں مسلمانوں کو مبتلا کیا گیا، انہوں نے ابتدائی مسلمانوں کے ساتھ مصائب وآلام کی جو سختیاں جھیلیں، روئے زمین پر کسی دین کے متبعین نے نہ جھیلی ہوں گی، انھوں نے بڑی پامردی اور عزم وحوصلہ کے ساتھ ان ابتلاؤں کا مقابلہ کیا اور ہر موقع پر خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبت کا ثبوت دیا، لیکن غزوۂ بدر کے موقع پر وہ جس آزمائش میں مبتلا ہوئے اس کی سختی ہر خیال وتصور سے بالاتر ہے۔

وہ جنگ بدر میں صفوں کے درمیان اس طرح بڑھ بڑھ کر اور پینترے بدل بدل کر حملے کر رہے تھے جیسے نہ ان کو موت کا کوئی ڈر ہے نہ ہلاکت کا کوئی اندیشہ، ان کے حملوں نے مشرکین پر ان کی ہیبت طاری کردی، اور قریش کے بڑے بڑے سورما ان کا سامنا کرنے سے کترانے لگے، لیکن ان میں سے ایک شخص ایسا تھا جو ہر وقت ان کا سامنا کرنے کی کوشش کرتا اور ہر موقع پر ان کے بالمقابل آجاتا مگر وہ اس کے راستے سے ہٹ جاتے اور اس کے ساتھ مقابلہ کرنے سے پرہیز کرتے، وہ شخص بار بار ان کے اوپر حملہ آور ہوتا اور وہ ہر بار کترا کر دوسری طرف نکل جاتے، آخر کار اس نے ان کے لیے سارے راستے مسدود کردیئے ان کے سامنے آکھڑا ہوا اور ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان

حائل ہو گیا، جب اس کی یہ حرکتیں حضرت ابو عبیدہؓ کی قوتِ برداشت سے باہر ہو گئیں، تو انھوں نے اس کے سر پر تلوار کا ایک بھر پور ہاتھ مارا، اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

آپ کا سر چکرا جائے گا جب یہ بات آپ کے علم میں آئے گی کہ حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے مارا جانے والا شخص کوئی اور نہیں خود ان کے والد عبداللہ بن جراح تھے، انہوں نے اپنے والد کو نہیں، ان کی شخصیت میں پائے جانے والے کفر کو قتل کیا تھا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں، باپ، بھائی، بہن، غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں۔

حضرت سعید بن زیدؓ کا قبول اسلام

حضرت سعیدؓ کے والد زید ان سعادت مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر وشرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق وفجور یہاں تک کہ مشرکین کے ذبیحہ سے بھی پرہیز کرتے تھے، زید کو اس کفرستان میں اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا، ایک دفعہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے، ”اے گروہِ قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم میں کوئی بھی دین ابراہیم پر قائم نہیں ہے“۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین حنیف کو زیادہ مکمل صورت میں دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوت توحید شروع کی، تو گو اس وقت اس کے سچے شیدائی زید دنیا میں موجود نہیں تھے، لیکن وہ جس وقت اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے، انہوں نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

”اللھم ان حرمتنی من ھذا الخیر فلا تحرم منه ابنی سعیدا“
(خدایا! اگرچہ تو نے مجھے اس خیر سے محروم کر دیا ہے مگر میرے بیٹے سعید کو اس سے محروم نہ کرنا)

اس لیے ان کے فرزند سعیدؓ کے لیے توحید کی آواز بالکل مانوس تھی، انہوں نے اس آواز پر جوش کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضرت سعیدؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ، حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں، لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے ناآشنا تھے، بہن اور بہنوئی کی تبدیل مذہب کا حال سن

کر نہایت برافروختہ ہوئے اور دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کہ لہولہان ہو گئے۔

اس کے علاوہ اپنی قوم کے ہاتھوں اپنے دین کی آزمائش کی راہ میں ایسی ایسی زہر گداز اور صبر آزما اذیتوں کا سامنا کیا، جن کا وہ اپنے مقامِ بلند کی وجہ سے مستحق تھے، لیکن قریش ان کو دین اسلام سے پھیر لینے میں کامیاب نہ ہو سکے، بلکہ اس کے برعکس وہ اور ان کی بیوی دونوں مل کر ایک نہایت وزنی اور کفر کی نہایت اہم شخصیت کو اسلام کی طرف کھینچ لینے میں کامیاب ہو گئے، یعنی وہ لوگ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا سبب بنے۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام میں سے حضرت حمزہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص محبت تھی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کے کھیلے تھے، دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے، وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا مذاقِ طبیعت سپاہ گری اور شکار افگنی تھا، معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیر کمان لے کر نکل جاتے، دن دن بھر شکار میں مصروف رہتے، شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے، طواف کرتے، قریش کے رؤسا صحن حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے، حضرت حمزہؓ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے، کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے، اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا، اور سب لوگ ان کی قدر ومنزلت کرتے تھے۔

دعوتِ توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیوں میں گونج رہی تھی، تاہم حضرت حمزہؓ جیسے سپاہی منش کو ان باتوں سے کیا تعلق؟ انہیں صحرا نوردی اور سیر وشکار سے کب فرصت تھی جو شرک وتوحید کی حقانیت پر غور کرتے، لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی۔ ایک روز حسب معمول شکار سے واپس آرہے تھے، کوہ صفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا: "ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دیکھتے، وہ خانہ کعبہ میں اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیاں دیں اور بہت بری طرح ستایا، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے"، یہ سننا تھا کہ رگِ حمیت میں جوش آگیا، تیزی کے ساتھ خانہ کعبہ کی

طرف بڑھے، ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ میں مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور اس سے دو دو باتیں کر لیتے تھے، لیکن اس وقت جوش انتقام نے مغضوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانہ کعبہ پہنچ کر ابوجہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر بنی مخزوم کے چند آدمی ابوجہل کی مدد کے لیے دوڑے اور بولے: ''حمزہ! شاید تم بھی بد دین ہو گئے''، فرمایا: ''جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہو گئی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟ ہاں: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں سب حق ہے، خدا کی قسم! اب میں اس سے پھر نہیں سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوشِ حمایت میں انہوں نے اسلام کا اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعتہً کیوں کر چھوڑ دوں، تمام دن سوچتے رہے، بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے۔

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزیں تھے اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور و ناتواں ہستیوں پر محدود تھا، لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافہ سے دفعتہً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیوں اور ایذا رسانیوں کا سد باب ہو گیا، کیونکہ ان کی شجاعت و جانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا قبول اسلام

حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالبا حضرت عباسؓ دو یا تین برس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں علانیہ دعوتِ توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا، تاہم دل سے وہ اس تحریک کے حامی تھے۔

حضرت عباسؓ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا، درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفارِ مکہ کی نقل وحرکت اوران کے رازہائے سربستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سرزمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لیے تنہا ماویٰ وملجا تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب کبھی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باز رکھا اور فرمایا کہ ”آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا“۔

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

حضرت بلالؓ بن رباح کا قبول اسلام

حضرت بلال حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے تھے، صورتِ ظاہری کے لحاظ سے گو سیاہ فام حبشی تھے، تاہم آئینۂ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا، جب کہ وادئ بطحا کی اکثر گوری مخلوق غرورِ حسن وزعم شرافت میں ضلالت وگمراہی کی ٹھوکریں کھارہی تھی، جن معدودے چند بزرگوں نے داعی حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا۔

کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم وستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلالؓ کی جو ذاتی حالت تھی، اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموس جفا کے شکار ہوئے، گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال واستقامت کی آزمائش ہوئی، تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلوئے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازیچۂ اطفال بنایا، لیکن ان تمام روح فرسا وجان گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا حبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بے قرار کر دیتی تو کہتا: ”بلالؓ! اب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا سے باز آجا“، لیکن اس وقت بھی دہن مبارک سے یہی ”أحد أحد“ نکلتا۔

ظلم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم وجفا کے نئے طریقے ایجاد کئے تھے، وہ ان کو طرح طرح سے

اذیتیں پہنچاتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا: ''تمہارا خدا لات اور عزیٰ ہے، لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے ''أحد أحد'' کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کر دو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔

''چاہے دم نکل جائے یہ بلال کہتے تھے میرے منہ سے نکلے گا ''لا الٰہ الا اللہ''.

حضرت بلالؓ ایک روز حسب معمول وادئ بطحاء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرتناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ میں دے کر آزاد کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: ''ابوبکرؓ! تم مجھے اس میں شریک کرلو''، عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آزاد کرا چکا ہوں''۔

حضرت جعفرؓ طیار کا قبول اسلام

حضرت جعفرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور حضرت علیؓ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابو طالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا: ''جعفرؓ! تم بھی اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ''، حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زید بن ارقمؓ کے گھر میں پناہ گزیں ہونے کے قبل ہمیشہ کے لیے ان کے پرستاروں میں داخل ہو گئے، اس وقت تک اکتیس بتیس آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

حضرت جعفرؓ اور ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ اس کاروان نکہت و نور میں شامل ہو گئے، جس کے نتیجہ میں اس ہاشمی نوجوان اور اس کی نو عمر بیوی نے قریش کے ہاتھوں وہ ساری بلائیں اور مصیبتیں جھیلیں جن سے ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کو پالا پڑا تھا، انہوں نے ہر اذیت پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا، کیونکہ ان کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ جنت تک پہنچنے کے لیے ان پرخار وادیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنا ناگزیر ہے، بالآخر مشرکین کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے

نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر حضور کی حکومت میں چلے آئے ہیں، انہوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا، ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں"، درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ "وہ کون سا نیا مذہب ہے جس کے لیے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا"؟

مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنی طرف سے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا، انہوں نے اس طرح تقریر کی:

> "بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، طاقتور کمزوروں کو کھا جاتا تھا، غرض ہم اس بدبختی میں تھے کہ خدا نے خود ہی ہماری جماعت میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک وبت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایہ اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ دیں، ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم پر چلے، ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑا، صرف ایک خدا کی پرستش

کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی، اس نے طرح طرح سے ظلم وتشدد کر کے ہم کو بت پرستی اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا یہاں تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم وستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے۔“

نجاشی نے کہا: ”تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اس کو کہیں سے پڑھ کر سناؤ“، حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی، اس نے کہا: ”خدا کی قسم! یہ اور تورات ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا: واللہ! میں ان کو کبھی واپس جانے نہ دوں گا“۔

حضرت جعفرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے، (۷ھ) میں وہ حبش سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہوگیا تھا اور مسلمان اس کی خوشی منا رہے تھے کہ مسلمانوں کو اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی حاصل ہوئی، حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا: ”میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفرؓ کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ کا قبول اسلام

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ یمن کے رہنے والے تھے ان کی والدہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زید کو لے کر اپنے مائکہ گئیں، اسی اثنا میں کچھ سوار جو غارت گری سے واپس آرہے تھے اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھالائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لیے پیش کیا، حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کیا، جن کی وساطت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شہنشاہیاں قربان ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زیدؓ نے ابتدا ہی میں شرف بیعت حاصل کیا، محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے، حضرت زیدؓ دعوت کے کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک کار رہے۔

چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے وعظ کے لیے طائف تشریف لے گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سفر میں زید بن حارثہؓ تھے، وعظ کرتے ہوئے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنی چوٹیں لگیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش ہو کر گر پڑے، حضرت زیدؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا آبادی سے باہر لے گئے اور پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتداہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہؓ نے یوم ولادت سے ہی توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری فرماتے ہیں:
"ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سربلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا"۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب یہ آیت تلاوت فرماتے:

﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَان﴾

تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے۔

حضرت عباسؓ (۸ھ) میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، حضرت عبداللہؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا قبول اسلام

مکہ میں جب دعوت توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہؓ اس وقت ایک کم سن اور قریب البلوغ لڑکے تھے، وہ روزانہ مکہ کے ایک رئیس عقبہ بن معیط کی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لیے انسانی آبادی سے دور مکہ کی پہاڑیوں اور وادیوں کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔

کم سن عبداللہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اکثر سنا کرتے تھے جو قریش میں اپنی نبوت کا اعلان کر چکے تھے مگر ایک تو اپنی کم عمری اور دوسرے آبادی سے دور انسانی سوسائٹی سے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں کر پاتے تھے، ان کا تو روز کا یہ معمول تھا کہ صبح منہ اندھیرے بکریوں کے ساتھ نکل جاتے اور اس وقت واپس لوٹتے جب رات کی تاریکی پورے طور پر فضاء کو اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیتی تھی۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مونس وہمدم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا: ”صاجزادے! تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ، بولے میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں؟ عرض کی: ہاں، اور ایک بکری پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو علاحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا، اس کے بعد رسول

اللہ ﷺ نے تھن سے فرمایا: خشک ہو جا اور پھر وہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ گیا"۔

اس کرشمہ قدرت نے حضرت عبداللہؓ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کی: "مجھے اس موثر کلام کی تعلیم دیجیے"، آپ ﷺ نے شفقت سے ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا: "تم تعلیم یافتہ بچے ہو" غرض اس روز سے وہ معلم دین مبین کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور بلاواسطہ خود مہبط وحی والہام سے ستر (۷۰) سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی ان کا شریک وسہیم نہ تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت میں حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا خادم خاص بنالیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس زمانہ میں ایمان لائے تھے جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین میں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی نے بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرأت نہیں کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا: "خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا"، لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پر خطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے کہا: "تمہارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں، اس کام کے لیے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے دست ظلم سے محفوظ رہے"، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جوش ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا: "مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے"۔

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن میں حاضر تھے، اس وارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر ساز توحید پر مضراب لگائی اور "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے بعد "علم القرآن" کا سحر آفرین راگ چھیڑا، مشرکین نے تعجب اور غور سے سنکر پوچھا: "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے"؟ کسی نے کہا: "محمد پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے"، یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ وغضب سے

مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا، لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں، اسی طرح حضرت عبداللہؓ کا شعلہ ایمان اس ظلم سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب اس فرض کو انجام دے کر شکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ''ہم اسی ڈر سے تمہیں نہ جانے دیتے تھے''، بولے: ''خدا کی قسم! دشمنان خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کروں''، لوگوں نے کہا: ''بس جانے دو، اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا''۔

حضرت عبداللہؓ کے جوش وغیرت ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنا دیا، یہاں تک کہ ان کی مسلسل وپیہم ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرا نوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت ابوموسیٰ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، ساقی توحید کے صلائے عام پر نزدیک والوں نے اپنے کان بند کر لیے تھے، لیکن تشنہ کامان حق دور دراز ممالک سے دشوار گذار منزلیں طے کر کے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادۂ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہو گئے، پھر اپنے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لیے ان کی دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کر لی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشان اسلام کی ایک جماعت لے کر بحری راستہ سے بارگاہ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے، لیکن طوفان و باد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کے بجائے حبش پہنچا دیا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دوسرے ستم زدگان اسلام جو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدین اسلام خیبر فتح کر کے واپس آ رہے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا۔

حضرت عمارؓ بن یاسر کا قبول اسلام

حضرت عمارؓ کے والد یاسرؓ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، مکہ میں جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمارؓ اور حضرت صہیبؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ ”میں نے صہیب کو ارقم بن ارقمؓ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا: تم کس ارادہ سے آئے ہو؟ بولے: پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو، میں نے کہا: محمد سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں، بولے: میرا بھی مقصد یہی ہے“ غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے اور ساقی اسلام کے ایک ہی جام نے دونوں تشنہ توحید کو مخمور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمارؓ جس وقت ایمان لے آئے تو انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا، یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحابؓ سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔

حضرت عمار گو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشق ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا، دہکتے

ہوئے انگاروں سے جلایا اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے، لیکن جلوہ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود اس کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزے سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی، جو استقلال واستقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی عبد اللہؓ بھی اسی گرداب اذیت میں جاں بحق ہوئے۔

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا، آنحضرت ﷺ اس طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا: ''اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہو جا''، اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندان یاسر کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے: ''اے آل یاسر! تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے''۔

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت ﷺ سے گردش زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا: ''صبر کرو، صبر کرو، پھر دعا فرمائی اے خدا! آل یاسر کو بخش دے''۔

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہوگئے، یہاں تک اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلوخلاصی ہوگئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا، دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ''عمار! کیا خبر ہے''؟ عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ نہایت ہی بری خبر ہے، آج مجھے اس وقت تک خلاصی نہ ملی جب تک میں نے آپ ﷺ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلمات خیر استعمال نہ کئے''، ارشاد ہوا: ''تم اپنا دل کیسا پاتے ہو''؟ عرض کی: ''میرا دل ایمان سے مطمئن ہے''، سرور کائنات ﷺ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے

آنسو کے قطرے پونچھے، فرمایا: ''کچھ مضائقہ نہیں اگر چہ پھر ایسا ہی کرو''، اس کے بعد ہی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾

(جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے)(اس سے کوئی مواخذہ نہیں)

حضرت عمار بھی انہیں گرفتاران مصائب میں تھے جنہوں نے راہ خدا میں صبر واستقامت کے ساتھ گوناگوں مصائب اور مظالم برداشت کئے، لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ''اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ میں موجود تھے''۔

حضرت صہیبؓ بن سنان رومی کا قبول اسلام

حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا جو موصل کے قریب لبِ دجلہ واقع تھا، رومی فوجوں نے ان کے علاقہ پر چڑھائی کی اور دوسرے مال واسباب کے ساتھ اس نو نہال کو بھی ساتھ لے گئے، وہ رومیوں میں ہی پرورش پا کر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا ان سے عبداللہ بن جدعان نے لے کر آزاد کر دیا۔

مکہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش وتحقیق کے خیال سے آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آرہے تھے، انھوں نے ان کو دیکھ کر پوچھا: ''تم کس ارادہ سے آئے ہو''؟ بولے: ''پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو''، میں نے کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں''، بولے: ''میرا بھی مقصد یہی ہے''، غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہو کر مشرف باسلام ہوئے، حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنہوں نے صدائے توحید کو لبیک کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے''، آپؓ اس وقت ارقم بن ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے اور تیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جن میں سے اکثروں نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہیں کیا تھا۔

حضرت صہیبؓ گو غریب الوطن تھے اور اس سرزمین کفر میں ان کا کوئی حامی ومعاون نہ تھا، تاہم غیرت ایمانی نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انہوں نے ابتدا ہی میں اپنے تبدیل مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہِ خدا میں حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت خبابؓ وغیرہ دسیوں مسلمانوں کے ساتھ قریش کے ہاتھوں سخت اذیتیں برداشت کیں،

انہوں نے اہل مکہ کی طرف سے ایسی ایسی مصیبتیں جھیلیں کہ اگر وہ پہاڑ پر نازل ہو جاتیں تو اسے بھی پاش پاش کر دیتیں، لیکن انہوں نے راہِ خدا میں پیش آنے والے ان تمام آلام ومصائب کو نہایت خندہ پیشانی اور صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کیا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ جنت کی راہیں مکارہ اور تکلیف دہ باتوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔

حضرت صہیبؓ سب سے آخر مہاجر تھے، انہوں نے رخت سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سدراہ ہوئے اور بولے: ”تم ہمارے یہاں مفلس ومحتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت جمع کی اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لیے جاتے ہو، خدا کی قسم! ایسا نہ ہوگا“، حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا: ”اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں، خدا کی قسم! جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آسکتے، اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، ہاں اگر مال ودولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے“؟ قریش نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور حضرت صہیبؓ اپنے مال ومتاع کے عوض متاع ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے ہوئے دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيىٰ، رَبِحَ الْبَيْعُ“ (ابو یحییٰ! یہ بیع تمہارے لیے بہت نفع بخش رہی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کو تین بار دہرایا، اس کے بعد قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ میں داد دی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ (لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضاجوئی کے لیے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں)

حضرت مصعبؓ بن عمیر کا قبول اسلام

حضرت مصعبؓ مکہ کے ایک نہایت حسین اور خوبرو نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے شدید محبت رکھتے تھے، خصوصاً ان کی والدہ خناس بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لخت جگر کو نہایت ناز ونعمت سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانے میں میسر آسکتی تھی استعمال فرماتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے: ''مکہ میں مصعبؓ سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردۂ نعمت نہیں ہے''، خدائے تعالیٰ نے حسن ظاہری، سلامت ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینۂ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ توحید کے دلربا خط وخال نے شرک سے متنفر کردیا اور آستانہ نبوت پر حاضر ہوکر اس کے شیدائیوں میں داخل ہوگئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزیں تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہورہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہؓ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کردی، انہوں نے سنا تو محبت نفرت سے مبدل ہوگئی اور مجرم توحید کے لیے شرک کی عدالت نے قید تنہائی کا فیصلہ سنایا، حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن قید کی تلخ زندگی نے بالآخر ترک وطن پر مجبور کردیا اور متلاشیان امن وسکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب

نہ تو نرم ونازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش وتنعم کی فکر تھی، صرف جلوۂ توحید کے ایک نظارہ نے تمام فانی ساز وسامان سے بے نیاز کردیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے، ہجرت کے مصائب سے رنگ وروپ باقی نہ رہا تھا، تو خود ان کی ماں کو اپنے نورِ نظر کی پریشان حالی پر رحم آگیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آگئی۔

اس اثناء میں خورشید اسلام کی ضیاپاش شعائیں کوہِ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادئ یثرب تک پہنچ چکی تھیں اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کرلیا تھا، انہوں نے دربارِ نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم وتلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ جوہر شناس نے اس خدمت کے لیے حضرت مصعب بن عمیر کو منتخب کیا اور چند زریں نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔

جن دنوں یہ مدینہ میں اسلام کی منادی کرتے اور اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے ان دنوں ان کے کندھے پر صرف کمبل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا تھا جسے اگلی طرف سے کانٹوں سے اٹکا لیا کرتے تھے، یہ وہی مصعب بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے دوسو روپے سے کم کی کبھی پوشاک نہیں پہنتے تھے مگر جب ان کو اسلام کے طفیل روحانی عیش حاصل ہوا تو ان جسمانی آرائشوں کو انہوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا، یہاں تک کہ جنگ احد میں وہ صرف ایک کمبل چھوڑ کر شہید ہوئے تھے، جو اتنا چھوٹا تھا کہ کفن دینے میں جب ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پیر چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”کمبل سے سر چھپا دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو“۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون کا قبول اسلام

حضرت عثمانؓ فطرۃً سلیم الطبع نیک نفس وپاکباز تھے، ایام جاہلیت میں عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے ناآشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ "ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل پر فتور آجائے، ذلیل وکم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائیں اور نشہ کی حالت میں ماں بہن کی تمیز بھی باقی نہ رہے"۔

اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوح دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ وتلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کردیا، اور ارباب سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہؓ ایمان لائے تھے۔

۵ھ نبوی میں بلاکشان اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمان بن مظعونؓ اس بے خانماں گروہ کے امیر تھے، ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کرلیا ہے پھر واپس تشریف لائے، لیکن جب مکہ کے قریب پہنچ کر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف مکہ میں داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامن گیر ہوتا تھا، غرض اسی کشمکش میں جہاں تک پہنچے تھے وہیں رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کرکے اپنے مشرک اعزہ واحباب کی پناہ میں مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کرکے مکہ میں داخل ہوئے۔

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتوں سے محفوظ کردیا تھا، تاہم وہ

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور دوسرے صحابہ کرام کو بتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت واطمینان کو گوارہ نہ کر سکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت فرمائی: ”افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں، خدا کی قسم! یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے“۔ اس خیال نے انہیں بیتاب کر دیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا: ”اے ابو عبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی، اس وقت تک میں تمہاری پناہ میں تھا، لیکن اب خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں، میرے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا نمونہ کافی ہے“، ولید نے کہا: ”شاید تمہیں کسی نے اذیت پہنچائی“؟ بولے: ”نہیں اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہیں، تم ابھی میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو اور جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کر دو“، غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام میں بیان کیا، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی اور فرمایا: ”صاحبو! میں نے ولید کو نہایت ہی باوفا اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہیں ہے، اس لیے میں خود ہی اس بار احسان سے سبکدوش ہوتا ہوں“۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس میں تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، اس لیے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی، اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا:

”اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ“ (خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں)

تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بے اختیار داد دی کہ ”تم نے سچ کہا“، لیکن

جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا:

”وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَّا مُحَالَۃَ زَائِلٗ“ (تمام نعمتیں یقیناً زائل ہو جائیں گی)

تو بول اٹھے کہ ”جھوٹ کہتے ہو“، اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہِ غضب آلود ڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی، اس نے اعادہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا: ”تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی“، لبید نے خفیف ہو کر کہا: ”گروہ قریش، خدا کی قسم! تمہاری مجلسوں کا یہ حال نہ تھا“، اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع میں برہمی پھیل گئی اور ایک بدکار نے حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگوں نے کہا: ”عثمان! تم ولید کی حمایت میں نہایت معزز تھے اور تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی“، بولے: ”خدا کی حمایت سب سے زیادہ باامن وذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح وتندرست ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے“، ولید نے کہا: ”کیا اب بھی تم میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو“؟ فرمایا: ”میرے لیے صرف خدا کی پناہ کافی ہے“۔

حضرت عثمانؓ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر وسکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عموماً تمام صحابہ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ مدینہ ہجرت کر گئے اور اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیے گئے۔

حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ کا قبول اسلام

حضرت ارقمؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں مخصوص عزت واقتدار کا مالک تھا، ان کے دادا اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربرآوردہ رئیس تھے۔

حضرت ارقمؓ گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی، مشرکین قریش چاہتے تھے کہ اس تحریک کو بااثر ہونے سے پہلے معدوم کردیں، لیکن اسلام فنا ہونے کے لیے نہیں آیا تھا، حضرت ارقمؓ کا مکان کوہِ صفا کی تلی میں واقع تھا، انہوں نے مہبط وحی والہام صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپالیا، حضرت عمر فاروقؓ انہیں کے گھر میں اسلام لائے تھے، ان کے اسلام لانے کے وقت کم وبیش چالیس آدمی شرف اسلام سے مشرف ہوچکے تھے، آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہوگئی، بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت ارقمؓ بھی دوسرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے۔

حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کا قبول اسلام

مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شرحبیلؓ اور ان کے خاندان نے ابتدائی زمانہ میں کسی وقت اسلام قبول کیا تھا، یہ وہ دور تھا جب سرور عالم ﷺ نے علانیہ تبلیغ حق کا آغاز نہیں کیا تھا اور نہایت رازداری کے ساتھ فریضہ تبلیغ ادا فرماتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو مسلمان اپنی قوم اور قبیلے سے مخفی مکہ کی سنسان گھاٹیوں میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے تاکہ مشرکین کو ان کے تبدیلی دین کا علم نہ ہو سکے، چھپ چھپ کر عبادت کرنے والے ان سابقین اولین میں حضرت شرحبیل بھی شامل تھے۔

جب سرور عالم ﷺ نے علانیہ دعوت حق کا آغاز فرمایا تو مشرکین کے قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا، حضرت شرحبیلؓ اور ان کے اہل خاندان بھی مشرکین قریش کے ظلم و تعدی کا ہدف بن گئے، لیکن وہ بڑے صبر اور استقامت کے ساتھ ہر قسم کی مصیبتیں جھیلتے رہے، جب کفار کے مظالم شدید سے شدید تر ہو گئے، تو حضرت شرحبیلؓ اور ان خاندان نے حبشہ کی ہجرت کی، گویا پورے گھرانے نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی۔

حضرت عبیدہ بن حارث رضؓ کا قبول اسلام

حضرت عبیدہؓ نے ابتدائے بعثت میں دعوت حق پر لبیک کہا، جب کہ ایسا کرنا ہولناک خطرات کو دعوت دینے کے مترادف تھا، حضرت عبیدہؓ اس وقت جوانی کی منزلوں سے گذر کر بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکے تھے، لیکن انہوں نے نوجوانوں کے سے جوش اور ولولے کے ساتھ اسلام کو حرز جان بنایا اور مشرکین قریش کی مخالفت اور ایذا رسانی سے مطلق ہراساں نہ ہوئے، ان کے قبول اسلام کے کچھ عرصہ بعد جب مشرکین نے پرستاران حق پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ حضرت ارقمؓ کے گھر میں پناہ لی، ان جاں نثاروں میں حضرت عبیدہؓ بھی شامل تھے۔

بعثت نبوی کے ساتویں سال جب قریش مکہ نے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کیا تو بنو ہاشم مجبور ہو کر شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے اور پورے تین برس تک بنو ہاشم مصائب و آلام کی چکی میں پستے رہے اور ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے، اس دوران ظالم محاصرین کھانے پینے کی کوئی چیز مسلمانوں کو نہیں پہنچنے دیتے تھے، محصورین کے بچے بھوک سے بلبلاتے تھے تو مشرکین ان کی آوازیں سن سن کر خوش ہوتے تھے، عورتوں کی چھاتیوں میں دودھ خشک ہو گیا تھا اور محصورین کے منہ میں کئی کئی دن تک ایک دانہ بھی نہ جاتا تھا، بعض اوقات درختوں اور جھاڑیوں کی پتیاں کھا کر پیٹ بھرتے تھے اور اگر کہیں سے سوکھا چمڑا مل جاتا تو اس کو بھون کر ستو کی طرح پھانک لیتے تھے، اس سب مصائب و شدائد کے باوجود بھی وہ مکہ کے در یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے کا تصور بھی دل میں نہ لائے، اس محصوری میں حضرت عبیدہؓ نے شروع سے آخر تک نہایت استقلال اور صبر کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔

حضرت عمروؓ بن مرہ کا قبول اسلام

ابتدائے اسلام میں ہر طرف سے اسلام کی مخالفت میں صدائیں بلند ہو رہی تھیں، انہیں ایام میں ظہور اسلام کی خبر سن کر عمرو بن مرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جو حلال وحرام کے احکامات آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں ان سب پر ایمان لاتا ہوں، اگرچہ اس وقت عرب کی در و دیوار سے اسلام کی مخالفت ہو رہی ہے“، اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ ”میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں، پتھر کے معبودوں کو پس پشت ڈالتا ہوں، بڑی دور سے آیا ہوں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل کرسکوں“۔

ان کے یہ اشعار سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور چمک اٹھا اور فرمایا: ”تمہیں مبارک ہو“، اس کے بعد یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی، اللہ نے ان کی قوم پر ہدایت کے دروازے کھول دیئے پوری قوم چند دن میں مسلمان ہوگئی۔

حضرت عکاشہؓ بن محصن کا قبول اسلام

حضرت عکاشہ کی کنیت ابو محصن تھی اور انہوں نے اس وقت دعوت اسلام پر لبیک کہی تھی جب ایسا کرنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف تھا، اس طرح وہ سابقین اولین کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہو گئے تھے، جب مشرکین قریش کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو حضرت عکاشہؓ کے قبیلے کے بہت سے لوگ جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر حبش کو ہجرت کر گئے اور وہاں امن وسکون کی زندگی بسر کرنے لگے، لیکن حضرت عکاشہ ہجرت مدینہ تک مکہ ہی میں مقیم رہے اور مردانہ وار راہِ حق میں کفار کے ظلم وستم سہتے رہے، جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو حضرت عکاشہ بھی دوسرے بلا کشان اسلام کے ساتھ ارض مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ کا قبول اسلام

حضرت عبداللہ بن مخرمہؓ بنو عامر بن لوی کے نوجوانوں کی آبرو تھے، نہایت شجاع اور شریف النفس تھے۔ ان کے قبول اسلام کی خبر مشرکین مکہ پر بجلی بن کر گری، انہوں نے نوجوان عبداللہ کو اپنے آبائی مذہب پر لوٹانے کے لیے ترغیب وتخویف کا ہر حربہ استعمال کیا لیکن حق کا نشہ ایسا نہیں تھا جسے ظلم وزیادتی کی ترشی اتار دیتی۔

عبداللہؓ نے کسی شیطانی حربے کو کوئی وقعت نہ دی، دوسرے بلاکشان اسلام کی طرح وہ بھی مشرکین کے جوروستم کا نشانہ بن گئے، انہوں نے مارپیٹ، طعن وتشنیع اور تمسخر واستہزا کی صورت میں اپنے ترکش کے سارے تیر عبداللہؓ پر خالی کر دیئے لیکن ان کے پائے استقامت میں لحہ بھر کے لیے لغزش نہ آئی۔

جب مشرکین کی ایذا رسانی کا سلسلہ حد سے گزر گیا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ "جب موقع ملے تم بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حبش چلے جاؤ، وہاں کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے، امید ہے کہ تم لوگ اس ملک میں امن سے رہو گے"۔

حضرت عبداللہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کی اور مہاجرین حبشہ کے قافلہ میں شامل ہو گئے، کفار نے اگرچہ اس قافلے کو روکنے کے لیے بہت کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بحفاظت حبش پہنچا دیا۔

حضرت حصین رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

مشہور صحابی حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے والد تھے اور قریش ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے، ایک مرتبہ قریش ان کے پاس آئے اور ان سے کہا: ''آپ ہماری طرف سے جا کر اس آدمی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) سے بات کریں کیونکہ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے''، چنانچہ قریش حضرت حصین رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے قریب آ کر بیٹھ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بڑے میاں کے لیے جگہ خالی کردو''، حضرت حصین کے صاحبزادے حضرت عمران رضی اللہ عنہ اور ان کے بہت سے ساتھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہلے سے جمع تھے، حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ کیا ہو رہا ہے کہ ہمیں آپ کی طرف سے یہ باتیں پہنچ رہی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں، حالانکہ آپ کے والد تو بہت محتاط اور بھلے آدمی تھے''؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے حصین! میرے والد اور تمہارے والد دونوں جہنم میں ہیں، اے حصین! اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم کتنے خداؤں کی عبادت کرتے ہو''؟ حضرت حصین نے کہا: ''میرے سات خدا زمین پر ہیں اور ایک خدا آسمان میں ہے''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمہیں کسی چیز کا نقصان پہنچتا ہے تو کس خدا کو پکارتے ہو''؟ حضرت حصین نے کہا: ''آسمان والے خدا کو''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مال ہلاک ہو جائے تو کس کو پکارتے ہو''؟ حضرت حصین نے کہا: ''آسمان والے کو''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ عجیب بات ہے کہ تمہاری پکار پر وہ اکیلا تمہاری فریاد رسی کرتا ہے اور تم اس کے ساتھ اور خداؤں کو شریک کرتے ہو، کیا تم آسمان والے کی رضا اور اجازت سے ان دیوتاؤں کو شریک کرتے ہو یا ان دیوتاؤں سے ڈرتے ہو کہ اگر تم

ان کو شریک نہیں کرو گے تو وہ تم پر غالب آجائیں گے"؟ حضرت حصین نے کہا: "ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں"، حضرت حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "اس وقت مجھے پتہ چلا کہ آج تک ان جیسی بڑی ہستی سے بات میں نے نہیں کی"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے حصین! مسلمان ہو جاؤ سلامتی پالو گے"، حضرت حصین نے کہا: "میری قوم ہے اور میرا خاندان ہے اگر اسلام لاؤں گا تو ان سے مجھے خطرہ ہے، اس لیے اب میں کیا کہوں"؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ دعا پڑھو:

"اَللّٰهم استهديك لأرشد أمري وزدني علما ينفعني" (اے اللہ! میں اپنے معاملہ میں زیادہ رشد وہدایت والے راستے کی آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں اور مجھے علم نافع اور زیادہ عطا فرما)

چنانچہ حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے یہ دعا پڑھی اور اسی مجلس میں اٹھنے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے، یہ دیکھتے ہی ان کے بیٹے حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنے والد حضرت حصین رضی اللہ عنہ کے سر اور ہاتھوں اور پیروں کا بوسہ لیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا: "عمران رضی اللہ عنہ کے رویہ کی وجہ سے مجھے رونا آگیا کہ ان کے والد حصین جب اندر آئے تو وہ کافر تھے، اس وقت عمران رضی اللہ عنہ نہ ان کے لیے کھڑے ہوئے اور نہ ہی ان کی طرف متوجہ ہوئے لیکن جب وہ مسلمان ہو گئے تو فوراً ان کا حق ادا کر دیا، اس وجہ سے مجھ پر رقت طاری ہوئی"، حضرت حصین رضی اللہ عنہ باہر جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: "اٹھو اور انہیں ان کے گھر تک پہنچا آؤ"، حضرت حصین رضی اللہ عنہ جوں ہی دروازہ سے باہر آئے تو قریش نے دیکھتے ہی کہا: "یہ تو بے دین ہو گیا اور سارے قریش انہیں چھوڑ کر ادھر ادھر بکھر گئے"۔

حضرت معاویہ بن حیدہؓ کا قبول اسلام

حضرت معاویہ بن حیدہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اب تک اس لیے نہیں آیا تھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کے پوروں کی تعداد سے بھی زیادہ مرتبہ قسم کھائی تھی کہ نہ میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آؤں گا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اختیار کروں گا اور حضرت معاویہؓ نے یہ فرماتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر رکھتے ہوئے پوروں کی تعداد کی طرف اشارہ فرمایا، لیکن اب اللہ تعالیٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی لے آیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور میری حالت یہ ہے کہ میرے پاس تھوڑا سا علم ہے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی عظیم ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ ہمارے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا دے کر ہمارے پاس بھیجا ہے''؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین اسلام دے کر بھیجا ہے''، حضرت معاویہؓ نے پوچھا: دین اسلام کیا ہے''؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین اسلام یہ ہے کہ تم یہ کہو میں نے اپنے آپ کو اللہ کا فرماں بردار بنا دیا اور اللہ کے علاوہ باقی سب سے میں الگ ہو گیا اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہے، دونوں مسلمان آپس میں بھائی اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور مشرک آدمی جب مسلمان ہو گیا تو اب اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو اس وقت قبول فرمائیں گے جب وہ مشرکوں سے جدا ہو جائے (یعنی ہجرت کر لے) مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں تمہاری کمر پکڑ کر تم لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤں، مگر سنو!

بات یہ ہے کہ میرا رب مجھے بلائے گا اور مجھ سے پوچھے گا کیا میرا دین تو نے میرے بندوں تک پہنچا دیا تھا تو میں عرض کرسکوں گا: اے میرے رب! ہاں میں نے پہنچا دیا تھا، غور سے سنو! تم میں سے جو یہاں حاضر ہیں وہ غائبین تک میرا دین پہنچائیں، غور سے سنو! تمہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں بلایا جائے گا کہ تمہارے منہ بند کئے ہوئے ہوں گے (یعنی تم بات نہیں کرسکو گے) اور سب سے پہلے ہر آدمی کی ران ہتھیلی اس کے اعمال کی خبر دے گی"، حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں: "میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! یہی ہمارا دین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں یہی تمہارا دین ہے، جہاں بھی رہ کر تم اس پر اچھی طرح چلو گے یہ دین تمہارے لیے کافی ہو جائے گا"۔

حضرت مقدادؓ بن عمرو کا قبول اسلام

حضرت مقدادؓ دراصل بہرا کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی اس لیے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے، لیکن یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آکر آباد ہوئے۔

وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح وطن گزیں بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید کانوں میں آئی اور رسالت مآب ﷺ کی دعوت وتبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنادیا، یہ وہ پرآشوب زمانہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا قلمرو شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت مقدادؓ نے اپنی بے بسی وغریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارہ نہ کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف میں نظر آتے ہیں جنہوں نے ابتدا ہی میں اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اعلان کردیا تھا، اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گوں ناگوں مظالم کا نشانہ بنالیے گئے، یہاں تک کہ پیمانہ صبر وتحمل لبریز ہوگیا اور مکہ چھوڑ کر عازم حبش ہوئے۔

کچھ دنوں کے بعد سرزمین حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریاں ہورہی تھیں، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریوں کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے، یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے گئے، اور کفر واسلام میں فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا، تو یہ اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ ایک قریشی متجسس فوجی دستہ کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر لشکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پاکر مسلمانوں سے مل کر مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تمام خاندان ابتدا ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ اس سے الگ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوۂ بدر میں مشرکین قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ میں انہوں نے آگے بڑھ کر "ھل من مبارز" (ہے کوئی جو مقابلہ میں آئے) کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابو بکرؓ صدیق کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انھوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت نہ دی، غزوۂ احد میں بھی وہ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے۔

حضرت عبدالرحمان صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچ کر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ وغضب کو برداشت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن سہیل کا قبول اسلام

حضرت عبداللہؓ نے دعوتِ حق کے ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کیا تو ان کے والد سخت غضبناک ہوئے، انہیں مارا پیٹا، قید تنہائی میں رکھا، لیکن وہ حق پر قائم رہے، اس پر والد نے ان کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے مشرکین مکہ بھی اسلام لانے کے جرم میں انہیں ستانے لگے، بالآخر وہ حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے، حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کرلیا اور سخت اذیت پہنچائی، بالآخر حضرت عبداللہؓ ان جفا کاریوں سے تنگ آ کر جمال توحید کو شرک کے پردہ میں چھپانے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے والدین اور مشرکین قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کرلیا کہ وہ بندگان توحید کے دائرہ سے باطل پرستوں کے حلقہ میں پھر واپس آ گئے، اور غزوۂ بدر میں شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ جو دل نورِ ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے وہ کبھی تاریک نہیں ہو سکتا ہے، غرض میدانِ بدر میں جب حق و باطل کے فدائی ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغازِ جنگ سے پہلے لوائے توحید کے نیچے آ کھڑے ہوئے، اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، اخوانِ ملت کی پشت پناہی اور ہادیٔ دین صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا، نہایت بہادری و شجاعت سے لڑے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت عتبہؓ ان بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ابتدا ہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے اثنائے تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ ”سابقین اسلام میں ان کا ساتواں نمبر ہے“، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرامؓ کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا۔

کفارِ مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آ کر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک مکہ میں موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام کا باہم فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقدادؓ ایک قریشی متجسس فوجی دستہ کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر لشکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں سے مل کر مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت عامرؓ بن فہیرہ کا قبول اسلام

حضرت عامرؓ نے ابتداء ہی میں دعوتِ توحید کو آویزۂ گوش وہوش بنایا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے، غلامانہ بے بسی کے ساتھ اس حق پسندی نے قدرۃً ان کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کیا، طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دست کرم نے قید غلامی سے نجات دلائی۔

ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ غارِ ثور میں پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن بھر مکہ کی چراگاہ میں حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چراتے، شام کو غار کے پاس لے آتے، یہاں ان کا دودھ دوہ کر استعمال کیا جاتا، جب یہ قافلہ غارِ ثور سے آگے بڑھا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ پہنچے۔

جس وقت سراقہ نے سو (۱۰۰) اونٹ کی لالچ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کا تعاقب کیا اور اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی یہاں تک کہ گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کی اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجئے، اس وقت حضرت عامر بن فہیرہؓ نے ہی چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھا تھا۔

حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد کا قبول اسلام

حضرت ابوسلمہؓ کی والدہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں اس لحاظ سے وہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، آنحضرت ﷺ کے ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزیں ہونے سے پہلے حلقہ مومنین میں داخل ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابوسلمہؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ، اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔

حضرت ابوسلمہؓ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہ بھی رفیق سفر تھیں، پھر حبش سے واپس آ کر عازم مدینہ ہوئے، لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا حضرت مصعب بن عمیرؓ کے سر باندھا گیا ہے، علامہ ابن حجرؒ ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''حضرت ابوسلمہؓ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدف اذیت بنایا، اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے حضرت مصعب بن عمیرؓ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا''، اس لیے ان دونوں روایتوں میں باہم تخالف نہیں ہے۔

بہر حال حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، ہجرت کرنے میں بھی انہیں قریش کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، حضرت ام سلمہ کہتی ہیں ''میرے شوہر ابوسلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا مجھے اونٹ پر چڑھایا، میری گود میں میرا بچہ سلمہ تھا، جب ہم چل پڑے تو بنو مغیرہ نے آ کر ابوسلمہؓ کو گھیر لیا، کہا: تو جا سکتا ہے مگر ہماری لڑکی نہیں لے جا

سکتا، اب بنو عبد الاسد بھی آ گئے، انھوں نے ابو سلمہؓ سے کہا: تو جا سکتا ہے مگر بچہ کو جو ہمارے قبیلہ کا بچہ ہے تو نہیں لے جا سکتا، غرض انہوں نے ابو سلمہؓ سے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھا دیا، بنو عبد الاسد تو ماں کی گود سے بچہ کو چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ ام سلمہ کو لے آئے، حضرت ابو سلمہؓ جو دین کے لیے ہجرت کرنا فرض سمجھتے تھے زن و بچہ کے بغیر روانہ ہو گئے''، ام سلمہؓ شام کو اسی جگہ جہاں بچہ اور شوہر سے جدا کی گئیں تھیں پہنچ جاتیں اور گھنٹوں رو دھو کر واپس آ جاتیں، ایک سال اسی طرح روتے چلاتے گزر گیا، آخر ان کے چچیرے بھائی کو رحم آیا اور ہر دو قبائل سے کہہ سن کر ام سلمہؓ کو اجازت دلا دی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں، بچہ بھی ان کو واپس دے دیا گیا، ام سلمہؓ ایک اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کو تن تنہا چل دیں۔

حضرت عبداللہؓ بن جحش کا قبول اسلام

حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی صاحبزادی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں اس لحاظ سے وہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ابتدا ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت ﷺ ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے، قریش مکہ کے دست ظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انہوں نے دو دفعہ سرزمین حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخر سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابو احمد، عبیداللہ، اور تین بہنیں، زینب، ام حبیبہ، حمنہ، نیز عبیداللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھیں، عبیداللہ نے حبش میں نصرانیت اختیار کرلی اور وہیں پیوند خاک ہوا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے، اور یہاں سے اپنے قبیلہ کے تمام ممبروں کو جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے، انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے اس طرح مکہ خالی کر دیا تھا کہ محلّہ کا محلّہ بے رونق ہو گیا اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے۔

حضرت ابو حذیفہؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو حذیفہؓ کے والد عتبہ ان ذی اثر رؤسائے قریش میں تھے جنہوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی، لیکن ارادہ خداوندی میں کون مانع ہوسکتا ہے؟ خود عتبہ کے لخت جگر حضرت ابو حذیفہؓ نے اس وقت داعی اسلام کو لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی، اور فرزانِ توحید کی ایک نہایت مختصر جماعت کسم پرسی کے ساتھ اسیر پنجۂ ظلم و جفا تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقمؓ بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزیں نہیں ہوئے تھے۔

حضرت ابو حذیفہؓ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی حضرت سہلہ بھی رفیق سفر تھیں، حبش سے مکہ واپس آئے، یہاں ہجرت مدینہ کی تیاریاں ہورہی تھیں اس پر اپنے غلام حضرت سالمؓ کو ساتھ لے کر مدینے پہنچے۔

غزوۂ بدر میں عجیب عبرت انگیز منظر تھا، جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ دکھائی دے رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش و بیگانہ کی تمیز اٹھا دی تھی انہوں نے اپنے والد کو مقابلہ کے لیے للکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عتبہ نے ان کو ملامت کی، معرکہ بدر میں عتبہ بن ربیعہ اور اکثر رؤسائے قریش تہ تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈال دیئے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرداً فرداً نام لیکر فرمایا: "اے عتبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابوجہل! کیا تم نے وعدۂ الٰہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا"، اس وقت حضرت ابو حذیفہؓ کا چہرہ نہایت اداس تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غمگین دیکھ کر پوچھا: "اے ابو حذیفہ! شاید تم کو

اپنے باپ کا کچھ افسوس ہے"، عرض کی: "خدا کی قسم نہیں، مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل، پختہ کار و صاحب رائے شخص تھا، اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولت ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلا دیا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہوا"۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو ہریرہؓ کا اصل خاندانی نام عبد شمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر نام رکھا، وہ اپنی کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ ''میں ایک ''ہرہ'' بلی پالے تھا، شب میں اس کو ایک درخت پر رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کیا'' اور بعد میں یہ کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ ان کے نام پر غالب آگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ان کو پیار سے ''ابو ہر'' کہہ کر بلاتے، اسی لیے وہ خود بھی ''ابو ہر'' کو ''ابو ہریرہ'' پر ترجیح دیتے اور کہتے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسی نام سے پکارتے تھے۔

بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لیے فقر و افلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے، بسرہ بنت غزوان کے پاس محض روٹی کپڑے پر ملازم تھے اور خدمت یہ سپرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگتیں تو یہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلیں اتفاق سے بعد میں یہی عورت ان کے نکاح میں آگئی۔

ابو ہریرہؓ کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمرو دوسیؓ ہجرت عظمٰی سے قبل ہی مکہ میں قرآن کے معجزانہ سحر سے مسحور ہو چکے تھے اور قبول اسلام کے بعد اس کی تبلیغ کے لیے یمن لوٹ آئے ان ہی کی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوۂ خیبر کے زمانہ میں یہ یمن کے اسی خانوادوں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں مدینہ حاضر ہوئے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، اس لیے یہ لوگ مدینہ سے خیبر پہنچے، اسی قبیلہ کے ساتھ ابو ہریرہ بھی تھے، خیبر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے، بیعت اسلام کے بعد دامن نبوی سے ایسے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا قبول اسلام

حضرت ابوذر غفاریؓ ظہورِ اسلام سے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا خدا کی پرستش کرتے تھے، ابو معشر راوی ہیں کہ ابوذرؓ جاہلیت ہی سے موحد تھے، خدا کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی اطلاع دی، اس کے الفاظ یہ تھے کہ "ابوذر مکہ میں تمہاری طرح ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے"، ابوذر کی خدا پرستی صرف اعتراف توحید تک محدود نہ تھی بلکہ جس طرح بن پڑتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے، وہ خود کہتے تھے کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے تین سال قبل سے نماز پڑھتا تھا" لوگوں نے پوچھا: "کس کی نماز پڑھتے تھے"؟ کہا: "خدا کی"، پھر پوچھا: "کس طرف رخ کرتے تھے"؟ جواب دیا: "جس طرف خدا پھیر دیتا تھا"۔ أینما تولوا فثم وجہ اللہ

چونکہ ابوذرؓ جاہلیت ہی سے راہِ حق کے متلاشی تھے، اس لیے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا اور اس وقت دعوت حق کا جواب دیا جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں اس اعلان حق سے خاموش تھیں، اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے، ان کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ دلچسپ داستان خود ان کی زبان سے مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ:

جب میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لیے بھیجا، وہ واپس آئے تو میں نے

پوچھا: ''کہو کیا خبر لائے''؟ انہوں نے کہا: ''خدا کی قسم یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے''، اس قدر مجمل بیان سے میری تشفی نہیں ہوئی، اس لیے میں خود سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ چل کھڑا ہوا، وہاں پہنچا تو یہ دقت پیش آئی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی مصلحت نہ تھی، اس لیے خانہ کعبہ میں جاکر ٹھہر گیا اور زم زم کے پانی پر بسر کرنے لگا، اتفاق سے ایک دن علیؓ گزرے، انہوں نے پوچھا: ''تم مسافر معلوم ہوتے ہو''؟ میں نے کہا: ''ہاں''، وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے، لیکن مجھ سے ان کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی، صبح اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیونکہ ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بے خبر تھا، اتفاق سے پھر علیؓ گزرے اور پوچھا کہ ''اب تک تم کو اپنا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا''؟ میں نے کہا: ''نہیں''، وہ پھر دوبارہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے، اس مرتبہ انہوں نے پوچھا: ''کیسے آنا ہوا''؟ میں نے کہا: ''اگر آپ اس کو راز میں رکھیں تو عرض کردوں''، فرمایا: ''مطمئن رہو''، میں نے کہا: ''میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، پہلے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات دریافت کرنے کے لیے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا مگر وہ کوئی تشفی بخش خبر نہ لایا، اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہوں''، حضرت علیؓ نے فرمایا: ''تم نے نیکی کا راستہ پالیا، سیدھے میرے ساتھ چلے آؤ جس مکان میں میں جاؤں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا، راستہ میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا، تو میں جوتا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاؤں گا اور تم بڑھے چلے جانا''، چنانچہ میں حسب ہدایت ان کے ساتھ ہولیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا: ''السلام علیک یا رسول اللہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا، اس طرح ابوذر پہلے شخص تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی طریقہ پر سلام کیا اور بعد میں سلام وتحیۃ کا یہی طریقہ مسلم معاشرہ میں عام ہوگیا، پھر عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے سامنے اسلام پیش کیجیے''، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گیا، قبول اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوذر! ابھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاؤ، میرے ظہور کے بعد واپس آنا''، میں نے قسم کھا کر کہا کہ ''میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا، ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا''، یہ کہہ کر مسجد میں آیا، یہاں قریش کا مجمع تھا، میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ ''قریشیو! میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں''، یہ سن کر ان لوگوں نے للکارا کہ اس بے دین کو مارو، اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا، یہ دردناک منظر دیکھ کر حضرت عباس سے ضبط نہ ہو سکا، وہ مجھ کو بچانے کے لیے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ ''تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کا گزر گاہ ہے''، یہ سن کر سب ہٹ گئے، لیکن اسلام کا وہ نشہ نہ تھا جس کا خمار قریش کے غیظ وغضب کی ترشی سے اتر جاتا، دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر اسلام کا نعرہ تھا، اور پھر وہی مسجد تھی، وہی سرداران قریش کا مجمع تھا اور وہی ان کی ستم آرائی تھی۔

کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا، اور فرمایا کہ ''میں عنقریب مدینہ ہجرت کرنے والا ہوں، اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنی قوم میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرو شاید خدا ان کو فائدہ بخشے اور صلہ میں تمہیں بھی اجر ملے''، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی اور وطن کا سفر کرنے کے قبل اپنے بھائی انیس سے ملے، انھوں نے پوچھا: ''کیا کر کے آئے ہو''؟ جواب دیا: ''اعتراف صداقت کر کے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا ہوں''، یہ سن کر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، یہاں سے دونوں تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے، وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے، اس کے بعد تینوں وطن پہنچے اور دعوتِ حق میں اپنا وقت صرف کرنے لگے، آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد مسلمان ہوا۔

حضرت سلمان فارسی کا قبول اسلام

حضرت سلمان فارسیؓ اسلام سے قبل مجوسی تھے اور مجوسی نام مابہ تھا، اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہ نبوت سے سلمانؓ الخیر لقب ملا۔

آپ کے والد اصفہان کے ''جی'' نامی گاؤں کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے، ان کو حضرت سلمانؓ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے، آتش کدہ کی دیکھ بھال انہی کے متعلق کر رکھی تھی، چونکہ مذہبی جذبہ ان میں ابتدا سے تھا، اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا اور نہایت سخت مجاہدات کیے، شب و روز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے، حتی کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہیں دیتے تھے۔

ان کے والد کا ذریعہ معاش زمین تھی، اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذات خود کرتے تھے، ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت خود نہ جا سکے اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سلمانؓ کو بھیج دیا، ان کو راستہ میں ایک گرجا ملا، اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی، نماز کی آواز سن کر دیکھنے کے لیے گرجے میں چلے گئے نماز کے نظارے سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی اور عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ''یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے''، چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کر اسی میں محو ہو گئے، عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ ''اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے''؟ انھوں نے

کہا کہ ”ملک شام میں“، پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے باپ نے پوچھا: ”اب تک کہاں رہے“؟ جواب دیا: ”کچھ لوگ گرجے میں عبادت کررہے تھے مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا“، باپ نے کہا: ”وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں ہے“، جواب دیا: ”بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے“، اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہوگیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کردیا، مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب ملک شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا، چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کردی، انہوں نے کہا: ”جب واپس ہوں تو مجھ کو بتانا“، چنانچہ جب کاروان تجارت لوٹنے لگا تو ان کو خبر کی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہوگئے، شام پہنچ کر دریافت کیا کہ ”یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے“؟ لوگوں نے بشب (پادری) کا پتہ دیا، اس سے جا کر کہا: ”مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کرلو“۔

چنانچہ مجوسیت کے آتش کدہ سے نکل کر ”آسمانی بادشاہت“ کی پناہ میں آگئے، مگر یہ پادری بڑا بداعمال اور بداخلاق تھا، لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا، جب وہ دیتے تو اس کو فقراء ومساکین میں تقسیم کرنے کے بجائے خود لے لیتا، اس طریقہ سے اس کے پاس سونے اور چاندی کے سات مٹکے جمع ہوگئے، حضرت سلمان اس کی حرص کو دیکھ دیکھ کر پیچ وتاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اتفاق سے وہ مرگیا، عیسائی شان وشوکت کے ساتھ اس کی تجہیز وتکفین کرنے کے لیے جمع ہوگئے، اس وقت انہوں نے اس کا سارا اعمال نامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا، لوگوں نے پوچھا: ”تم کو کیسے معلوم ہوا“؟ انہوں نے ان کو لے جا کر اس خزانہ کے پاس کھڑا کردیا، تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے

برآمد ہوئے، عیسائیوں نے اس کی سزا میں نعش دفن کرنے کے بجائے صلیب پر لٹکا کر سنگسار کر دیا، اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا، یہ بڑا عابد وزاہد اور تارک الدنیا تھا، شب وروز عبادت الٰہی میں مشغول رہتا، اس لیے حضرت سلمانؓ اس سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا: "میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف ومحبت کے ساتھ رہا، اب آپ کا وقت آخر ہے اس لیے آئندہ کے لیے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے"؟ اس نے کہا: "میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے اور بہتیرے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں، ہاں موصل میں فلاں شخص دین حق کا سچا پیرو ہے، تم جا کر اس سے ملاقات کرو"۔

چنانچہ اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور پورا واقعہ بیان کیا کہ "فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ ابلتا ہے اور میں آپ سے مل کر تشنگی بجھاؤں"، اس نے ان کو ٹھہرا لیا، پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا، اس لیے حضرت سلمانؓ نے آئندہ کے متعلق اس سے بھی وصیت کی خواہش کی، اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ نصیبین پہنچے اور پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی یہ پادری بھی پہلے دونوں پادریوں کی طرح بڑا عابد وزاہد تھا، حضرت سلمان یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے، ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آپہنچا، حضرت سلمانؓ نے گزشتہ پادریوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا، اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ بتایا۔

چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے پادری سے مل

کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے، کچھ بکریاں خرید لیں، ان سے مادی غذا حاصل کرتے تھے اور صبر و شکر کے ساتھ روحانی غذا پادری سے حاصل کرنے لگے، جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا، تو حضرت سلمان نے اس کو اپنی پوری سرگزشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جائیے، اس نے کہا: "بیٹا! میں تمہارے لیے کیا سامان کروں؟ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے، جس سے ملنے کا تم کو مشورہ دوں، البتہ اب اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستان عرب سے اٹھ کر دین ابراہیم کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا، اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا اور صدقہ اپنے لیے حرام سمجھے گا، اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا"۔

اس پادری کے مرنے کے بعد حضرت سلمانؓ عرصہ تک عموریہ میں رہے، کچھ دنوں کے بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گذرے، حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا کہ "اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کردوں گا"، وہ لوگ تیار ہو گئے، اور زبان حال سے یہ شعر۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لیے۔

لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر دھوکا دیا اور ان کو ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا مگر یہاں کھجور کے درخت نظر آئے، جس سے تو آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزل مقصود ہو، جس کا پادری نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن ہی قیام کیا تھا کہ یہ امید بھی منقطع ہو گئی، آقا کا چچا زاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا، اس نے حضرت سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا، وہ ان کو اپنے ساتھ مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی

سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، ہاتفِ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہوگی ترے غم کدہ کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

درحقیقت اس غلامی پر جو کسی کی آستان ناز تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی کشش بڑھتی چلی جاتی تھی اور آثار وعلامات بتاتے تھے کہ شاید مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے، اب ان کو پورا یقین ہوگیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر پرتو افگن ہو چکا تھا، لیکن جور وستم کے بادلوں میں چھپا تھا، سلمانؓ کو آقا کی خدمت سے اتنا موقع نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے آخر انتظار کرتے کرتے وہ یوم مسعود بھی آگیا کہ مکہ کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب سلمانؓ کی شب ہجر تمام ہوئی اور صبح امید کا اجالا پھیلا، یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، سلمانؓ کھجور کے درخت پر چڑھے کچھ درست کر رہے تھے، آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کو چچازاد بھائی نے آکر کہا: ”خدا بنی قیلہ کو غارت کرے سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے، یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں“، سلمانؓ کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط نہ رہا، صبر کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت پر سے فرش زمین پر آجائیں، اسی مدہوشی میں جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے ”تم کیا کہتے ہو“؟ آقا نے اس سوال پر گھونسہ مار کر ڈانٹا کہ ”تم کو اس سے کیا غرض؟ تم اپنا کام کرو“، اس وقت سلمانؓ خاموش ہوگئے۔

لیکن اب صبر کسے تھا، کھانے کی چیزیں پاس تھیں، ان کو لے کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”میں نے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے برگزیدہ بندہ ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، میرے پاس چیزیں

صدقہ کے لیے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے اس کو قبول فرمایئے''، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا مگر خود نوش نہ فرمایا، اس طریقہ سے سلمان رضی اللہ عنہ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ وہ صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ''کل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ ہدیہ قبول فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کیا، خود بھی نوش فرمایا اور دوسروں کو بھی دیا۔

تیسری بار جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف فرما تھے، وہاں آپ اپنے کسی صحابی کی تدفین میں شریک تھے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے ہوئے دیکھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر دو چادریں تھیں، انھوں نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور گھوم کر پشت کی جانب آگئے کہ شاید وہ خاتم نبوت دیکھ سکیں جس کو عموریہ میں ان کے مرشد نے بتایا تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی پشت مبارک کی طرف نظر اٹھائے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقصد سمجھ گئے اور پشت پر سے چادر سرکا دی، اس طریقہ سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کر لی اور باچشم پرنم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بوسہ دینے کو جھکے اور اسے بے ساختہ چومنے لگے اس وقت ان کی آنکھوں سے مسرت کے آنسو جاری تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سامنے آؤ، سلمان رضی اللہ عنہ نے سامنے آکر ساری سرگزشت سنائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دلچسپ داستان اتنی پسند آئی کہ اپنے تمام اصحاب کو سنوائی، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اتنے مرحلوں کے بعد دین حق سے ہم آغوش ہوئے۔

حضرت عمروؓ بن العاص کا قبول اسلام

عمرو بن العاصؓ کا خاندان ''بنو سہم'' زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قریش کے سیاسی نظام میں مقدمات کا عہدہ اسی خاندان میں تھا، عمرو بن العاصؓ جب تک اسلام نہیں لائے تھے، اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں قریش کے سرداروں کی طرح یہ بھی پیش پیش تھے، چنانچہ مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب ہجرت کر کے حبشہ گیا تو قریش کا جو وفد ان لوگوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے پاس گیا تھا، اس کے سب سے سرگرم رکن عمرو بن العاصؓ ہی تھے، چنانچہ حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کے اخراج میں ہر قسم کی کوششیں کیں، پہلے پادریوں سے مل کر ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا کہ یہ لوگ بھی مسلمانوں کے نکالنے میں وفد قریش کی تائید کریں، اس کے بعد شاہ حبش کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے ساری امکانی کوششیں صرف کیں کہ وہ کسی طرح مسلمانوں کو پناہ نہ دے، لیکن ان کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

غزوۂ خندق جس میں سارا عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا تھا، عمرو بن العاصؓ مشرکین کے ساتھ تھے اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں پورا زور صرف کر رہے تھے۔

عمرو بن العاصؓ اگرچہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت ترین دشمن تھے، لیکن غزوۂ خندق کے بعد سے وہ اسلام سے متاثر ہونے لگے، وہ اکثر دنیا اور اس کے انجام اور اسلام کی تعلیمات پر غور کیا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ اس غور و فکر سے اسلام کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہونے لگی اور اس سے میرا دل متاثر ہونے لگا اور میں نے مسلمانوں کی مخالفت سے رفتہ رفتہ کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کی، قریش نے اس کو

محسوس کیا اور اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا، اس نے مجھ سے بحث کرنا شروع کی، میں نے اس سے کہا: ”بتاؤ ہم حق پر ہیں یا فارس و روم والے“؟ اس نے کہا: ”ہم ہیں“، پھر میں نے پوچھا کہ ”ان کو عیش و تنعم میسر ہے یا ہم کو“؟ اس نے کہا: ”ان کو“، میں نے کہا: ”اگر اس عالم کے بعد دوسرا عالم نہیں ہے تو ہماری حق پرستی کس کام آئے گی، جب کہ ہم دنیا میں بھی باطل پرستوں کے مقابلہ میں تنگ حال رہے اور دوسرے عالم میں بھی بدلہ کی کوئی امید نہ ہو، اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم کہ مرنے کے بعد ایک دوسرا عالم ہوگا جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی کس قدر صحیح اور دلنشیں ہے“، غزوۂ خندق کے بعد ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا پورا یقین ہو گیا تھا اور یہی یقین ان کے اسلام لانے کا ذریعہ بنا، اس کی تفصیل مسند احمد میں خود ان کی زبانی مذکور ہے۔

ان کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ غزوۂ احزاب (خندق) سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے ان اشخاص کو جو مجھے مانتے تھے اور میری بات سنتے تھے، جمع کر کے کہا: ”خدا کی قسم! تم لوگ یقین جان لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تمام باتوں پر سربلند ہوگی، اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں، میری ایک رائے ہے، تم اس کو کیسی سمجھتے ہو“، لوگوں نے پوچھا: ”کیا رائے ہے“؟ انہوں نے کہا: ”ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم لوگ نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے، کیونکہ نجاشی کی ماتحتی میں رہنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے، اور اگر ہماری قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب ہوئی تو ہم ممتاز لوگ ہیں، ہمارے ساتھ ان کا عمل بہتر ہی ہوگا“، اس رائے پر سب نے اتفاق کیا، میں نے کہا پھر اس کو تحفہ دینے کے لیے کوئی چیز مہیا کرو، نجاشی کے لیے ہمارے یہاں کا سب سے بہتر تحفہ چمڑہ تھا، چنانچہ بہت سا چمڑہ لے کر ہم لوگ حبشہ پہنچے، ہم لوگ نجاشی کے دربار میں جا رہے تھے کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی کسی

ضرورت سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا، جب وہ آ کر چلے گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ''ہم نجاشی سے درخواست کریں کہ وہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالہ کردے، اگر وہ دے دے تو اُس کی گردن ماریں تا کہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا''، یہ کہہ کر میں نجاشی کے دربار میں گیا اور حسب معمول سجدہ کیا، اس نے خوش آمدید کہا اور پوچھا: ''میرے لیے اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے''؟ میں نے عرض کیا: ''حضور! بہت سا چمڑہ تحفہ میں لایا ہوں''، اور جو چمڑہ لے گیا تھا اس کو تحفہ میں پیش کر دیا، اس نے بہت پسند کیا، پھر میں نے عرض کی: ''عالی جاہ! ابھی میں نے ایک آدمی حضور کے پاس سے نکلتے دیکھا ہے یہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ہے، حضور قتل کرنے کے لیے اس کو ہمارے حوالہ کر دیں، اس نے ہمارے شرفاء اور معززین کو تکلیفیں پہنچائی ہیں''، نجاشی یہ درخواست سن کر بہت غضبناک ہوا اور اپنا ہاتھ کھینچ کر اس نے زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں سمجھا کہ ٹوٹ جائے گی، اس کی اس حرکت سے میں اس قدر نادم وشرمسار ہوا کہ اگر زمین شق ہوتی تو میں اس میں سما جاتا، پھر میں نے عرض کی: ''شاہا! اگر میں سمجھتا کہ حضور کو یہ درخواست ناگوار ہوگی تو میں نہ کرتا''، وہ بولا تم چاہتے ہو کہ ''میں ایسے شخص کا قاصد جس کے پاس ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا، قتل کے لیے تمہارے حوالہ کردوں''، میں نے عرض کی: ''عالی جاہ! کیا واقعی وہ ایسا ہے''؟ وہ بولا: ''عمرو! تمہاری حالت قابل افسوس ہے میرا کہنا مانو اور اس کی پیروی کرلو، خدا کی قسم! وہ حق پر ہے، وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا جس طرح موسیٰ فرعون اور اس کے لشکر پر غالب ہوئے تھے''، میں نے کہا: ''پھر اس کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجئے''، چنانچہ اس نے ہاتھ پھیلایا اور میں نے اسلام کی بیعت کی، یہاں سے جب میں ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا تو میرے تمام خیالات پلٹ چکے تھے، لیکن میں نے اپنے ساتھیوں پر ظاہر نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام لانے

کے لیے روانہ ہو گیا، راستہ میں خالد بن ولیدؓ مکہ سے آتے ہوئے ملے، یہ فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے، میں نے کہا: ''ابو سفیان! کہاں کا قصد ہے''؟ وہ بولے: ''خدا کی قسم! خوب پانسہ پڑا، خدا کی قسم! یہ شخص یقیناً نبی ہے، اب جلد اسلام قبول کر لینا چاہیے، یہ لیت ولعل کب تک''؟ میں نے کہا: ''خدا کی قسم! میں بھی اسی قصد سے چلا ہوں''، چنانچہ ہم دونوں ایک ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پہلے خالد بن ولیدؓ نے بیعت کی، پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بیعت کروں گا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دیجیے''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمروؓ بیعت کرلو، اسلام اپنے ماقبل کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور ہجرت بھی اپنے ماقبل کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے''، چنانچہ میں نے بیعت کی اور بیعت کر کے لوٹ آیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ قبول اسلام کے بعد مکہ لوٹ گئے، پھر کچھ ہی دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا قبول اسلام

خالدؓ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ ان ہی کے خاندان میں تھا، اور ظہورِ اسلام کے وقت خالدؓ اس عہدہ پر ممتاز تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کا جو دستہ مسلمانوں کی نقل وحرکت کا پتہ لگانے گیا تھا، اس کے سردار خالدؓ ہی تھے، غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف بڑی شجاعت سے لڑے اور مشرکین مکہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی ہمت افزائی سے دوبارہ جمے۔

ان کے اسلام کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں، سب میں مستند روایت مسند احمد بن حنبل کی ہے، جو عمرو بن العاص کے اسلام کے سلسلہ میں اوپر لکھی جاچکی ہے اس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ (۶ھ) اور (۸ھ) کے درمیان ہے، عمرو بن العاصؓ جب اسلام لانے کے قصد سے حبشہ سے چل کر عرب آئے اور اس کے لیے مدینہ کا رخ کیا تو راستہ میں قریش کا ایک اور خوش قسمت ہیرو اسی غرض سے مدینہ کا رہ نورد نظر آیا، یہ خالد بن ولیدؓ تھے، وہ بھی اسلام ہی لانے کی نیت سے مدینہ جارہے تھے، عمرو بن العاصؓ نے ان کو راستہ میں دیکھ کر پوچھا: ”کہاں کا قصد ہے“؟ بولے ”خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، یہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً نبی ہے، چلو اسلام کا شرف حاصل کریں، آخر کب تک“؟ چنانچہ یہ دونوں ساتھ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے، اور پہلے خالدؓ نے کلمہ شہادت پڑھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آگے آجاؤ تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے تم

کو ہدایت دی، تمہاری عقل و سمجھ کو دیکھ کر مجھے یہی امید تھی کہ تمہیں خیر ہی کی توفیق ملے گی"، خالدؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! میں جن لڑائیوں میں آپ ﷺ کے مقابلہ میں حق کے خلاف لڑا ہوں مجھے ان کا بہت خیال آرہا ہے، آپ ﷺ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو معاف کردے"، آپ ﷺ نے فرمایا: "اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہ مٹا دیتا ہے"، انھوں نے کہا: "آپ ﷺ اس کے باوجود میرے لیے دعا فرمادیں"، آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے خالد نے جتنی بھی کوشش اور محنت کی ہے اسے معاف فرمادے"۔

ان کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ مشرف بہ اسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد عمرو بن العاصؓ مکہ لوٹ آئے، مگر خالد بن ولیدؓ نے مدینہ ہی میں مستقل قیام اختیار فرمایا۔

خالدؓ جس طرح قبول اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اسی طرح اسلام کے بعد مشرکوں کے لیے سخت ترین خطرہ بن گئے چنانچہ اکثر غزوات میں ان کی تلوار مشرکین کا شیرازہ بکھیرتی رہی۔

حضرت خالدؓ بن سعید کا قبول اسلام

حضرت خالدؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو اس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے جب چند بندگان خدا کے سوا ساری دنیا توحید کی آواز سے نا آشنا تھی، ان ہی کے اسلام سے ان کے گھر میں اسلام کی روشنی پھیلی، ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک آتشیں غار کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں ڈھکیل رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گلا پکڑے ہوئے روک رہے ہیں، اس خواب پریشاں نے آنکھ کھول دی، گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور بے ساختہ زبان سے نکل گیا کہ ''خدا کی قسم! یہ خواب حقیقت ہے''، اور اس کو حضرت ابوبکرؓ سے بیان کیا، انہوں نے کہا: ''تم ایک نہ ایک دن مشرف بہ اسلام ہو گے، اس لیے میں تم کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ اور تمہارے والد اس آتشیں غار میں گریں گے، لیکن تم کو اسلام اس میں گرنے سے بچالے گا''، چنانچہ خالدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کی دعوت دیتے ہیں''؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشرکت غیر خدائے واحد کی پرستش کرو، مجھ کو اس کا بندہ اور رسول مانو اور ان پتھروں کی پوجا چھوڑ دو جو تمہارے نفع ونقصان کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے، حتیٰ کہ اس سے بھی لاعلم ہیں کہ ان کی پرستش کے دعوے داروں میں کون ان کی پرستش کرتا ہے اور کون نہیں کرتا''، یہ تعلیمات سن کر دل کے ساتھ زبان نے بھی خدا کی وحدانیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کر دی، ان کے اسلام لانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی

ہوئی، اس کے بعد حضرت خالدؓ اپنے گھر سے غائب ہو گئے اور ان کے والد کو ان کے اسلام کا پتہ چل گیا انہوں نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے جو ان کو ان کے والد کے پاس لے کر آئے، والد نے ان کو خوب ڈانٹا اور جو کوڑا ان کے ہاتھ میں تھا اس سے ان کی اس قدر پٹائی کی کہ وہ کوڑا ان کے سر پر توڑ دیا اور کہا: ''اللہ کی قسم! میں تمہارا کھانا پینا بند کروں گا''، حضرت خالدؓ نے کہا: ''اگر تم بند کر دو گے تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور اتنی روزی دے دیں گے جس سے میں اپنی زندگی گذار لوں گا''۔

دوسری روایت میں یہ مضمون ہے کہ اسلام لانے کے بعد گھر والوں سے چھپ کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ دعوتِ اسلام میں مصروف ہو گئے، والد کو خبر ہوئی تو انہوں نے ان کے بھائیوں کو پکڑنے کے لیے بھیجا، وہ ان کو گرفتار کر کے لے گئے، پہلے اسلام چھوڑنے کا مطالبہ ہوا، یہاں جواب صاف تھا کہ ''جان جائے لیکن محمد ﷺ کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا''، اس جواب پر پہلے زجر و توبیخ شروع ہوئی جب یہ بے اثر ثابت ہوئی تو زد و کوب کی نوبت آئی، اور اس بے دردی سے مارے گئے کہ سر پر پڑتے پڑتے لکڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، جب مارتے مارتے تھک گئے تو پھر باز پرس شروع ہوئی کہ ''تم نے محمد ﷺ کی حرکتوں کو جانتے ہوئے ان کا ساتھ کیوں دیا؟ تم آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ پوری قوم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے معبودوں اور ان کے آباء و اجداد کو برا بھلا کہتے ہیں اور اس میں تم بھی ان کی ہمنوائی کرتے ہو''؟ مگر اس مار کے بعد بھی اس بادۂ حق کے سرشار کی زبان سے نکلا کہ ''خدا کی قسم! وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں اور اس میں میں ان کے ساتھ ہوں''، جب سنگ دل باپ ہر طرح سے تھک چکا تو عاجز ہو کر قید کر کے کھانا پینا بند کر دیا اور لوگوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص اس سے گفتگو نہ کرے، چنانچہ یہ کئی دنوں تک بے آب و دانہ تنہائی کی قید جھیلتے رہے، چوتھے دن موقع پا کر بھاگ نکلے اور اطراف مکہ میں روپوش ہو گئے، جب مسلمانوں کا دوسرا قافلہ حبشہ جانے لگا تو یہ بھی اپنی بیوی امیمہ یا ہمینہ اور بھائی عمرو کو ساتھ لے کر حبشہ چلے گئے، یہیں ان کے صاحبزادے سعید اور صاحبزادی ام خالد پیدا ہوئیں۔

حضرت خبابؓ بن ارت کا قبول اسلام

حضرت خبابؓ زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے، ام انمار خزاعیہ نے ان کو خریدا، اور مکہ کے ایک لوہار کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس سے اسلحہ سازی کا ہنر سیکھیں، انھوں نے بہت جلد اس فن میں مہارت پیدا کر لی تو ام انمار نے ایک دکان کرائے پر لی، اور اسلحہ سازی کے لیے ضروری اوزار اور سامان خرید کر ان کے حوالہ کیا، ان کی مہارت فن کے ذریعہ خوب مالی فوائد حاصل کرنے لگی، چند ہی دنوں میں خبابؓ کی فنی مہارت کی شہرت مکہ کی پوری آبادی میں پھیل گئی، اور لوگ کثرت سے ان کے پاس تلواریں خریدنے کے لیے آنے لگے، کیونکہ وہ ایک کاریگر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت دیانت دار اور صادق القول شخص تھے۔

جب انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنی تو وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنا، پھر انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس بات کی شہادت دی کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں" اور اس طرح وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے چھٹے شخص بن گئے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت خبابؓ پر ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ وہ اسلام کا چھٹا حصہ تھے۔

حضرت خبابؓ نے اپنے اسلام کو کسی سے چھپانے کی کوشش نہیں کی، اس لیے ام انمار کو ان کے مسلمان ہونے کی خبر بہت جلد معلوم ہو گئی، اس خبر کو سنتے ہی اس کے غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی، اس نے اپنے بھائی سباع عبد العزیٰ کو ساتھ لیا، قبیلہ خزاعہ کے کچھ اور نوجوان بھی اس کے ہمراہ ہو گئے، سباع نے ان کو مخاطب کرتے

ہوئے کہا: ”خبابؓ! تمہارے متعلق ہم کو ایک ایسی خبر ملی ہے جس پر یقین کرنا ہمارے لیے آسان نہیں ہے“، انھوں نے پوچھا: ”کون سی خبر“؟ سباع نے غصہ میں تیز ہوتے ہوئے کہا: ”یہ بات ہر طرف مشہور ہو رہی ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو، اور اپنے آباء واجداد کے دین کو ترک کر کے بنی ہاشم کے اس ”لونڈے“ کی پیروی کرنے لگے ہو“، حضرت خبابؓ نے نہایت پرسکون لہجے میں جواب دیا: ”میں بے دین نہیں ہوا ہوں میں تو اس اللہ واحد پر ایمان لایا ہوں جس کا کوئی شریک وسہیم نہیں اور میں نے تمہارے بتوں کی پرستش چھوڑ دی ہے اور اس بات کی گواہی دی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں“۔

حضرت خبابؓ کے یہ الفاظ جیسے ہی سباع اور اس کے ساتھیوں کے کانوں میں پڑے وہ یکایک ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے اوپر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی، اور جس کے ہاتھ میں جو چیز آ گئی اسی سے مارنے لگا چاہے وہ ہتھوڑا ہو یا لوہے کا ٹکڑا، وہ ان کو مارتے رہے یہاں تک کہ وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے اور ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔

ام انمار کا بھائی سباع بن عبد العزیٰ اور اس کے قبیلہ بنو خزاعہ کے لوگ عین دوپہر میں جب دھوپ کی تمازت اپنے شباب پر ہوتی ہے، اور زمین سورج کی تیز اور گرم کرنوں سے تپ کر توا بن جاتی ہے، حضرت خبابؓ کو مکہ سے باہر سنگلاخ میدان میں نکال کر لے جاتے، ان کے جسم سے کپڑے اتار کر انھیں لوہے کی زرہ پہنا دیتے اور تیز چلچلاتی دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر کھڑا کر دیتے، مزید برآں ان پر پانی بھی بند کر دیتے، یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اپنی انتہا کو پہنچ جاتی تو ان سے پوچھتے کہ ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو“؟ حضرت خبابؓ ان کو جواب دیتے کہ ”وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہدایت اور دین حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں تاکہ ہم لوگوں کو کفر وشرک کی ظلمت سے نکال کر ایمان وہدایت کی روشنی میں

داخل کریں''، یہ سنتے ہی وہ لوگ بے تحاشا ان کو لاتوں اور مکوں سے مارنے لگتے اور پھر پوچھتے ''لات وعزیٰ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے''؟ وہ کہتے ''دو بت ہیں جو کسی کی بات سننے اور اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں، نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں نہ اس کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں''، اتنا سنتے ہی وہ آس پاس پڑے ہوئے گرم گرم پتھر اٹھا لاتے اور ان پتھروں کو ان کی پیٹھ سے چپکا دیتے، اور انھیں چپکائے رہتے یہاں تک کہ ان کے کندھے سے چربی پگھل کر بہنے لگتی۔

ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے، اس پر ان کو چت لٹایا، ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے، حضرت خبابؓ نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔

ام انمار حضرت خباب کے لیے اپنے بھائی سباع سے کچھ کم سنگ دل نہ تھی، ایک روز اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خبابؓ کی دکان کی طرف سے گزرتے اور ان سے بات کرتے دیکھ لیا وہ غصہ سے دیوانی ہو گئی، اب وہ روزانہ ان کے یہاں آتی اور بھٹی میں سے دہکتا لوہا ان کے سر پر رکھ دیتی ان کا سر جلنے لگتا اور وہ بیہوش ہو کر گر جاتے اور افاقہ ہونے پر اس کے اور اس کے بھائی کے حق میں بددعا کرتے، آخر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے حق میں ان کی بددعا قبول کر لی، ام انمار شدید قسم کے سر درد میں مبتلا ہو گئی، ایسے درد میں جس کی تکلیف ناقابل برداشت تھی اور جس کی مثال کبھی سننے میں نہیں آئی تھی، وہ شدتِ درد سے کتے کی طرح چیختی تھی، اس کے لڑکے مختلف جگہوں پر اس کا علاج کراتے پھرے مگر کہیں افاقہ کی کوئی صورت نظر نہیں آئی، ان سے بتایا گیا کہ اس درد سے نجات کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ اس کے سر کو برابر آگ سے داغا جاتا رہے، اس ہدایت کے مطابق اس کے سر کو گرم لوہے سے داغا جانے لگا، اس سے اس کو اتنی شدید قسم کی تکلیف ہوتی کہ وہ اپنے دردِ سر کو بھول جاتی۔

اور پھر حضرت خبابؓ نے غزوۂ احد میں ام انمار کے بھائی سباع بن عبد العزیٰ کو شیر خدا حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں میدان جنگ میں زمین پر پچھڑا ہوا اور خون میں لت پت دیکھا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

حضرت خبابؓ کو جسمانی سزا کے ساتھ ساتھ مالی نقصان پہنچانے کی بھی کوشش کی گئی، عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا یہ جب تقاضا کرتے تو جواب دیتا کہ "جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہ چھوڑو گے اس وقت تک نہیں مل سکتا"، یہ جواب دیتے کہ "تم جب تک مر کر دوبارہ نہ زندہ ہو گے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں ہو سکتا"۔

حضرتؓ خباب کو اسی طرح لرزہ خیز مظالم سہتے سہتے ایک مدت گزر گئی تو ایک دن فریاد لے کر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی دیوار کے سائے میں ردائے مبارک سر کے نیچے رکھے ہوئے لیٹے تھے، حضرت خبابؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ پاک سے ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے"؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنبھل کر بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس سرخ ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سے پہلے گزشتہ زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچ ڈالا گیا، سوائے ہڈیوں اور پٹھوں کے کچھ نہ چھوڑا گیا، ایسی سختیوں نے بھی ان کا دین پر اعتقاد متزلزل نہ کیا، ان کے سروں پر آرے چلائے گئے، چیر کر بیچ سے دو کر دیئے گئے تاہم دین کو نہ چھوڑا، اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور کامیاب کرے گا اور تم دیکھو گے کہ اکیلا سوار صنعاء (یمن) سے حضر موت تک جائے گا اور سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی سے نہیں ڈرے گا"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن کر حضرت خبابؓ منشائے خداوندی سمجھ گئے اور خاموشی سے واپس چلے گئے۔

حضرت خبابؓ مدتوں نہایت صبر واستقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے، پھر جب ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، ہجرت بھی تکلیف اور مصائب کے خوف سے نہ کی تھی، بلکہ خالصۃً لوجہ اللہ کی تھی، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالصۃً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی۔

حضرت ابن ام مکتوم رضؓ کا قبول اسلام

ابن ام مکتومؓ مکہ کے باشندے اور خاندان قریش کے چشم و چراغ تھے، رحمی رشتہ کے ذریعہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، وہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے، ان کے والد کا نام قیس بن زائد اور والدہ کا اسم گرامی عاتکہ بنت عبداللہ تھا، جو عام طور سے اپنی کنیت ام مکتوم کے ساتھ مشہور تھیں، اس لیے وہ ماں کی نسبت سے ابن ام مکتوم مشہور ہوئے۔

ابتدائے بعثت میں سرزمین مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، ابن ام مکتومؓ کو ظاہری آنکھوں کی روشنی سے محروم تھے مگر چشم دل وا تھی، اس لیے مکہ میں جیسے ہی اسلام کا نور چمکا وہ کفر کی تاریکی سے باہر نکل آئے اور اہل اسلام کے اس گروہ میں شامل ہو گئے جس نے اولین مرحلہ میں داعی اسلام کی پکار پر لبیک کہا اور انھوں نے ان مصائب و آلام کا نہایت پامردی اور ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کیا جن سے مسلمان دوچار ہوئے، انھوں نے اس راہ میں کسی قسم کی قربانی اور فداکاری و جاں نثاری سے دریغ نہیں کیا، انھوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ قریش کی اذیتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کی زیادتیوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا، اس راہ میں نہ تو ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش پیدا ہوئی، نہ ان کا حوصلہ پست ہوا، نہ ان کی قوت ایمانی میں کسی رخ سے کمزوری کے آثار ظاہر ہوئے، بلکہ ان مصائب نے ان کے اندر خدا کے دین سے ربط محکم، اس کی کتاب سے تعلق، اس کی شریعت سے اکتساب فیض اور بارگاہِ رسالت میں شوقِ حاضری کو مزید جلا بخشی، اور انھیں ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص قرب و اختصاص حاصل ہو گیا، چنانچہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، مکہ کے مغرور امراء اور رؤساء بھی مجلس نبوی میں آیا کرتے تھے، جو ابن

ام مکتومؓ کی ظاہری نابینائی اور غربت وافلاس کی وجہ سے ان کو ذلیل سمجھتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ ”ہماری مجلس میں ایسے لوگ برابر نہ بیٹھا کریں“، آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ لگن تھی کہ کسی طرح قریش کے رؤساء دعوت حق قبول کرلیں، اس لیے آپ ﷺ ان کی خاطر داری کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ رؤسائے قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ اس درمیان میں حضرت ابن ام مکتومؓ آگئے، اور کچھ مذہبی مسائل پوچھنا شروع کردیئے، آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ بے موقع گفتگو اس لیے ناگوار ہوئی کہ اس سے روسائے قریش کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہوتی اور ان کے دلوں میں تاثر کے بجائے تکدر پیدا ہوتا، اس لیے ابن ام مکتومؓ کی طرف التفات نہ فرمایا اور بدستور سلسلہ گفتگو جاری رکھا، آنحضرت ﷺ کا طرز عمل گو تبلیغ حق اور دعوتِ اسلام کی سچی خواہش پر مبنی تھا، تاہم خدا کے دربار میں ناپسندیدہ ہوا، اور اس پر سورۂ عبس کی ابتدائی سولہ آیات نازل ہوئیں، ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ خاص طور پر ابن ام مکتومؓ کا لحاظ رکھتے تھے، اور کاشانہ نبوی میں ان کی بڑی خاطر مدارات ہوتی، حضرت عائشہ آپ کو لیموں اور شہد پلایا کرتیں تھیں اور فرماتی تھیں کہ نزولِ آیات کے بعد یہ ابن ام مکتومؓ کا روزینہ تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان پر قریش کا غیظ وغضب حد سے فزوں ہوگیا اور ان کے ظلم وستم کی کوئی انتہا نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دے دی، اجازت ملتے ہی حضرت ابن ام مکتومؓ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے ترک وطن کرنے میں بڑی پھرتی سے کام لیا، چنانچہ اصحاب رسول میں سے وہ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ سب سے پہلے مدینہ پہنچے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد موذنی کے جلیل القدر منصب پر مامور ہوئے اور رمضان میں ان کی اذان سحری کے ختم ہونے کا اعلان ہوتی تھی اس کے بعد لوگ کھانا پینا بند کردیتے تھے، نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ابن ام مکتومؓ کی عزت افزائی اور قدر دانی کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ نے اپنی عدم موجودگی کے مختلف مواقع پر ان کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کیا، ان میں سے ایک موقع وہ تھا جب آپ ﷺ نے فتح مکہ کے لیے مدینہ چھوڑا تھا۔

حضرت بریدہؓ اسلمی کا قبول اسلام

بریدہؓ عین زمانہ ہجرت میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری پر ایک سو اونٹ کا انعام مشتہر کیا تھا اور بریدہؓ اسی لالچ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے، یہ اپنی قوم کے سردار تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہونے کا موقع ملا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا، بریدہؓ نے بلا پس وپیش قبول کرلیا، ان کے ساتھ بنو اسلم کے اسی (۸۰) خانوادے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، بریدہؓ نے اپنی پگڑی اتار کر نیزہ پر باندھ لی جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتے اور بشارت سناتے کہ ”امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو عدالت اور انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے“، اس کے بعد کچھ دنوں قرآن کی تعلیم حاصل کر کے گھر لوٹ گئے۔

حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی کا قبول اسلام

طفیلؓ دوس کے قبیلہ سے تھے اسی لیے دوسی کہلاتے تھے، یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد اور خاصا طاقتور تھا، ایک قلعہ بھی اس کے پاس تھا، حضرت طفیلؓ اس قبیلہ کے رئیس اور غالباً تجارت پیشہ تھے اور اسی تعلق سے مکہ معظمہ آتے رہتے تھے۔

جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دعوتِ اسلام فرما رہے تھے، اس زمانہ میں طفیلؓ کا مکہ میں آنا ہوا، قریش کے وہ اشخاص جو لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے روکتے تھے، ان کے پاس بھی پہنچے اور کہا: ''تم ہمارے شہر میں مہمان آئے ہو، اس لیے از راہِ خیر خواہی تم کو آگاہ کیے دیتے ہیں کہ اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال کر ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے، نہیں معلوم کہ اس کی زبان میں کیا سحر ہے، جس کے زور سے بیٹے کو باپ سے، بھائی کو بھائی سے، بیوی کو شوہر سے چھڑا دیتا ہے، ہم کو خوف ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی ہم لوگوں کی طرح اس کے دام میں نہ آجائے، اس لیے ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم اس سے نہ ملو اور نہ اس کی بات سنو'' غرض ان لوگوں نے طفیلؓ کو سب نشیب و فراز سمجھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے روک دیا، طفیلؓ نے اس خیال سے کہ مبادا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے، دونوں کانوں میں روئی ٹھونس لی، اتفاق سے اسی حالت میں ایک دن مسجد کی طرف سے گذرے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اسلام کا شرف ان کی قسمت میں مقدر ہو چکا تھا، اس لیے تمام احتیاطیں بے کار ثابت ہوئیں، اور کچھ آیتیں ان

کے کان تک پہنچ گئیں، یہ کھڑے ہو کر سننے لگے، تو اس میں بڑی دلآویزی معلوم ہوئی، دل ہی دل میں کہنے لگے کہ "میں بھی کیا وہمی ہوں، میں خود اچھا شاعر ہوں، کلام کے محاسن و معائب کو سمجھتا ہوں، پھر اس شخص کا کلام کیوں نہ سنوں، اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو اس کے اعتراف میں بخل نہ کرنا چاہیے اور اگر نا قابل توجہ ہے تو التفات کی ضرورت نہیں"، غرض اس طرح دل کو تسلی دے کر پورے غور سے آیات قرآنی سنیں، یہ کیا معلوم تھا کہ کلام کے حسن و قبح کا فیصلہ ان کی قسمت کا فیصلہ کر دے گا، جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہے، طفیل رضی اللہ عنہ گوشِ ہوش سے سنتے رہے، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی ادھر طفیل رضی اللہ عنہ کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا، اور وہ بے اختیارانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلے، کاشانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر قریش کی پوری گفتگو سنا کر عرض کیا: "اس خوف سے میں نے کانوں میں روئی رکھ لی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزانہ کلام نہ سن سکوں لیکن خدا کو سنانا منظور تھا اس لیے یہ احتیاط بے کار ثابت ہوئی، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات سنائیے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیمات بتا کر قرآن کی کچھ اور آیات تلاوت فرمائیں، طفیل رضی اللہ عنہ سن کر متحیر ہو گئے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا: "خدا کی قسم! آج تک اس سے بہتر کلام نہ میرے کانوں نے سنا اور نہ اس سے زیادہ عادلانہ کوئی مذہب دیکھا، میں بخوشی اس مذہب کو قبول کرتا ہوں"۔

اسلام لانے کے بعد عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی قوم کا سربرآوردہ شخص ہوں، اس لیے چاہتا ہوں کہ وہاں جا کر اہل وطن کو بھی دعوتِ اسلام دوں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دعا فرمائیے کہ خدا اس کارِ خیر میں میری مدد کرے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور دعا فرمائی۔

گھر پہنچے تو والد ملنے آئے، کہا: "قبلہ! آپ مجھ سے الگ رہیے، اب آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"، انہوں نے کہا: "کیوں"؟ کہا: "میں نے دین اسلام قبول کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طوقِ غلامی گردن میں ڈال چکا ہوں، اس لیے آپ سے کوئی واسطہ باقی

نہیں رہا"، باپ کی قسمت میں بھی یہ سعادت لکھی تھی، بولے: "بیٹا! جو دین تمہارا وہی دین میرا"، چنانچہ اسی وقت نہلا دھلا کر ان کو اسلام کے دائرہ میں داخل کیا، بیوی کو آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھی آئیں، ان کو بھی وہی جواب دیا جو پہلے والد کو دے چکے تھے، بیوی نے کہا: "میں تمہارے مذہب کے خلاف کیسے رہ سکتی ہوں؟ مجھے بھی اس نعمت میں شریک کرو"، چنانچہ ان کو بھی مشرف بہ اسلام کیا، گھر روشن کرنے کے بعد قبیلہ کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن اس میں آواز بے اثر رہی۔ ابو ہریرہؓ کے علاوہ سب نے اسلام قبول کرنے میں دیر کی، حضرت طفیلؓ ابو ہریرہؓ کو لے کر مکہ واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "میری قوم میرا کہنا نہیں مانتی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی ہدایت کے لیے دعا فرمایئے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے قبیلہ والوں کے حق میں بددعا فرمائیں گے اور وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے، تو بے ساختہ میری زبان سے نکل گیا: آہ میری قوم! لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بددعا کرنے کے بجائے کہہ رہے تھے:

"اَللّٰھم اھد دوساً، اَللّٰھم اھد دوساً" (خدایا! قبیلہ دوس کو ہدایت دے، خدایا! دوس کو ہدایت دے اور اس پر ابر رحمت کا نزول فرما)

دعا کے بعد ہدایت فرمائی کہ "نرمی کے ساتھ جا کر اسلام کی طرف مائل کرو"، چنانچہ وہ حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ گھر لوٹ کر تبلیغ و ہدایت میں مشغول ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے کچھ دنوں کے بعد دوس کی معتد بہ تعداد اسلام کے حلقہ اثر میں آ گئی۔

دائرہ اسلام کی وسعت کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ کا جور و ستم بھی بڑھتا جاتا تھا اور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی گستاخیاں کرنے میں ان کو باک نہ تھا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شعار بنا لیا تھا، دوس میں

ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا، طفیلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس قلعہ میں منتقل ہو جانے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ذمہ داری لی، لیکن یہ فخر انصار کے لیے مقدر ہو چکا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دعوت قبول نہ فرمائی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور بدر واحد اور خندق کی لڑائیاں بھی ختم ہو گئیں اور خیبر کی تیاریں شروع ہوئی تھیں کہ حضرت طفیلؓ تقریباً اسی (۸۰) گھرانوں کے ساتھ مدینہ تشریف لائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تھے اس لیے یہ پورا قافلہ بھی وہیں روانہ ہو گیا۔

اگرچہ دوس کے اکثر خانوادے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، تاہم مدتوں کے عقائد دفعۃً نہیں بدل سکتے تھے، چنانچہ ذوالکفلین نامی بت کا صنم کدہ باقی تھا اور بہت سے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے، لیکن طفیلؓ کا موحد دل دوس کے دامن پر شرک کا ایک دھبہ بھی نہیں گوارہ کر سکتا تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھ کو ذو الکفلین گرانے کی اجازت مرحمت ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، چنانچہ وہ کچھ دوسیوں کو لے کر گئے اور بت کدہ کو ڈھا کر بت میں آگ لگادی۔

حضرت عقبہؓ بن عامر جہنی کا قبول اسلام

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو سارے مدینہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا، لیکن عقبہ بن عامر جہنیؓ استقبال کی سعادت سے محروم رہ گئے، یہ محرومی ان کے حصہ میں اس لیے آئی کہ وہ اپنی بکریوں کو لے کر انہیں چرانے کے لیے وادیوں کی طرف نکل گئے تھے، کیونکہ بھوک پیاس کی وجہ سے ان کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ تھا، جب کہ یہ چند بکریاں ہی ان کا کل سرمایہ تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے فرحت وسرور کی جو کیفیت مدینہ پر چھائی ہوئی تھی، بہت جلد اس کی خبر دور وقریب کی وادیوں تک عام ہو گئی، حضرت عقبہ بن عامر تک بھی یہ خبر پہنچ گئی، حالانکہ وہ مدینہ سے دور وسیع میدانوں میں اپنی بکریاں چراتے پھرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کیسے اور کن حالات میں ہوئی، اس کی تفصیل ہم انہیں کے الفاظ میں ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں اس وقت اپنی بکریوں میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر جیسے ہی مجھے ملی، میں نے بکریوں کو وہیں چھوڑا اور بلا تاخیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے مدینہ روانہ ہو گیا اور بارگاہِ نبوی میں پہنچ کر عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیعت قبول فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے جواب دیا: عقبہ بن عامر جہنیؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کون سی بیعت کرو گے؟ بیعت اعرابیہ یا بیعت ہجرت؟ میں نے جواباً عرض کیا: بیعت ہجرت۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بھی انہیں باتوں پر بیعت کی جن پر اور مہاجرین سے لی تھی، چنانچہ بیعت کر کے مدینہ میں مقیم ہو گئے اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری ان کا خاص مشغلہ تھا۔

حضرت عمیرؓ بن وہب کا قبول اسلام

عمیرؓ قریش کے سربرآوردہ اور بہادر لوگوں میں تھے، قبولِ اسلام سے پہلے اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، اور مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی نکلے تھے، مگر اس غزوہ میں انہوں نے جنگ کوٹالنے کی بڑی کوشش کی، لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو دوسرا طریقہ اختیار کیا کہ قریش سے انصار کی تذلیل کے لیے کہا کہ ''ان کے چہرے سانپوں کی طرح ہیں، جو پیاس سے بھی نہیں مرتے، ان کی یہ مجال کہ ہمارے مقابلہ میں آکر بدلہ لیں، اس لیے ان روشن وتاباں چہرہ والوں (قریش) کو ان سے تعارض نہ کرنا چاہیے''، انصار نے جواب دیا: ''یہ خیال چھوڑ دو اور اپنے قبیلہ کو جنگ پر آمادہ کرو''، جب یہ تدبیر بھی ناکام رہی تو مجبوراً لڑنا پڑا، جس کا نتیجہ قریش کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان کا لڑکا وہب مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوا۔

بدر کی شکست سے مشرکین کی آتش انتقام اور تیز ہوگئی اور وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے طرح طرح کے منصوبے سوچنے لگے، ایک دن عمیر اور صفوان بن امیہ آپس میں بیٹھے باتیں کررہے تھے، صفوان نے کہا: ''بدر کے مقتولین کے بعد زندگی بے مزہ ہوگئی''، عمیر نے کہا: ''بالکل سچ ہے، واللہ! لطف زندگی جاتا رہا، اگر مجھ پر قرض اور اہل وعیال کی پرورش کا بار نہ ہوتا تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوشش کرتا''، صفوان یہ سن کر پھولا نہ سمایا، بولا: ''یہ کون سی بڑی بات ہے؟ تمہارے قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ لیتا ہوں اور جس طریقہ سے میں اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا ہوں اسی طرح تمہارے اہل وعیال

کی بھی پرورش کروں گا"، اور عمیر کے لیے ضروری سامان سفر مہیا کر دیا، اس میں ایک زہر آلود تلوار بھی تھی اور عمیر یہ ہدایت کر کے کہ "ابھی کچھ دنوں میرے حالات پوشیدہ رکھنا"، مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی کے دروازہ پر سواری کھڑی کر کے تلوار لیے ہوئے سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، حضرت عمرؓ دیکھ رہے تھے، وہ گھبرائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عمیر کو کسی قیمت پر امان نہ دیجیے گا"، فرمایا: "اچھا ان کو لے آؤ"، حضرت عمرؓ چند اشخاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے متعین کر کے خود عمیر کو لانے چلے گئے، وہ تلوار لیے ہوئے داخل ہوئے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کو ہٹا دیا، عمیر نے "سلام علیک" کی جگہ "أنعموا صباحا" جاہلیت کا سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے طریقہ سلام سے ہم کو مستغنی کر دیا اور ہمارا طریقہ سلام متعین کیا ہے"، پھر پوچھا: "کیسے آنا ہوا"؟ عمیر نے کہا: "اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے آخر تم بھی تو ہمارے ہی ہم قبیلہ اور ہم خاندان ہو"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "یہ تلوار کیسی گلے میں لٹکی ہے"؟ کہا: "ان تلواروں کا برا ہو یہ ہمارے کس کام آئیں، اترتے وقت گلے سے نکالنا بھول گیا تھا، اس لیے لٹکی رہ گئی"، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "سچ سچ بتاؤ تم کس ارادہ سے آئے ہو"؟ کہا: "صرف قیدیوں کو چھڑانے کے لیے"، فرمایا: "تم نے صفوان سے کیا شرط کی تھی"، اس سوال پر عمیر بہت گھبرائے اور کہا: "میں نے کیا شرط کی تھی"؟ فرمایا: "ان ان شرائط کے ساتھ تم نے قتل کا وعدہ کیا تھا"۔

یہ سنتے ہی حالت بدل گئی، جس زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا عہد کر کے آئے تھے، اسی زبان سے بے اختیار "أشهد أنك رسول الله و أشهد أن لااله الا الله" نکل گیا، قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ "اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور ان کے قیدی چھوڑ دو"، چنانچہ وہب کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔

مکہ میں صفوان نہایت بے چینی سے ان کے کام کا انتظار کر رہا تھا اور قریش سے

کہتا پھرتا تھا کہ ''میں تم کو ایسی کامیابی کی خوشخبری سناؤں گا جس کے بعد بدر کی شکست کا غم بھول جاؤ گے'' اور ہر آنے جانے والے سے پوچھتا کہ ''مدینہ میں کوئی نیا واقعہ تو نہیں پیش آیا'' (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام تو نہیں ہوا) ایک دن بالکل خلاف توقع خبر سنی کہ جو شکار کرنے نکلا تھا وہ خود شکار ہو گیا، یعنی عمیرؓ مسلمان ہو گئے، اس خبر سے بہت پیچ وتاب کھایا اور عہد کر لیا کہ اب کبھی عمیرؓ سے نہ بولوں گا، اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا، تمام مشرکین نے عمیرؓ کے اسلام پر اظہارِ ملامت کیا، اس درمیان میں عمیرؓ نے قرآن کی کچھ تعلیم حاصل کر لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''اگر اجازت ہو تو میں مکہ میں جا کر اشاعت اسلام کا فرض انجام دوں، شاید خدا ان لوگوں کو ہدایت دے''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما لیا اور عمیرؓ نے مکہ میں آ کر بڑی سرگرمی سے تبلیغ شروع کر دی اور ان کی کوششوں سے بڑی تعداد اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئی۔

حضرت ابورافعؓ کا قبول اسلام

ابورافعؓ ابتداء میں حضرت عباسؓ کے غلام تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دیا تھا اور حضور ﷺ نے اپنے خاندان میں شامل کرلیا تھا، حضرت عباسؓ کے اسلام کی خوشی میں آپ ﷺ نے انہیں آزاد کردیا تھا۔

حضرت ابورافع ان لوگوں میں ہیں جن کے دل پر نبوت کا پرجلال چہرہ ہی دیکھ کر اسلام کا نقش بیٹھ گیا تھا، ان کے اسلام کے متعلق ان کا بیان ہے کہ "ایک مرتبہ قریش نے مجھ کو آنحضرت ﷺ کے پاس کسی کام سے بھیجا، آپ ﷺ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف ہوگیا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اب میں واپس نہ جاؤں گا"، آپ ﷺ نے فرمایا: "میں قاصد کو نہیں روکتا اور عہد شکنی نہیں کرتا، اس وقت تم لوٹ جاؤ، اگر کچھ دنوں تک بدستور تمہارے دل میں اسلام کا جذبہ باقی رہا تو پھر چلے آنا"، چنانچہ اس وقت تو یہ واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

لیکن بدر تک قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا، ایک دن چاہ زمزم کی چہار دیواری میں بیٹھے تیر درست کررہے تھے، حضرت عباسؓ کی اہلیہ بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں ابولہب آگیا اور حجرہ کی طناب کے پاس بیٹھا، اس کے بعد ابو سفیان آئے، ابولہب ان سے بدر کے حالات دریافت کرنے لگا اس نے کہا: "کیا پوچھتے ہو مسلمانوں نے ہماری ساری قوت تباہ کردی، بہتوں کو تہ تیغ کرڈالا، کچھ لوگوں کو گرفتار کیا"، اس سلسلہ میں ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ میدانِ

جنگ میں آسمان سے زمین تک سفید پوش سوار بھرے ہوئے تھے، اس پر ابو رافع نے کہا: ”وہ فرشتے تھے“، یہ سن کر ابولہب نے ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا، یہ سنبھل کر لپٹ گئے مگر کمزور تھے اس لیے ابولہب نے پٹخ دیا اور سینہ پر چڑھ کر جہاں تک مارسکا مارا، حضرت عباسؓ کی بیوی سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا، انہوں نے ایک ستون اٹھا کر اس زور سے مارا کہ اس کا سر کھل گیا اور بولیں: ”اس کا آقا موجود نہیں اس لیے کمزور سمجھ کر مارتا ہے“، بدر کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقیم ہوئے۔

حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کا قبول اسلام

حضرت عقیلؓ حضرت علیؓ کے سوتیلے بھائی اور عمر میں ان سے بیس سال بڑے تھے۔

عقیلؓ کا دل ابتدا سے اسلام کی طرف مائل تھا لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے علی الاعلان اسلام نہیں قبول کر سکتے تھے، چنانچہ بدر میں بادلِ ناخواستہ مشرکین کے ساتھ شریک ہوئے اور جب ان کو شکست ہوئی تو دوسرے مشرکین کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ "دیکھو میرے گھرانے والوں میں کون کون لوگ گرفتار ہوئے"، آپ نے تحقیقات کر کے عرض کیا کہ "نوفل، عباس اور عقیل گرفتار ہوئے ہیں"، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس تشریف لائے اور عقیل کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ "ابوجہل قتل ہو گیا"، عقیل بولے "اب تہامہ میں مسلمانوں کا کوئی مزاحم باقی نہیں رہا"، عقیل کے ہاتھ مال و دولت سے خالی تھے، اس لیے حضرت عباسؓ نے اپنی جیب سے ان کا فدیہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔

آزاد ہونے کے بعد مکہ واپس گئے اور (۸ھ) میں باقاعدہ اسلام لا کر ہجرت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت نوفلؓ بن حارث کا قبول اسلام

نوفلؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، دعوتِ اسلام کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز قریب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہوگئے، لیکن نوفلؓ کے خون میں ہمیشہ یکساں برادرانہ محبت قائم رہی، چنانچہ حالت شرک میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنا پسند نہ کرتے تھے، بدر میں جب طوعاً کرہاً مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے، اس وقت یہ پرخلوص اشعار ورد زبان تھے۔

حرام علی حرب أحمد أنني

أری أحمدا مني قریبا أواصره

''مجھ پر احمد سے جنگ کرنا حرام ہے، وہ میرے قریبی عزیز ہیں''۔

بدر میں جب مشرکین کو شکست ہوئی تو دوسرے قیدیوں کے ساتھ یہ بھی گرفتار ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نوفل فدیہ دے کر رہا ہو جاؤ''، عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس فدیہ کے لائق کوئی چیز نہیں''، فرمایا: ''جدہ والے نیزے فدیہ میں دے دو''، اس کے جواب میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف کیا اور ہزار نیزے فدیہ میں پیش کیے اور ذیل کے اشعار میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

الیکم الیکم أنني لست منکم

تبرأت من دین الشیوخ الأکابر

''دور ہو، دور ہو میں تمہاری جماعت میں نہیں ہوں، میں قریش کے بڑے بوڑھوں کے دین سے بیزار ہوں''۔

شهدت علی أنّ النبی محمد

أتی بالهدی من ربه والبصائر

''میں نے شہادت دی ہے کہ محمد ﷺ نبی ہیں اور خدا کی جانب سے وہ ہدایت اور بصیرت لائے ہیں''۔

فان رسول الله یدعوا الیٰ التقی

وان رسول الله لیس لشاعر

''اور رسول اللہ ﷺ تقویٰ کی طرف بلاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ شاعر نہیں ہیں''

علی ذلك أحیی ثم لبث موتنا

وأثوی علیه میتا فی المقابر

''میں اسی پر زندہ رہوں گا اور اسی پر میں قبر میں موت کی حالت میں سوؤں گا اور پھر اسی پر قیامت کے دن اٹھوں گا''۔

اسلام کے بعد پھر مکہ واپس چلے گئے غزوۂ خندق یا فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ کے ساتھ مدینہ کے قصد سے روانہ ہوئے، ابواء پہنچ کر ربیعہ بن حارث نے لوٹنے کا ارادہ کیا، نوفل نے کہا: ''اس شرک کدہ میں کہاں جاتے ہو، جہاں کے آدمی رسول اللہ ﷺ سے لڑتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں، اب خدا نے رسول اللہ ﷺ کو عزت دی ہے، اور ان کے ساتھی بھی زیادہ ہوگئے ہیں، ہمارے ساتھ چلے چلو''، چنانچہ یہ قافلہ ہجرت کرکے مدینہ پہنچا۔

حضرت طلیبؓ بن عمر کا قبول اسلام

طلیب کی ماں اروی عبد المطلب کی لڑکی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم کے گھر میں پناہ گزیں ہونے کے بعد دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، قبول اسلام کے بعد گھر آئے اور ماں سے کہا: "میں خلوص دل سے اسلام لاکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہو گیا ہوں"، ان نیک خاتون نے جواب دیا کہ "تمہارے بھائی غیروں سے زیادہ تمہاری مدد کے مستحق ہیں، اگر مجھ میں مردوں جیسی قوت ہوتی تو ان کو کفار کی دراز دستیوں سے بچاتی"، ماں کے اس شریفانہ جذبات کو سن کر کہا کہ "پھر آپ کو اسلام لانے سے کیا چیز روکتی ہے، آپ کے بھائی حمزہؓ بھی اسلام لاچکے"، بولیں "مجھ کو اپنی بہنوں کا انتظار ہے کہ وہ کیا کرتی ہیں، ان کے بعد میں بھی ان کی ہی پیروی کروں گی"، طلیبؓ نے اصرار کیا کہ "میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیے اور ان کی رسالت اور خدا کی توحید کا اقرار کیجئے"۔

ان خاتون کا دل شروع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب مائل تھا، اس لیے اس اصرار پر انکار کی ہمت نہ ہوئی اور اسی وقت کلمہ توحید زبان پر جاری ہو گیا۔

اروی عورت تھیں مگر اسلام کے بعد مردانہ ہمت واستقلال کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امکانی مدد کرتی رہیں، نسائیت کی وجہ سے عملی امداد سے تو مجبور تھیں مگر زبان سے جو کچھ بن پڑتا تھا، کہتی تھیں اور اپنے فرزند کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد واعانت پر آمادہ کرتی تھیں۔

ابتدائے اسلام میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وستم کی بدلیاں گرج گرج کر

پرستی تھیں، طلیبؓ آنحضرت ﷺ کی حمایت کرتے تھے، مشرکین نے حضور انور ﷺ کی ایذا رسانی کو اپنا مستقل شیوہ بنا لیا تھا، ایک مرتبہ عوف بن صبرہ سہمی آپ ﷺ کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کر رہا تھا، طلیبؓ نے اس کو اونٹ کی ہڈی سے مار کر زخمی کر دیا تھا، لوگوں نے ان کی ماں سے شکایت کی، ان نیک خاتون نے جواب دیا:

ان طلیبا نصر ابن خالہ

واساہ فی دمہ ومالہ

(طلیب نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی اور اس کے خون اور مال کی غمخواری کی)

ایک مرتبہ ابو اہاب بن عزیز دارمی کو قریش نے آنحضرت ﷺ کے مارنے پر آمادہ کیا، مگر قبل اس کے کہ وہ یہ ناپاک ارادہ پورا کرتا، حضرت طلیبؓ سے ملاقات ہو گئی، آپ نے اس کے ارادۂ فاسدہ کو اسی کے ساتھ پورا کر دکھایا۔

مشرکین کا سرغنہ ابولہب جو مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے آگے رہتا تھا، ان کا حقیقی ماموں تھا، جب اس نے مسلمانوں کو قید کیا تو طلیبؓ نے اس کو مارنے میں بھی دریغ نہیں کیا، اس جرات پر مشرکین نے ان کو باندھ دیا، لیکن ابولہب کے بھانجے تھے، اس لیے اس نے خود چھوڑ دیا اور اپنی بہن سے شکایت کی، انہوں نے جواب دیا کہ "طلیبؓ کی زندگی کا بہترین دن وہی ہے جس میں وہ محمد ﷺ کی مدد کریں"۔

حضرت عمروؓ بن عبسہ کا قبول اسلام

عمروؓ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ کے ماں جائے بھائی تھے، عمروؓ ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جب کہ سارا عرب بت پرستی میں مبتلا تھا ان کو اس سے نفرت تھی اور بت پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں خود حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت کی ہے کہ ”ہوش سنبھالتے ہی میں نے بتوں کی پرستش کا جوا گردن سے اتار پھینکا کیونکہ میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ یہ بت کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے، میں اس زمانے میں بت پرستوں کو سراسر گمراہی میں مبتلا خیال کرتا تھا، اسی دوران میں اہل کتاب سے میری ملاقات ہوئی، اس نے مجھے بتایا کہ ہمارے نوشتوں کے مطابق سر زمین مکہ سے ایک ایسے شخص کا ظہور ہونے کو ہے جو لوگوں کو بتوں کی پرستش سے منع کرے گا اور ایک ان دیکھے معبود کی پرستش کی دعوت دے گا اور اس کی شریعت تمام شریعتوں سے افضل ہوگی، یہ سن کر میں ہر وقت اس انتظار میں رہنے لگا کہ کب مجھے ایسے شخص کے ظہور کی اطلاع ملتی ہے، چنانچہ جو شخص مکہ سے آتا، میں اس سے وہاں کے تازہ حالات دریافت کرتا، ایک دن مکہ سے آنے والے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو لوگوں کو بتوں کی پوجا سے منع کرتا ہے اور خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اس کے عمدہ طور طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اچھے دین کا داعی ہے“۔

چنانچہ بعثت نبوی کی خبر پا کر مکہ آئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی

معاندانہ روش کے باعث علی الاعلان دعوت اسلام نہیں کرتے تھے، اس لیے عمرو بن عبسہؓ نے خفیہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا: ''آپ کون ہیں''؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نبی ہوں''، پوچھا: ''نبی کیا چیز ہے''؟ فرمایا: ''مجھ کو خدا نے بھیجا ہے''، پوچھا: ''کن تعلیمات کے ساتھ''؟ فرمایا: ''صلہ رحمی، بت شکنی اور توحید کے ساتھ''، پوچھا: ''کسی اور نے بھی اس دعوت کو قبول کیا''؟ فرمایا: ''ہاں ایک غلام اور ایک آزاد نے''، اس وقت صدیق اکبرؓ اور حضرت بلالؓ آپ کے ساتھ تھے، اس سوال و جواب کے بعد عرض کی: ''مجھ کو بھی خدا پرستوں کے زمرہ میں داخل کیجئے، میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا''، فرمایا: ''ایسی حالت میں جب کہ ہر چہار جانب سے میری مخالفت کے طوفان اٹھ رہے ہیں، میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو؟ اس وقت تم وطن واپس جاؤ، میرے ظہور کے بعد پھر چلے آنا''۔

غرض مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حسب ارشاد نبوی وطن لوٹ گئے اور آنے جانے والوں سے برابر حالات کا پتہ چلاتے رہے، اتفاق سے یثرب کے کچھ لوگ آپ کے یہاں آ گئے، ان سے پوچھا کہ ''جو شخص مدینہ آیا ہے، اس کا کیا حال ہے''؟ انہوں نے کہا کہ ''لوگ جوق در جوق اس کی طرف ٹوٹ رہے ہیں، اس کی قوم نے تو اس کو قتل کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا مگر قتل نہ کر سکی، اب وہ مدینہ آ گیا ہے''۔

اس خبر کے بعد وہ مدینہ روانہ ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تم کو پہچان لیا، تم مکہ میں مجھ سے ملے تھے''، پھر کچھ صوم و صلوٰۃ کے مسائل وغیرہ دریافت کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔

حضرت ولید بن ولیدؓ کا قبول اسلام

مشہور صحابی خالد بن ولیدؓ اور آپ ایک ہی ماں کے بطن سے تھے، بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ لڑنے نکلے اور شکست کھا کر عبد اللہ بن جحشؓ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، دونوں بھائی خالد بن ولیدؓ اور ہشام بن ولید چھڑانے کے لیے آئے، حضرت عبد اللہ بن جحشؓ نے چار ہزار زر فدیہ طلب کیا، خالدؓ کو اتنی بڑی رقم دینے میں تردد ہوا، ہشام نے کہا: ''تم کو کیا لاگ ہوگی، تم تو اس کے بھائی ہو نہیں، اگر عبد اللہؓ اس سے بھی زیادہ مانگیں تو بھی چھڑانا ہے''، دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رہائی کے معاوضہ میں نقد کے بجائے ان کے والد کی زرہ، تلوار اور خود طلب کی، مجبوراً یہ قیمت بھی ادا کی اور رہائی کے بعد بھائیوں کے ساتھ گھر روانہ ہوگئے، ذوالحلیفہ پہنچ کر بھاگ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوگئے، دوبارہ جب بھائی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا: ''جب تم کو اسلام ہی لانا تھا تو پھر فدیہ کے قبل کیوں نہ مسلمان ہوگئے، خواہ مخواہ والد کی نشانیاں بھی ضائع ہوئیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا''، کہا: ''اس وقت اسلام اس لیے نہیں لایا کہ میں بھی اپنے قبیلہ کے لوگوں کی طرح فدیہ دے کر آزاد ہونا چاہتا تھا، تاکہ قریش کو یہ طعنہ دینے کا موقع نہ ملے کہ ولید فدیہ کے ڈر سے مسلمان ہوگیا''۔

اسلام لانے کے بعد مکہ لوٹ گئے، راستہ میں بھائیوں نے تو کوئی تعرض نہ کیا مگر مکہ پہنچ کر دوسرے بلاکشان اسلام کی طرح ان کو بھی قید کر دیا اور عیاش بن ربیعہؓ اور سلمہ بن ہشامؓ کے ساتھ طوق و سلاسل کی نگرانی میں دن کاٹنے لگے، بدر کے قبل آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم عیاشؓ اور سلمہؓ کے لیے دعا فرماتے تھے، بدر کے بعد جب ولیدؓ قید ہوئے تو ان کے لیے بھی دعا فرمانے لگے۔

عرصہ تک قید محن کی مصیبتیں جھیلتے رہے، ایک دن موقع پا کر نکل بھاگے اور سیدھے مدینہ پہنچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیاشؓ اور سلمہؓ کا حال پوچھا، عرض کیا: ''ان پر بہت سختیاں ہو رہی ہیں، ایک بیڑی میں دونوں کے پیر ڈال دیئے گئے ہیں''، فرمایا: ''تم واپس جاؤ، وہاں کا لوہار اسلام قبول کر چکا ہے، اس کے یہاں ٹھہرو اور قریش کی آنکھ بچا کر خفیہ عیاشؓ اور سلمہؓ کے پاس پہنچو اور ان سے کہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں میرے ساتھ نکل چلو''۔

اس فرمان کے مطابق یہ مکہ پہنچے اور عیاشؓ وسلمہؓ سے مل کر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنا دیا، یہ دونوں نکل کر ساتھ ہو گئے، قریش کو خبر ہوئی تو خالد بن ولید نے کچھ لوگوں کو لے کر تعاقب کیا، مگر ناکام رہے اور یہ مختصر قافلہ بخیر وخوبی مدینہ پہنچ گیا۔

عمرۃ القضا میں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، خالد اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، اس لیے کہیں روپوش ہو گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا سامنا نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیدؓ سے فرمایا: ''اگر خالد میرے پاس آتے تو میں ان کا اعزاز واکرام کرتا، مجھ کو سخت تعجب ہے کہ ان کے ایسے زیرک ودانا شخص کے دل میں ابھی تک اسلام کا اثر نہیں ہوا''، چنانچہ ولیدؓ نے خالد کو خط لکھا، اس خط سے ان کا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور یہ میلان آئندہ چل کر اسلام کی شکل میں ظاہر ہوا۔

حضرت سلمہؓ بن ہشام کا قبول اسلام

سلمہؓ مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے بھائی تھے، دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہجرت کر کے حبشہ گئے، لیکن کچھ دنوں کے بعد اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر سن کر دوسرے مہاجرین کے ساتھ واپس آگئے، اس خبر کی تردید کے بعد اور لوگ تو واپس چلے گئے، لیکن ان کو ابوجہل نے نہ جانے دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا شروع کیں، کھانا پینا بالکل بند کر دیا، مار پیٹ بھی کرتا تھا، لیکن یہ وہ نشہ نہ تھا جس کو سختی کی تلخی اتار دیتی، اس لیے اس کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں، ابھی اسلام بھی اتنا قوی نہیں ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مدد فرماتے لیکن نماز کے بعد سلمہؓ اور ان کے ساتھیوں کے لیے دعا فرماتے تھے کہ ”خدایا! ولید بن ولیدؓ، سلمہ بن ہشامؓ، اور عیاش بن ربیعہؓ کو مشرکین مکہ کی سختیوں سے نجات دلا“۔

ولید کے حالات میں ان کے ذریعہ سلمہؓ کی رہائی اور ان کے مدینہ آنے کا واقعہ گذر چکا ہے۔

حضرت حجاج بن علاط کا قبول اسلام

حجاج خیبر کے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام کا محرک یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ جارہے تھے، راستہ میں ایک بھیانک وادی میں رات ہوگئی اس لیے سب لوگ وہیں شب باش ہوگئے، حجاج سب کی پاسبانی کرنے لگے، اتنے میں کوئی شخص یہ تلاوت کرتا سنائی دیا:

﴿یامعشر الجن والانس ان استطعتم أن تنفذوا من أقطار السموات والأرض فانفذوا لاتنفذون الا بسلطان﴾ (اے جن وانس کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور تم بغیر سلطان کے نہ نکل سکو گے)

مکہ پہنچے تو یہ واقعہ قریش سے بیان کیا، انہوں نے کہا: ”معلوم ہوتا ہے کہ تم بے دین ہوگئے، یہ تو وہی کلام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زعم میں ان کے اوپر نازل ہوتا ہے“، حجاج نے ان کے واقعہ کی تصدیق اپنے ہمراہیوں سے کرائی اور مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

حضرت ہشامؓ بن عاص کا قبول اسلام

ہشام مشہور صحابی عمر بن عاصؓ فاتح مصر کے چھوٹے بھائی تھے، خوش بختی اور بد بختی عمر کے تفاوت پر منحصر نہیں، گو ہشام عمرو بن عاصؓ سے عمر میں چھوٹے تھے، لیکن ان کی قسمت ان سے زیادہ اور ان کا بخت ان سے زیادہ بیدار تھا، چنانچہ عمرو بن عاصؓ جب کفر کی ضلالت میں گھرے ہوئے تھے، اس وقت ہشامؓ کی پیشانی پر اسلام کا نور چمک رہا تھا، اسلام کے بعد حضرت ہشامؓ کو ان کے والدین اور دوسرے اہل خاندان نے نشانہ ستم بنایا، وہ کئی سال تک طرح طرح کی سختیاں جھیلتے رہے لیکن انہوں نے جادۂ حق سے ہٹنے کا کبھی تصور بھی نہ کیا، جب مسلمانوں پر کفار کے مظالم ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی، اور وہ مہاجر قافلہ کے ساتھ حبشہ گئے، کچھ دنوں رہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر سن کر مکہ واپس آئے یہاں سے پھر مدینہ کا قصد کیا لیکن باپ اور اہل خاندان نے قید کر دیا، عرصہ تک قید رہے، غزوۂ خندق کے بعد موقع ملا تو مدینہ آئے۔

حضرت ابواحمدؓ بن جحش کا قبول اسلام

ان کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، اور یہ ام المومنین حضرت زینب کے حقیقی بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

وہ اپنے بھائی عبداللہ اور عبیداللہ کے ساتھ دعوتِ اسلام کے آغاز یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم کے گھر میں پناہ گزیں ہونے کے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، اور بھائیوں کے ساتھ ہی ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، اور مبشر بن منذرؓ کے گھر مہمان ہوئے۔

مکہ میں ایک جماعت تھی، جس کا مقصد صرف اسلام کو نقصان پہنچانا اور مسلمانوں کا اذیت دینا تھا، ابوسفیان اور ابوجہل اس کے سرغنہ تھے، ابواحمد ہجرت کے بعد ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے، اس لیے براہِ راست ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان کا گھر ابن علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ ڈالا، فتح مکہ میں جب مسلمان فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور دشمنانِ اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں، اس وقت ابواحمد نے سب کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ چپکے سے کچھ کہلا دیا، انہوں نے ابواحمد کے کان میں جا کر کہہ دیا، اس کے بعد پھر آخری دم تک انہوں نے مکان کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا، بعد کو ان کی اولاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ سے کہلایا تھا کہ "تم اس مکان کو جانے دو اور اس کے عوض میں تم کو خلد بریں قصر ملے گا"۔

حضرت عمروؓ بن سعید کا قبول اسلام

حضرت عمروؓ خالد بن ولیدؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے، ان کے گھر میں سب سے پہلے ان کے بھائی خالد بن سعیدؓ مشرف بہ اسلام ہوئے ان کے کچھ دنوں کے بعد عمروؓ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، ان کے والد اور دادا سخت مشرک تھے، باپ اور دوسرے اہل خاندان نے ان پر قبولِ اسلام کے جرم میں بے پناہ سختیاں کیں، لیکن نشہ توحید ایسا نہیں تھا جو سختیوں کی ترشی سے اتر جاتا، اسی زمانے میں ان کے تیسرے بھائی ابان نے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، دونوں بھائیوں کے اسلام پر اشعار میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

ألا لیت میتا بالظریبة شاهد

لما یفتری فی الدین عمرو وخالد

ان تینوں کے والد مقام ظریبہ میں دفن تھے ان کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے کہ (کاش ظریبہ کا مرنے والا دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افترا پردازی کی ہے)

حضرت عمروؓ نے بھی اس کا جواب نظم میں دیا جس کا آخری شعر یہ ہے:

فدع عنك میتا قد مضی بسبیله

واقبل علی الحق الذی هو أظهر

(اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑ دو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی طرف آؤ جس کا حق ہونا بالکل ظاہر ہے)

عمرو بن سعیدؓ اپنے بھائی خالد کی ہجرت کے دو سال بعد ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی فاطمہ کے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور وہاں سے مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ کشتی کے ذریعہ سے غزوۂ خیبر کے دوران میں مدینہ پہنچے۔

حضرت ابانؓ بن سعید کا قبول اسلام

اسلام لانے کے قبل ابانؓ بھی دوسرے اہل خاندان کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سخت خلاف تھے، چنانچہ جب ان کے بھائی خالدؓ اور عمروؓ مشرف بہ اسلام ہوئے تو انہوں نے اشعار میں اظہارِ ناراضی کیا، جیسا کہ عمرو بن سعیدؓ کے اسلام میں گذر چکا ہے۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی حمایت میں اپنے بھائی عبیدہ اور عاص کے ساتھ لڑنے نکلے، عبیدہ اور عاص مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے لیکن ابانؓ بچ کر نکل گئے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس صلح کی گفتگو کے لیے بھیجا تو وہ ابانؓ ہی کے یہاں مہمان ہوئے تھے، کیونکہ یہ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے، اور انہوں نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔

گو وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف تھے لیکن اصل حقیقت کی جستجو رہتی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں واقف کاروں سے پوچھا کرتے تھے، اس وقت ملک شام اصحاب علم وخبر کا مرکز تھا، یہ تجارت کے سلسلہ میں وہاں جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک راہب سے کہا: ''میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں اسی قبیلہ کا ایک شخص اپنے کو خدا کا رسول ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو بھی خدا نے عیسیٰ اور موسیٰ کی طرح نبی بنا کر بھیجا ہے''، راہب نے نام پوچھا، انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم، راہب نے صحف آسمانی کی رو سے نبی مبعوث کا سن اور نسب وغیرہ بتایا، ابانؓ نے کہا: ''یہ تمام

باتیں تو اس شخص میں موجود ہیں"، راہب نے کہا: "تو خدا کی قسم! وہ شخص عرب پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد تمام دنیا پر چھا جائے گا، تم واپس جانا تو خدا کے اس نیک بندہ تک میرا اسلام پہنچا دینا"، چنانچہ ابانؓ جب واپس ہوئے تو رنگ بدل چکا تھا، اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ وہ پرخاش باقی نہ رہی، کچھ دنوں تک آبائی مذہب کی لاج اور ہم چشموں کی طعنہ زنی کے خیال سے خاموش رہے لیکن زیادہ دنوں تک جذبہ حق نہ دب سکا اور خیبر کے قبل مشرف بہ اسلام ہو گئے، اور غالباً اسلام کے بعد ہی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔

حضرت عمروؓ بن امیہ کا قبول اسلام

حضرت عمروؓ بدر واحد کی لڑائیوں میں مشرکین کے ساتھ تھے، اور مسلمانوں کے خلاف نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے، لیکن بدر واحد کے معرکوں میں جو شخص مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے آیا تھا وہ احد کے بعد اسلام کے سرچشمہ ایمان سے سیراب ہو گیا، اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے بیر معونہ میں شریک ہوئے۔

۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نجاشی کے پاس دعوتِ اسلام کا خط لے جانے پر مامور کیا، اس خط میں دعوتِ اسلام کے علاوہ مہاجرین کی میزبانی کی سفارش اور حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام بھی تھا، اس دعوت نامہ کے اثر سے نجاشی حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کے جواب میں ایک عریضہ لکھا، جس میں اسلام کا اقرار، قدم بوسی کی تمنا اور مہاجرین کی میزبانی وغیرہ کا ذکر تھا، اس کے بعد نجاشی نے حضرت ام حبیبہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام دیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکیل بنا اور نکاح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر معجل ادا کیا۔

حضرت نعیمؓ بن مسعود کا قبول اسلام

غزوۂ احزاب (۵ھ) میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے وہ اس وقت اپنے آبائی مذہب پر تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قدیم شناسائی کی بنا پر ان کا دل اسلام سے متاثر تھا، غزوۂ احزاب میں یہ اثر پورے طور پر نمایاں ہوگیا، چنانچہ ایک دن کسی کو اطلاع دیئے بغیر مغرب وعشاء کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے، اس سے فارغ ہونے کے بعد ان کو دیکھا، پوچھا: ''کیسے آئے ہو''؟ عرض کیا: ''حلقہ بگوش ہونے آیا ہوں، جو خدمت میرے قابل ہو اس کے لیے میں حاضر ہوں''، فرمایا: ''اگر ان قبائل کو کسی طرح ہٹا سکتے ہو تو ہٹانے کی کوشش کرو''، گو عرب کے ٹڈی دل قبائل کا منتشر کرنا آسان نہ تھا، لیکن نعیمؓ نے ان میں پھوٹ ڈلوادی، پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے اور کہا: ''قریش اور غطفان کا کوئی اعتبار نہیں، اگر موقع ملا تو وہ مسلمانوں سے لڑیں گے ورنہ واپس چلے جائیں گے، تم لوگوں کو ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے، اس لیے تم درمیان میں پڑ کر خواہ مخواہ کیوں جھگڑا خریدتے ہو، اگر تم کو قریش کا ساتھ ہی دینا ہے تو ان کے کچھ آدمی ضمانت کے طور پر اپنے یہاں رکھ لو کہ وہ کسی قسم کی بدعہدی نہ کر سکیں''، ان لوگوں نے یہ مشورہ قبول کیا، اس کے پاس ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا: ''قریظہ مسلمانوں کے ساتھ کشیدگی پر بہت نادم ہیں اور ان سے از سر نو تعلقات خوشگوار بنانا چاہتے ہیں، چنانچہ انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا ہے کہ ہم قریش اور غطفان کے ستر (۷۰) آدمی عنقریب تمہارے پاس بھیجیں گے، تم ان کی گردن اڑا کر اپنا بدلہ

لینا اور ان دونوں کے ہٹانے میں بھی ہم تمہارے معاون و مددگار رہیں گے، اس لیے میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ تم ان کے دام فریب میں نہ آؤ، اگر وہ ضمانت وغیرہ میں کچھ آدمی مانگیں تو ہرگز نہ دو۔" اس کے بعد اپنے قبیلہ غطفان کو بھی یہی مشورہ دیا، یہ خود اس قبیلہ کے آدمی تھے، اس لیے سب نے متفقہ ان کی تائید کی۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے ابوسفیان کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم کو خطرہ ہے کہ تم لوگ ہم کو چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دو گے، اس لیے ہم اس وقت تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے جب تک ہمارے اطمینان کے لیے ستر (۷۰) آدمی ضمانت کے طور پر ہمارے یہاں بھیج نہ دو، ابوسفیان نے کہا: "نعیم رضی اللہ عنہ کا کہنا سچ تھا"، اس کے بعد غطفان کے پاس بھی یہی پیام بھیجا، لیکن سب نے آدمی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "ہم آدمی تو نہیں دے سکتے اگر تم کو یقین نہیں ہے تو ہم سے الگ ہو کر تم خود مسلمانوں سے مقابلہ کرو"، یہودیوں نے کہا: "توراۃ کی قسم! نعیم رضی اللہ عنہ کا کہنا بالکل سچ تھا"، غرض اس کے بعد کسی کو ایک دوسرے پر اعتبار نہیں رہا اور آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔

اتفاق سے اسی دوران میں ہوا کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں اور چولہوں پر سے ہانڈیاں الٹ گئیں، غرض کچھ تو اتفاقی اور کچھ موسم کی خرابی کی وجہ سے سب نے اپنی اپنی راہ لی اور نعیم رضی اللہ عنہ کی کارکردگی سے کفار کے بادل ہوا بن کر اڑ گئے، اس غزوہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ کا قبول اسلام

عیاش مشہور دشمن اسلام ابوجہل کے ماں جائے بھائی تھے، اگر چہ وہ ابوجہل جیسے کینہ پرور کے بھائی اور اس کے ہم صحبت تھے تاہم ان کا آئینہ قلب کدورتوں سے پاک اور پرتو حق قبول کرنے کے لیے آمادہ تھا، چنانچہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی ہی ایام میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے قبل دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، اور ہجرت ثانیہ میں مع اپنی بیوی اسماء کے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، یہاں ایک صاحب زادہ عبداللہ پیدا ہوئے، پھر حبشہ سے مکہ آئے اور مکہ سے حضرت عمرؓ کے ساتھ ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا۔

ابوجہل جو دوسروں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا، اور اس جرم میں اپنے زیردستوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتا تھا، اپنے بھائی کا اسلام کس طرح ٹھنڈے دل سے گوارا کر لیتا، چنانچہ ان کی تلاش میں مکہ سے مدینہ آگیا، اور عیاشؓ سے کہا کہ "والدہ تمہاری جدائی سے سخت بیقرار ہیں اور انھوں نے قسم کھا لی ہے کہ جب تک وہ تم کو دوبارہ نہ دیکھ لیں گی اس وقت تک نہ سر میں تیل ڈالیں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی"، عیاشؓ ماں کی یہ حالت سن کر ان کی محبت میں ابوجہل کے ساتھ مکہ واپس آگئے، یہاں پہنچ کر ابوجہل نے ان کو قید کر دیا اور وہ عرصہ تک اس قید میں گرفتار رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مسلمان قیدیوں کے ساتھ ان کے لیے بھی دعا فرماتے تھے کہ "خدایا! ان کو مشرکین کے ظلم سے نجات دلا"۔

عیاشؓ کے ساتھ ایک اور بزرگ ولید بھی اسی جرم میں قید تھے، وہ کسی طرح چھوٹ کر نکل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مصیبت بیان کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دوبارہ عیاشؓ اور سلمہ کو چھڑانے کے لیے واپس کیا، چنانچہ یہ مکہ گئے اور ان دونوں بزرگوں کو قید سے نکال لائے۔

حضرت ابو فکیہۃ کا قبول اسلام

ابو فکیہہؓ ابتدا میں بنو عبد دار کے غلام تھے، دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، آغاز دعوت میں آزاد مسلمان بھی مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے، ابو فکیہہ تو بے یار و مددگار غلام تھے اور سنگدل آقا خود آمادۂ ستم تھے، اس لیے اسلام لانے کے بعد ظلم وستم کا نشانہ بن گئے اور بنو عبد داران کو طرح طرح کی درد انگیز سزائیں دیتے تھے، ٹھیک دوپہر میں تپتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر پیٹھ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے تاکہ جنبش نہ کرسکیں اور اس عبرت انگیز سزا کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا جب تک ابو فکیہہؓ بے ہوش نہ ہو جاتے، ایک مرتبہ ان کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھ رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی، ایک مرتبہ امیہ نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹ کے جلتی ہوئی ریت میں ڈال دیا، ادھر سے ان کا بیٹا صفوان گزرا یہ بھی گرگ زادہ تھا، ابو فکیہہؓ سے پوچھا: "کیا یہ (امیہ) تیرے رب نہیں ہیں"؟ اس حالت میں انھوں نے جواب دیا کہ "میرا رب خدا ہے"، اس جواب پر صفوان نے غضبناک ہو کر ابو فکیہہؓ کا گلا گھونٹنا شروع کیا، اس کے دوسرے بھائی نے للکارا کہ "ذرا اور زور سے" صفوان نے شکنجہ اور کس دیا اور اس وقت چھوڑا جب موت کا خطرہ پیدا ہو گیا، حسن اتفاق سے اسی وقت ستم زدہ غلاموں کے مولیٰ ابو بکرؓ ادھر سے گذرے، انھوں نے اس حال میں دیکھا تو خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت نعیم النحام کا قبول اسلام

ان کے نحام کے لقب کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "میں نے جنت میں نعیم کی "نحمہ" یعنی آواز سنی"، اسی وقت سے "نحام" ان کا لقب ہو گیا۔

نعیم نے اس وقت توحید کی دعوت پر لبیک کہا جب کل ۹/ یا ۱۰/ بندگانِ خدا نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا، حتی کہ حضرت عمر بھی اس وقت تک کفر کی تاریکی میں محصور تھے لیکن اس زمانہ میں اسلام کا اظہار مکہ میں شدید ترین جرم تھا، اس لیے عرصہ تک اسلام کا اعلان نہ کر سکے، ہجرت کے اذن کے بعد جب مسلمانوں کے لیے مدینہ کا دروازہ کھلا تو انھوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا، مگر بنی عدی کی جن بیواؤں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری کرتے تھے انھوں نے التجا کی کہ "ہم کو چھوڑ کر نہ جایئے جس مذہب میں دل چاہے رہیے مگر جانے کا قصد نہ کیجیے، آپ سے کوئی شخص تعرض نہیں کر سکتا، پہلے ہم سب کی جانیں قربان ہو جائیں گی، اس وقت آپ کو کوئی تکلیف پہنچ سکے گی"، اس مجبوری کی بنا پر ابتدا میں ہجرت کا شرف حاصل نہ ہو سکا، لیکن یتیموں اور بیواؤں کی پرورش خود ایسی فضیلت ہے جس کے مقابلہ میں ہجرت کی تاخیر چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔

۶ھ میں اپنے چالیس اہل خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گلے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا: "نعیم! تمہارا قبیلہ تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا"، انھوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بہتر تھا"، فرمایا: "یہ کیسے؟ میرے قبیلہ نے تو مجھ کو نکال دیا مگر تمہارے قبیلہ نے تم کو ٹھہرائے رکھا"، عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر آمادہ کیا اور میری قوم نے مجھ کو اس شرف سے محروم رکھا"۔

حضرت سہلؓ بن بیضاء کا قبول اسلام

سہلؓ اسلام لانے سے پہلے بھی منصب مزاج اور رقیق القلب تھے، چنانچہ دعوتِ اسلام کے آغاز میں جب قریش نے آپس میں معاہدہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور بنو ہاشم کئی برس تک مصیبتیں جھیلتے رہے تو آخر میں بعض خدا ترس اور منصف مزاج لوگوں نے اس معاہدہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور ان کی کوشش سے یہ معاہدہ ٹوٹا ان عدل پرور لوگوں میں سہلؓ بھی تھے۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں کے بعد سہلؓ مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن مشرکین مکہ کے خوف سے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا اور مذہبی فرائض خفیہ ادا کرتے رہے۔

غزوۂ بدر تک انھوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا اور مشرکین مکہ ان کو آبائی مذہب پر سمجھتے تھے، چنانچہ اپنے ساتھ بدر میں لے گئے، جب مشرکین کو شکست ہوئی تو سہلؓ بھی گرفتار ہوئے، عبداللہ بن مسعودؓ ان کے اسلام سے واقف تھے اور مکہ میں ان کو نماز بھی پڑھتے دیکھ چکے تھے، چنانچہ ان کی شہادت پر سہلؓ کی رہائی ہوئی، رہائی کے بعد مستقلاً مدینہ میں رہنے لگے۔

ان کے بھائی سہیل بن بیضاء بھی دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام کے بعد ہجرت کر کے حبشہ گئے وہاں عرصہ تک مقیم رہے، اور جب اسلام کی علانیہ تبلیغ ہونے لگی تو مکہ واپس آئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ گئے، ان کے ایک بھائی صفوان بن بیضاءؓ بھی ارض مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت ابوقیسؓ بن حارث کا قبول اسلام

ان کے دادا قیس بن عدی سرداران قریش میں سے تھے، اور باپ حارث اس کینہ پرور گروہ میں تھا جو قرآن مجید کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿الذين جعلوا القرآن عضين فو ربك لنسئلنهم أجمعين عما كانوا يعملون فاصدع بماتؤمر وأعرض عن المشركين انا كفيناك المستهزئين﴾ (جن لوگوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، تمہارے رب کی قسم! ہم ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے، پس تم کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو کھول کر سنا دو، اور مشرکین کی پرواہ نہ کرو، جو لوگ تم پر ہنستے ہیں ہم ان کے لیے کافی ہیں)

لیکن اسی آزر کے گھر میں ابوقیسؓ جیسا بت شکن پیدا ہوا، جس نے دعوت حق کی آواز سنتے ہی لبیک کہا اور سبقت فی الاسلام کا شرف حاصل کیا، اسلام کے بعد پھر ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا، احد اور خندق وغیرہ سب میں شریک رہے۔

حضرت عامرؓ بن ابی وقاص کا قبول اسلام

عامر مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران کے حقیقی بھائی اور امیر معاویہؓ کے بھانجے تھے۔

حضرت عامرؓ کے نانا ابوسفیان اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، لیکن حضرت عامرؓ نے اس ماحول میں اور اس وقت دعوت اسلام کو لبیک کہا جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی، چنانچہ اسلام لانے والوں میں ان کا دسواں نمبر ہے۔

اس وقت ان کی والدہ زندہ تھیں، ان کو لڑکے کی اس بے راہ روی کا سخت صدمہ ہوا انھوں نے قسم کھالی کہ جب تک عامرؓ اسلام سے تائب نہ ہوں گے اس وقت تک وہ نہ سایہ میں بیٹھیں گی اور نہ کھانا کھائیں گی، حضرت سعدؓ بھی اس وقت دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، ماں کی اس بے جا ضد پر بولے: ”اماں! آپ عامرؓ کے لیے عہد کیوں کرتی ہیں؟ میرے لیے کیجیے“، انھوں نے کہا: ”کیوں“؟ کہا: ”تا کہ اس وقت تک آپ نہ سایہ میں بیٹھ سکیں اور نہ کھا سکیں جب تک اپنے جائے قیام دوزخ کو نہ دیکھ لیں“، انھوں نے جواب دیا: ”میں تیرے لیے کیوں عہد کروں، میں اپنے سعادت مند بیٹے کے لیے عہد کرتی ہوں“، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وان جاهداك علىٰ أن تشرك بي ماليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفا﴾ (اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو کسی کو میرا شریک بنا جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر، ہاں دنیا میں بھلائی کے ساتھ ان کی رفاقت کر)

بالآخر ماں کی اس بے جا ضد سے تنگ آ کر ہجرت ثانیہ میں حبشہ چلے گئے اور وہاں سے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آ کر احد میں شریک ہوئے۔

حضرت عاقل رضؓ بن بکیر کا قبول اسلام

حضرت عاقلؓ چار بھائی تھے، عاقلؓ، ایاسؓ، خالدؓ، اور عامرؓ، ان کے والد کا نام ابی بکیر تھا، ارقم کے گھر میں قبولِ اسلام کا آغاز انھیں چاروں بھائیوں سے ہوا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم کے گھر میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے یہی چاروں مشرف بہ اسلام ہوئے اور سب نے مع بال بچوں کے ایک ساتھ مدینہ کی ہجرت کی اور مکہ میں گھر کا دروازہ بالکل بند ہو گیا تھا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا قبول اسلام

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام خالد بن زید ابن کلیب تھا، ان کی کنیت ابوایوب تھی، اور ان کا تعلق انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تھا، ہم مسلمانوں میں سے کون ہے جو حضرت ابوایوب انصاری سے ناواقف ہو، اللہ تعالیٰ نے سارے مسلمانوں کے مکانات کو چھوڑ کر ان کے مکان کو اس وقت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لیے منتخب فرما کر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، ان کے ذکر کو سارے عالم میں مشہور اور ان کے مقام کو ساری مخلوق میں بلند کر دیا، اور تنہا یہی بات ان کے فخر کے لیے کافی ہے، اس کے علاوہ آپ ان منتخب بزرگان مدینہ میں ہیں جنھوں نے عقبہ کی گھاٹی میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی تھی، حضرت ابوایوبؓ مکہ سے دولت ایمان لے کر پلٹے تو ان کی فیاض طبعی نے گوارہ نہ کیا کہ اس نعمت کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں، چنانچہ اپنے اہل وعیال، اعزہ واقرباء اور دوست واحباب کو ایمان کی تلقین کی، اور اپنی بیوی کو حلقہ توحید میں داخل کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کا قبول اسلام

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال پہلے شہر مدینہ میں پیدا ہوئے ۸-۹/سال کی عمر تھی کہ ان کی ماں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کرلیا، ان کے والد بیوی سے ناراض ہوکر ملک شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا، ماں نے دوسرا نکاح ابو طلحہ سے کرلیا جن کا شمار قبیلہ خزرج کے متمول اشخاص میں تھا، اور اپنے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر لے گئیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انھیں کے گھر میں پرورش پائی۔

اسلام سے پہلے عربوں کی جہالت کا یہ نقشہ تھا کہ باپ (ابوطلحہ) کی صحبت میں جب شراب کا دور چلتا تو بیٹا (انس رضی اللہ عنہ) ساقی گری کرتا، وہ پہلے دوسروں کو پلاتے اور بعد میں خود پیتے تھے اور اس دس سالہ بچہ کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نام ان کے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھا گیا تھا لیکن کنیت نہ تھی وہ آنحضرت نے تجویز فرمائی، انس ایک خاص قسم کی سبزی جس کا نام حمزہ تھا چنا کرتے تھے، آنحضرت نے اسی مناسبت سے ان کی کنیت ابوحمزہ پسند فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر ۸-۹/سال کی تھی کہ مدینہ میں اسلام کی صدا بلند ہوئی، بنو نجار نے قبول اسلام میں جو پیش دستی کی تھی، اس کا اثر یہ تھا کہ اس قبیلہ کے اکثر افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یثرب تشریف لانے سے قبل توحید و رسالت کے علمبردار ہوچکے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بھی عقبہ ثانیہ سے پہلے دین اسلام اختیار کرلیا تھا اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ ان کے والد بت پرست ہونے کی وجہ سے بیوی کے اسلام پر برہم ہوئے اور ملک شام چلے گئے تھے، ادھر ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے

اس شرط پر نکاح کرلیا کہ وہ بھی مذہب اسلام قبول کریں، چنانچہ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور عقبہ ثانیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مکہ جا کر بیعت کی تھی، اس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کا پورا گھر نور ایمان سے منور تھا، ان کی ماں ام سلیم رضی اللہ عنہا شمع رسالت کی پروانہ تھیں اور ان کے محترم باپ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ دین حنیف کے ایک پرجوش فدائی تھے، بیٹے نے انہیں والدین کی آغوش محبت میں تربیت پائی اور مسلمان ہوا۔

حضرت ابیؓ بن کعب کا قبول اسلام

حضرت ابیؓ کے ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہیں، حضرت انس بن مالکؓ کی زبانی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے شراب نوشی ابی بن کعبؓ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی اور حضرت ابو طلحہؓ نے دوستوں کا جو حلقہ قائم کیا تھا حضرت ابی بن کعبؓ اس کے ایک ضروری رکن تھے۔

مدینہ میں یہود کا کافی مذہبی اقتدار تھا، غالباً حضرت ابیؓ اسلام سے پہلے تورات پڑھ چکے تھے اسی مذہبی واقفیت نے ان کو اسلام کی آواز کی طرف متوجہ کیا ہوگا، چنانچہ مدینہ کے جن انصار نے دوسری دفعہ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر عقبہ میں بیعت کی تھی ان میں حضرت ابیؓ بھی تھے اور یہی ان کے اسلام کی تاریخ ہے۔

حضرت ابو طلحہؓ انصاری کا قبول اسلام

اسلام سے پہلے ابو طلحہؓ عام اہل عرب کی طرح بت پرست تھے اور بڑے اہتمام سے شراب پیتے تھے اور اس کے لیے ان کے دوستوں کی ایک مجلس تھی۔

ابھی زمانہ شباب کا آغاز تھا بہ مشکل بیس سال کی عمر ہوگی کہ آفتاب نبوت طلوع ہوا، حضرت ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ (حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ) کو نکاح کا پیغام دیا، اور انہوں نے اسلام کی شرط کے ساتھ نکاح کو وابستہ کر دیا، جس کا آخری اثر یہ مرتب ہوا کہ ابو طلحہؓ دین حنیف قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ نے اسلام لانے سے پہلے میری والدہ (ام سلیمؓ) کو نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے کہا: ''اے ابو طلحہ! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ تم جس چیز کی عبادت کرتے ہو وہ تو زمین سے اگنے والا درخت ہے''؟ انہوں نے کہا: ''ہاں''، ام سلیم نے کہا: ''درخت کی عبادت کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی، اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے اسلام کے علاوہ کسی قسم کے مہر کا مطالبہ نہیں کروں گی''، انہوں نے کہا: ''اچھا میں سوچ لوں'' اور چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آ کر کلمہ شہادت پڑھ لیا، تو حضرت ام سلیمؓ نے کہا: ''اے انسؓ! میرا نکاح ابو طلحہؓ سے کر دو''، چنانچہ حضرت انسؓ نے ان کا نکاح کروا دیا۔

یہ وہ وقت تھا جب حضرت مصعب بن عمیرؓ اسلام کے پر جوش شیدائی شہر مدینہ میں دین اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے، مدینہ کا جو مختصر قافلہ بیعت کے لیے روانہ ہوا تھا اس میں حضرت ابو طلحہ بھی شامل تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، ابو طلحہ کو آتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: ''ابو طلحہ تمہارے پاس اس حال میں آئے ہیں کہ ان کی آنکھوں کے درمیان اسلام کا نور چمک رہا ہے''، اس بیعت میں حضرت ابو طلحہ کو یہ شرف مزید حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انصار کا نقیب تجویز فرمایا۔

حضرت ابودرداءؓ کا قبول اسلام

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابودرداءؓ دوسرے اکابر انصار کے ایک سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اسلام تقلیدی نہ تھا، اجتہادی تھا، ممکن ہے کہ ایک سال مزید غور وفکر اور کاوش وتحقیق میں صرف ہوا ہو، لیکن قبول اسلام میں یہ ایک سالہ تاخیر تمام عمر ان کے لیے تکلیف دہ رہی، فرمایا کرتے: ''ایک گھڑی کی خواہش نفس دیرپا غم پیدا کرتی ہے''۔

ابودرداءؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کے درمیان زمانہ جاہلیت میں رشتہ مواخات قائم ہوا تھا، اسلام آیا تو ابن رواحہؓ نے اسے بڑھ کے قبول کیا جب کہ ابودرداء نے اس سے اعراض کیا، لیکن اس کے باوجود دونوں کے درمیان پائے جانے والے مضبوط رشتہ اخوت میں کسی قسم کی کمزوری نہیں واقع ہوئی، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ برابر ان سے ربط رکھتے، ان سے ملاقات کرتے، ان کو اسلام کی دعوت دیتے اور برابر ان کو اس کا شوق دلاتے رہتے، اور شرک کی حالت میں گذرنے والے ان کی زندگی کے ایک ایک دن پر افسوس کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن رواحہؓ ابودرداءؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، وہ اپنے دل میں ایک بات ٹھانے ہوئے تھے وہ سیدھے اس کمرہ میں پہنچ گئے جس میں ابودرداءؓ نے اپنا بت نصب کر رکھا تھا انہوں نے بنسولا نکالا اور بت پر پل پڑے اور یہ کہتے ہوئے اس کے ٹکڑے کرنے لگے:

''ألا كل ما يدعى مع الله باطل'' (سنو! وہ سارے معبود جو عبادت میں خدا کے شریک کئے جا رہے ہیں جھوٹے ہیں)

اور بت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد وہ کمرے سے نکل گئے، ادھر جب ان کی بیوی ام درداء کمرہ میں گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ ٹوٹا پڑا ہے اور اس کے ٹکڑے زمین پر ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہیں، بت کی یہ درگت دیکھ کر ان کے حواس باختہ ہو گئے، اور یہ کہتے ہوئے اپنا منہ پیٹنے لگیں:

"أهلكتني يابن رواحة" (ابن رواحہ تم نے تو مجھے تباہ کر دیا، آہ! تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا)

جب ابو درداءؓ گھر میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی بت والے کمرے کے دروازہ پر بیٹھی زار و قطار رو رہی ہے اور اس کے چہرے پر خوف و ہراس کے آثار نمایاں ہیں، بیوی کو اس حال میں دیکھ کر ابو درداءؓ نے پوچھا: "کیا بات ہے"؟ بیوی نے روتے ہوئے کہا: "آپ کے بھائی عبداللہ بن رواحہؓ آپ کی غیر موجودگی میں یہاں آئے اور انہوں نے ہی آپ کے بت کی یہ درگت بنائی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں"، جب انہوں نے بت کی طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ اس کے ٹکڑے چاروں طرف زمین پر بکھرے ہوئے ہیں تو پہلے تو مارے غصہ کے بھڑک اٹھے اور اس کا انتقام لینے کا ارادہ کیا، لیکن کچھ دیر بعد جب ان کے غصے کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تو انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کیا، انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس بت میں ذرا بھی قوت و طاقت ہوتی تو یہ ضرور اپنا دفاع کرتا، اور اسی وقت وہ عبداللہ بن رواحہؓ کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنے دخول اسلام کا اعلان کر دیا، وہ اسلام میں داخل ہونے والے اپنے قبیلہ کے آخری فرد تھے۔

بعثت نبوی کے زمانہ میں تجارت کسب معاش کا ذریعہ تھا لیکن جب یہ شغل عبادت میں خلل انداز ہوا تو اس کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا اور رزاق کے سفرۂ عام پر آ بیٹھے، بعد میں تجارت سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ فرماتے تھے "مجھے اب ایسی دکان بھی پسند نہیں جس میں ۴۰/ دینار یومیہ نفع ہو جس کو روزانہ صدقہ کرتا رہوں اور نماز بھی قضا نہ ہوتی ہو"، لوگوں نے کہا: "اس کا سبب"؟ فرمایا: "قیامت کے حساب کا خوف ہے"۔

حضرت اسیدؓ بن حضیر کا قبول اسلام

جب حضرت مصعب بن عمیرؓ اشاعت اسلام کے لیے مدینہ تشریف لائے حضرت اسیدؓ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اسعد بن زرارہؓ کے مکان میں قیام کیا تھا اور بنوظفر کے قبیلہ میں بیٹھ کر قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، بنوظفر کے مکانات عبدالاشہل سے متصل واقع تھے، ایک روز باغ میں مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیر کو خبر ہوگئی، سعدؓ نے اسیدؓ سے کہا کہ "ان کو جا کر منع کرو، ہمارے محلہ میں آئندہ نہ آئیں اگر اسعد بن زرارہ بیچ میں نہ ہوتے تو میں خود چلتا"، ان کے کہنے پر اسیدؓ نیزہ اٹھا کر باغ کی طرف اسلام کا قلع قمع کرنے کے لیے روانہ ہوئے، حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو آتا دیکھ کر داعی اسلام سے کہا کہ "یہ اپنی قوم کے سردار ہیں اور آپ کے پاس آرہے ہیں ان کو مسلمان بنا کر چھوڑیئے گا"، اسیدؓ نے قریب پہنچ کر پوچھا: "تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف کیوں بناتے ہو؟ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو ابھی یہاں سے چلے جاؤ"، مصعبؓ پر اس کا کیا اثر ہوسکتا تھا، فرمایا: "آپ بیٹھ کر پہلے میری بات سن لیں، اگر پسند ہو تو خیر ورنہ جو مزاج میں آئے کیجئے گا"، اسیدؓ بیٹھ گئے اور مصعبؓ نے اسلام کی حقیقت بیان کی، کلام پاک کی چند آیتیں پڑھیں، جن کو سن کر ان پر خاص اثر طاری ہوا اور بے اختیار منہ سے نکلا: "اس دین میں کیوں کر داخل ہوسکتا ہوں"؟ جواب دیا: "پہلے نہانا ضروری ہے پھر کپڑے پاک کرنا، کلمہ پڑھنا اور نماز پڑھنا"، اسیدؓ اٹھے اور نہا کر مسلمان ہوگئے، چلتے وقت کہا: "میں جاتا ہوں اور دوسرے سردار کو بھیجتا ہوں ان کو بھی مسلمان کرنا" اور وہاں سے لوٹ کر حضرت سعد بن معاذؓ کو روانہ کیا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ کا قبول اسلام

حضرت سعد بن معاذؓ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ "میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں آپ بیٹھ کر سن لیجئے، ماننے نہ ماننے کا آپ کو اختیار ہے"، سعدؓ نے منظور کیا تو حضرت مصعبؓ نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں، جن کو سن کر سعد بن معاذ کلمہ شہادت پکار اٹھے اور مسلمان ہو گئے۔

قبیلۂ عبد الاشہل میں یہ خبر فوراً پھیل گئی، سعدؓ گھر گئے تو خاندان والوں نے کہا کہ "اب وہ چہرہ نہیں"، حضرت سعدؓ نے کھڑے ہو کر پوچھا: "میں تم میں کس درجہ کا آدمی ہوں"؟ سب نے کہا: "سردار اور اہل فضیلت"، فرمایا: "تم جب تک مسلمان نہ ہو گے میں تم سے بات چیت نہ کروں گا"، حضرت سعد کو اپنی قوم میں جو عزت حاصل تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ شام ہونے سے قبل تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا اور مدینہ کے در و دیوار تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے۔

اشاعت اسلام میں یہ حضرت سعدؓ کا نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے، صحابہ کرام میں کوئی شخص اس فخر میں ان کا حریف نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بناء پر فرمایا ہے کہ انصار کے بہترین گھرانے بنو نجار کے ہیں اور ان کے بعد عبد الاشہل کا درجہ ہے، حضرت سعدؓ اور ان کے قبیلہ کا اسلام عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان کا واقعہ ہے، مسلمان ہو کر حضرت سعدؓ نے حضرت مصعبؓ کو اسعد بن زرارہؓ کے مکان سے اپنے یہاں منتقل کر لیا۔

حضرت اسعدؓ بن زرارہ کا قبول اسلام

بعثت نبوی سے پہلے اگرچہ پورا جزیرۂ عرب کفر وظلمت کا نشیمن تھا، پھر بھی چند نفوس اپنی فطرت سلیمہ کے اقتضاء سے توحید کے قائل ہو گئے تھے، حضرت اسعد بن زرارہؓ بھی انھیں لوگوں میں تھے۔

اسی زمانہ میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، اسعد بن زرارہؓ اور ذکوان بن عبد قیس نے جو عتبہ بن ربیعہ کے پاس مکہ آئے تھے، ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کئے، انہیں سن کر ذکوان نے اسعدؓ سے کہا: ''تم کو جس چیز کی تلاش تھی وہ موجود ہے، اب اس کو اختیار کرلو''، چنانچہ حضرت اسعدؓ اٹھ کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور توحید کا اقرار کیا۔

مکہ سے ایمان اور اسلام کا جو جذبہ ساتھ لائے تھے وہ مدینہ آ کر ظاہر ہوا چنانچہ اسلام کی تبلیغ شروع کی، سب سے پہلے ابو الہیثم سے ملے اور اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا، ابو الہیثم بولے ''تمہارے ساتھ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں''۔

حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان کا قبول اسلام

وہ زمانہ جاہلیت ہی میں توحید کے قائل تھے، اسعد بن زرارہؓ ۶/آدمیوں کے ساتھ جب مکہ سے مسلمان ہو کر آئے تو ابوالہیثمؓ سے اپنا مسلمان ہونا بیان کیا اور اسلام کی تعلیم پیش کی، ابوالہیثمؓ پہلے ہی دین الفطرت کے متلاشی تھے، فوراً اس صدا پر لبیک کہا، اس کے ایک سال بعد ۱۲/آدمیوں کا جو وفد مکہ گیا، ابوالہیثمؓ اس میں شامل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مقدس پر بیعت کی، دوسرے سال ۷۰/آدمیوں کے ساتھ گئے، اور بیعت حرب میں شریک ہوئے، کہتے ہیں کہ ''اس میں سب سے پہلے بیعت کے لیے جس شخص نے ہاتھ بڑھایا وہ ابوالہیثمؓ تھے''۔

حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ صرمہ کا قبول اسلام

اسلام سے پہلے حضرت صرمہ رضی اللہ عنہ میں چند ایسی باتیں تھیں جنہوں نے ان کو پوری قوم میں معزز بنا دیا تھا، دنیا ترک کی، راہب بنے، ٹاٹ پہنا، بت پرستی چھوڑی اور جنابت سے غسل کیا، ان شریف خصلتوں کے بعد نصرانیت کا خیال ہوا تھا، لیکن فطرت نے خلیل بت شکن کے آستانہ پر پہنچا دیا، اور دین حنیفی میں داخل ہو گئے، اسلام سے قبل ایک عبادت گاہ بھی بنائی اور فرماتے تھے "میں ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی پرستش کرتا ہوں"۔

اس معبد میں ناپاک مرد اور عورت کو جانے کی اجازت نہ تھی، حضرت صرمہ رضی اللہ عنہ خود بھی ایسے گھروں میں جہاں جنب اور حائضہ عورت ہو نہیں جاتے تھے۔

عالم پیری تھا کہ سرزمین یثرب میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، انہوں نے نہایت جوش سے خیر مقدم کیا اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔

حضرت اصیرمؓ کا قبول اسلام

حضرت اصیرمؓ ابتداء اسلام سے برگشتہ تھے، ان کے قبیلہ کے تمام مرد وعورت حضرت سعد بن معاذؓ کے اشارہ سے مسلمان ہو گئے تھے لیکن یہ اپنے قدیم مذہب پر قائم تھے۔

لیکن غزوۂ احد میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ کی تیاریاں کیں، تو ان کے دل میں یکایک حق وصداقت کا جوش پیدا ہوا، سنن ابوداؤد میں ہے کہ ایام جاہلیت میں ان کا سودی لین دین تھا اور قرض داروں کے ذمہ قرض بہت باقی تھا، یہ اپنا روپیہ وصول کر کے مسلمان ہونا چاہتے تھے کیونکہ اسلام میں سود کی ممانعت تھی، احد کے موقع پر غالباً روپیہ وصول ہو چکا تھا اس لیے مسلمان ہونے کا عزم کر لیا۔

احد کی روانگی کے وقت تمام صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جن میں اصیرمؓ کے خاندان عبدالاشہل کے لوگ بھی تھے، اصیرمؓ اپنے محلہ میں ہر طرف سناٹا دیکھ کر گھر آئے پوچھا: ”میرے خاندان کے لوگ کہاں گئے“؟ جواب ملا: ”احد!“۔

گو اس وقت تک انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، پھر بھی زرہ اور خود پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر پوچھا: ”لڑوں یا مسلمان ہوں“؟ ارشاد ہوا: ”دونوں کام کرو، پہلے مسلمان ہو پھر لڑائی میں شرکت کرو“، عرض کی ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی ایسی صورت میں اگر مارا گیا تو کیا میرے لیے بہتر ہوگا“، فرمایا: ”ہاں“، چنانچہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور تلوار لے کر

میدان کی طرف روانہ ہوئے مسلمانوں کو اس کا بالکل علم نہیں تھا، ان کو دیکھ کر کہا: ''تم یہاں سے واپس جاؤ''، جواب دیا: ''میں بھی مسلمان ہوں''۔

لڑائی شروع ہوئی تو نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور کفار کی صف میں کھڑے بہت سے زخم کھائے، زخم اتنے کاری تھے کہ اٹھنے کی بھی تاب نہ تھی، قبیلہ عبدالاشہل کے لوگ شہداء کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ اصیرمؓ بھی مردوں میں پڑے ہیں، ابھی تک کچھ کچھ سانس آرہی تھی، پوچھا: ''تم کہاں؟ شاید قومی حمیت یہاں کھینچ لائی''، بولے: ''نہیں، میں مسلمان ہو کر خدا اور رسول کی طرف سے شریک ہوا ہوں''۔

میدان سے اٹھا کر گھر لائے گئے، تمام خاندان میں یہ خبر مشہور ہوگئی، قبیلہ اشہل کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ نے سنا تو ان کے گھر تشریف لائے اور ان کی بہن سے واقعہ دریافت کیا، ابھی یہ مجمع منتشر نہیں ہوا تھا کہ روح مطہر جسم سے پرواز کر گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا: ''اس نے عمل تھوڑا کیا لیکن اجر بہت پایا''، بعض روایتوں میں ہے کہ ''وہ یقیناً جنتی ہے''۔

چونکہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب تھا، اس لیے لوگوں نے اس کو یاد رکھنے میں خاص اہتمام کیا، حضرت ابوہریرہؓ اپنے شاگردوں سے دریافت فرماتے کہ ''کوئی ایسا شخص بتاؤ جس نے ایک وقت میں بھی نماز نہ پڑھی ہو اور سیدھا جنت میں داخل ہوگیا ہو''، جب لوگ جواب نہ دیتے تو فرماتے ''اصیرم رضی اللہ عنہ''۔

حضرت براءؓ بن معرور کا قبول اسلام

عقبہ کبیرہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، جس زمانہ میں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اس وقت تک بیت المقدس قبلہ تھا اور مسلمان اسی کی سمت رخ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن براءؓ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے کہ میں اس کی طرف پشت نہیں کرنا چاہتا، اس بنا پر جب عقبہ ثانیہ کی شرکت کے لیے مکہ روانہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ "یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو خدا نے اسلام کی ہدایت دی اور میں سفر کر کے یہاں آیا ہوں، میری خواہش ہے کہ نماز میں کعبہ کی طرف پشت کر کے نہ پڑھوں، میرے ساتھی اس کے خلاف ہیں، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں"؟ ارشاد ہوا: "اگر کچھ دنوں صبر کرو تو امید ہے کہ یہی قبلہ قرار پا جائے"، اس وقت حضرت براءؓ نے فرمان نبوی کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی۔

ایام تشریق میں بیعت کا وعدہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کے ہمراہ عقبہ تشریف لائے اور فرمایا: "تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری اس طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو"، براءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور کہا: "اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث کیا، ہم اپنی جانوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہم سے بیعت لے لیجیے، خدا کی قسم ہم ایک مسلح جماعت ہیں اور ہم نے ہتھیار اپنے باپ دادا سے وراثت میں پائے ہیں"، یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی پھر تمام مجمع بیعت کے لیے بڑھا۔

حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر کا قبول اسلام

ابو عامر (حضرت حنظلہ کا باپ) قبیلہ اوس میں نہایت شریف اور با اثر شخص تھا، بعثت نبوی کا قائل تھا، اسی جذبہ مذہبی نے رہبانیت کی طرف مائل کیا، ریاست دنیوی سے دست کش ہو کر مذہبی سیادت حاصل کی اور پلاس پہن کر گوشہ عزلت اختیار کیا اسی وجہ سے راہب لقب پڑا۔

لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور مدینہ میں خلافت الٰہی کی بناڈالی، تو ابو عامر اور عبداللہ ابن ابی دونوں کی سیادت میں رخنہ پڑا تو ابن ابی نے منافقانہ طرز عمل اختیار کیا اور مدینہ میں مقیم رہا، ابو عامر کا پیمانہ صبر زیادہ لبریز تھا وہ مدینہ میں ٹھہر نہ سکا اور مکہ کی سکونت اختیار کی، غزوۂ احد میں قریش مکہ نہایت سروسامان سے اٹھے اور ابو عامر بھی جوش حسد میں ان کے ساتھ آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ''فاسق'' کا لقب تجویز کیا، جس سے تاریخ اسلام میں وہ آج تک مشہور ہے۔

ابو عامر کے شدت کفر کا تو یہ عالم تھا اس کے بیٹے (حنظلہ) کی حرارت ایمانی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ''حکم ہو تو اپنے باپ کا خاتمہ کر دوں'' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں کیا، عبداللہ بن ابی کے فرزند حضرت عبداللہؓ نے بھی یہی درخواست کی تھی، ان کو بھی یہ جواب عنایت ہوا تھا۔

حضرت رافعؓ بن مالک کا قبول اسلام

انصار میں بنونجار اور قبیلہ خزرج سبقت ایمانی میں سب سے پیش تھا، لیکن اس کا یہ تمام تقدس یہ تمام شرف اور یہ تمام فضیلت صرف دو ہستیوں کے شرف و عظمت پر منحصر ہے اور یہ دونوں بزرگ حضرت معاذؓ بن عفراء اور حضرت رافع بن مالکؓ ہیں۔

قبیلۂ خزرج کے ۶/ آدمی جن میں یہ دونوں آدمی بھی تھے، عمرہ کی غرض سے مکہ گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے، اور اسلام کی تبلیغ کی، تو سب سے پہلے اس دعوت کو انہی دونوں نے لبیک کہا، یہ اسد الغابہ کی روایت ہے۔

طبقات میں ہے کہ صرف دو شخص گئے تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ملی تو خدمت میں حاضر ہو کر مذہب اسلام اختیار کرنے کا شرف حاصل کیا۔

ان دونوں بزرگوں میں حضرت رافعؓ نے پہلے بیعت کی تھی، اسلام قبول کر کے پلٹے تو مدینہ میں نہایت سرگرمی سے اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی۔

مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ "جب یہ لوگ مدینہ آئے اور اپنی قوم میں اسلام کا چرچا کیا، اس کی دعوت دی، تو اسلام تمام انصار میں پھیل گیا اب کوئی گھر نہ تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو، دوسرے سال حضرت رافعؓ ۱۲/ آدمیوں کے ساتھ اور تیسرے سال ۷۰/ آدمیوں کے ساتھ مکہ گئے اور اس اخیر بیعت میں بنوزریق کے نقیب منتخب ہوئے"۔

حضرت رفاعہؓ بن رافع کا قبول اسلام

حضرت رفاعہؓ کے پدر بزرگوار حضرت رافع ؓ قبیلہ خزرج کے سب سے پہلے مسلمان تھے، بیعت عقبہ سے دو سال بیشتر ۵-۶/ آدمیوں کے ساتھ مکہ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، ماں بھی مسلمان ہو چکی تھیں، ان کا اخیافی بھائی عبد اللہ بن ابی مرجع کفر ونفاق تھا، لیکن بہن صداقت وراستی کا سراج منیر بنی ہوئی تھیں، حضرت رفاعہؓ اسی مبارک خاندان میں پلے تھے، عقبہ ثانیہ میں اپنے باپ کے ساتھ مکہ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور دولت ایمان سے بہرہ یاب ہو کر مدینہ واپس ہوئے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا قبول اسلام

حضرت زیدؓ اپنی والدہ کے ظل عاطفت میں پرورش پا رہے تھے، ۱۱/ برس کے ہوئے تو اسلام کی آواز کان میں پڑی، اس زمانہ میں اسلام مدینہ میں مسافر کی حیثیت سے مقیم تھا، حضرت مصعب بن عمیر مبلغ اسلام توحید و رسالت کا وعظ کہہ رہے تھے حضرت زیدؓ نے اسی صغر سنی میں اسلام قبول کیا، کسی انسان کا اگر بلوغ سے قبل ایمان لانا باعث فخر و مباہات ہوسکتا ہے، تو حضرت زیدؓ نے گیارہ سال کی عمر میں یہ فخر حاصل کیا اور ابتدا ہی سے ان کا دامن شرک کے داغ سے پاک تھا۔

حضرت زیدؓ نے مسلمان ہوتے ہی قرآن پڑھنا شروع کیا، اسی بناء پر لوگ ان کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہ ۱۷/ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے، لوگ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ "یہ بنی نجار سے ہیں اور ۱۷/ سورتیں پڑھ چکے ہیں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر بہت خوش ہوئے اور زیدؓ نے قرآن سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا تعجب ہوا۔

حضرت سعد بن عبادہؓ کا قبول اسلام

عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا اور ان کا شمار بلند پایہ صحابہ میں کیا گیا، چنانچہ بخاری میں ہے کہ "وہ بڑے پایہ کے مسلمان تھے"۔

بیعت عقبہ جس شان سے ہوئی انصار کے جس قدر آدمی اس میں شامل ہوئے جن اہم شرائط پر بیعت کا انعقاد ہوا، یہ کام اگر چہ خفیہ اور نہایت خفیہ تھا لیکن پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا، قریش کو ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر لاحق رہتی تھی، چنانچہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت مکہ سے باہر انصار سے بیعت لے رہے تھے، جبل ابوقبیس پر کوئی شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ "دیکھنا! سعد مسلمان ہوئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بالکل نڈر ہو جائیں گے"۔

قریش کے کان میں اگر چہ یہ آواز پہنچ گئی، تاہم ان کا خیال ادھر منتقل نہ ہوا، وہ قضاعہ اور تمیم کے سعد نامی اشخاص کو سمجھے، اس وجہ سے بیعت میں مزاحمت نہ کی۔

دوسری رات کو پھر اسی پہاڑ سے چند شعر سنے گئے، جن میں صاف صاف ان کا نام ونشان موجود تھا، قریش کو سخت حیرت ہوئی اور تحقیق واقعہ کے لیے انصار کے قیام گاہ پر آئے، عبداللہ بن ابی بن سلول سے کہ قبیلہ خزرج کا رئیس تھا گفتگو ہوئی، اس نے اس واقعہ سے بالکل لاعلمی ظاہر کی، یہ لوگ چلے گئے تو مسلمانوں نے یانج کا راستہ لیا، قریش نے ہر طرف ناکہ بندی کرادی تھی، سعد بن عبادہؓ اتفاق سے ہاتھ لگ گئے، کافروں نے ان کو پکڑ کر ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور بال کھینچ کھینچ کر زدوکوب کرتے ہوئے مکہ لائے، مکہ میں لا کر انھیں مارتے، حضرت سعدؓ کا اپنا بیان ہے کہ

جب قریش انھیں زدوکوب کررہے تھے تو ایک سرخ وسفید شیریں شمائل شخص انھیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ "اگر اس قوم میں کسی سے مجھے بھلائی حاصل ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہوگا، جب وہ میرے پاس آگیا تو اس نے نہایت زور سے منہ پر طمانچہ لگایا، اس وقت مجھے یقین آگیا کہ ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس سے خیر کی امید کی جاسکے، اتنے میں ایک اور شخص آیا، اس نے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا: کیا قریش کے کسی بھی شخص کے ساتھ تجھے حق ہمسائیگی حاصل نہیں اور کسی سے بھی تیرا عہد و پیمان نہیں؟ میں نے کہا: ہاں، جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب جو عبد مناف کے پوتے ہیں وہ تجارت کے لیے ہمارے یہاں جایا کرتے ہیں اور میں نے بارہا ان کی حفاظت کی ہے، اس نے کہا کہ پھر انہی دونوں کے نام کی دہائی تجھے دینی اور اپنے تعلقات کا اظہار کرنا چاہیے، میں نے ایسا ہی کیا"، پھر وہی شخص ان دونوں کے پاس پہنچا اور انھیں بتایا کہ خزرج کا ایک آدمی پٹ رہا ہے اور وہ تمہارا نام لے کر تمہیں پکار رہا ہے، ان دونوں نے پوچھا وہ کون ہے؟ اس نے بتایا کہ سعد بن عبادہؓ، وہ بولے: ہاں، اس کا ہم پر احسان بھی ہے، انہوں نے حارث بن امیہ بن عبد شمس کو ساتھ لیا اور ان کو پہچان کر قریش کے پنجہ ظلم وستم سے نجات دلائی۔

ادھر انصار میں بڑی کھلبلی پڑی تھی مجلس شوریٰ قائم ہوئی، جس میں طے پایا کہ چاہے جانیں خطرہ میں کیوں نہ پڑجائیں، مکہ واپس چل کر سعدؓ کا پتہ لگانا چاہیے، ان کا یہ ارادہ ابھی قوت سے فعل میں نہ آیا تھا کہ سعدؓ آتے ہوئے نظر آئے اور وہ ان کو لے کر سیدھے مدینہ روانہ ہوگئے۔

حضرت عبادہؓ بن صامت کا قبول اسلام

ابھی عنفوان شباب تھا کہ مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، جن خوش نصیب لوگوں نے اس کی پہلی آواز کو رغبت کے کانوں سے سنا، حضرت عبادہؓ انھیں میں سے ہیں، انصار کے وفد ۳/ سال تک مدینہ سے مکہ آئے تھے وہ سب میں شامل تھے۔

حضرت عبادہؓ کی زندگی ابتدا ہی سے ولولہ انگیز ہے، مکہ سے مسلمان ہو کر پلٹے تو مکان پہنچتے ہی والدہ کو مشرف بہ اسلام کیا، کعب بن عجرہ ایک دوست تھے اور ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، ان کے گھر میں ایک بڑا سا بت رکھا تھا، حضرت عبادہؓ کو فکر تھی کہ کسی صورت سے یہ گھر بھی شرک سے پاک ہو، موقع پا کر اندر گئے اور بت کو بسولے سے توڑ ڈالا، کعب کو ہدایت غیبی ہوئی اور وہ جمعیت اسلام میں آ ملے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کا قبول اسلام

عبداللہ بن ابی بن سلول قبیلہ خزرج کے ممتاز ترین افراد میں تھا، اس کے اثر اور زور وقوت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسلام سے قبل مدینہ کا تخت وتاج اسی کے سپرد ہونے کی تجویز تھی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اسی عبداللہ کے فرزند ارجمند تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ابن ابی عقلمند دوراندیش اور صاحب تدبیر ہونے کے باوجود شرف ایمان سے محروم رہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور خلافتِ الٰہی کی بنیاد قائم کی، تو رشک ومنافست کا عجیب منظر درپیش تھا، ابن ابی اور اس کے چند ہم خیال اسلام کی اس ترقی کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جوں جوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدار بڑھتا تھا، یہ گروہ اس کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔

آخر مسلمانوں کے غلبہ اور زور کی وجہ سے ابن ابی کو سر اطاعت خم کرنا پڑا اور اپنی جماعت کے ساتھ منافقانہ مسلمانوں کے زمرے میں داخل ہوگیا اور منافقین کا سرغنہ بنا، لیکن ابن ابی کا اثر ان کے بیٹے پر بالکل نہیں پڑا، وہ ہجرت سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔

غزوۂ تبوک میں ایک انصاری اور مہاجر کے جھگڑے میں ابن ابی نے کہا تھا:

﴿لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ (یعنی مدینہ پہنچ کر بلند پایہ لوگ، ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: ”اگر اجازت ہو تو اس منافق کا سر اڑا دوں“، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی، حضرت عبداللہ آئے اور

کہا کہ ”میرے باپ نے آپ ﷺ کو ذلیل کہا، خدا کی قسم وہ خود ذلیل ہے“، اس کے بعد کہا کہ ”اگرچہ تمام خزرج میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا کوئی مطیع نہیں، تاہم اگر آپ ﷺ انہیں قتل کرانا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے، میں قتل کیئے دیتا ہوں، لیکن اگر کسی دوسرے مسلمان نے ان کو قتل کیا تو اپنے باپ کے قاتل کو میں دیکھ نہیں سکتا، لامحالہ اس کو قتل کردوں گا اور ایک مسلمان کے مارنے سے جہنم کا مستوجب ہوں گا“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میرا قتل کرانے کا بالکل ارادہ نہیں“، لوگ کہیں گے کہ ”محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کو قتل کراتے ہیں“۔

حضرت عبداللہ آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرکے سڑک پر آکر کھڑے ہوگئے، ابن ابی نکلا تو اونٹ سے اتر پڑے اور کہا: ”تم اقرار کرو کہ میں ذلیل ہوں اور محمد ﷺ عزیز ہیں، ورنہ میں آگے نہ بڑھنے دوں گا“، پیچھے آنحضرت ﷺ تشریف لا رہے تھے باپ بیٹے کی گفتگو سن کر فرمایا: ”ان کو چھوڑ دو، خدا کی قسم! یہ جب تک ہم میں موجود ہیں ہم ان سے اچھا برتاؤ کریں گے“۔

حضرت عباسؓ بن عبادہ کا قبول اسلام

بیعت عقبہ میں شریک تھے، انصار بیعت کے لیے مجتمع ہوئے تو انہوں نے کہا: ''بھائیو! جانتے ہو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم سے اعلان جنگ ہے، اس میں تم کو بہت سے خطروں کا سامنا ہوگا، ذی اثر لوگ مارے جائیں گے، مال تلف ہوگا، پس اگر ان مشکلات کا مقابلہ کرسکو تو بسم اللہ بیعت کرلو، ورنہ بے کار دین ودنیا کی ندامت سر پر لینے سے کیا فائدہ''؟

انصار نے پوچھا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بیعت کر کے اگر ہم وعدہ وفا کریں تو کیا اجر ملے گا''؟ ارشاد ہوا کہ ''جنت''، سب نے کہا تو پھر ہاتھ پھیلایئے، بیعت ختم ہوئی، تو حضرت عباس بن عبادہؓ نے کہا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرمائیں تو ہم یہیں میدان جنگ گرم کردیں''، فرمایا: ''ابھی اس کی اجازت نہیں''۔

حضرت عباس بن عبادہؓ بیعت کر کے مکہ میں مقیم ہوگئے، لیکن جب ہجرت کا حکم ہوا تو مہاجرین مکہ کے ہمراہ مدینہ آئے، اس بناء پر وہ مہاجری انصاری ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان یعنی اصحاب صفہ میں داخل تھے۔

حضرت عمروؓ بن جموح کا قبول اسلام

حضرت عمرو بن جموحؓ بنو سلمہ کے رئیس تھے اس کے علاوہ مذہبی عزت بھی حاصل تھی یعنی بت خانہ کے متولی تھے۔

لکڑی کا ایک بت بنا کر گھر میں رکھ لیا تھا، جس کا نام ''مناۃ'' تھا، وہ اس کی بیحد تعظیم کرتے تھے، اسی زمانہ میں سرزمین مکہ سے اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو مدینہ کے کچھ لوگ اس کو لبیک کہنے کے لیے مکہ پہنچے اور عقبہ ثانیہ میں مسلمان ہو کر واپس آئے، اس جماعت میں عمروؓ کے ایک لڑکے معاذ بھی شامل تھے۔

یہ لوگ مکہ سے واپس آئے تو شہر یثرب کا ہر ہر گوشہ تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھا، بنو سلمہ کے چند نوجوانوں نے جو مسلمان ہو چکے تھے، باہم مشورہ سے یہ طے کیا کہ کسی صورت سے عمروؓ کو بھی مسلمان بنایا جائے، ان کے بیٹے نے اس میں خاص کوشش کی، چنانچہ کچھ دنوں تک ان کا یہ مشغلہ رہا رات کو معاذ بن جبلؓ وغیرہ کو ساتھ لے کر مکان آتے اور گھر والوں کو سوتا پا کر بت کو اٹھا لاتے اور باہر کسی گڑھے میں پھینک دیتے تھے، صبح کو اٹھ کر عمرو سخت برہم ہوتے اور اپنے خدا کو اٹھا کر اندر لے جاتے، نہلاتے اور خوشبو مل کر پھر وہیں رکھ دیتے، آخر عاجز آ کر ایک دن بت کی گردن میں تلوار لٹکائی اور کہا کہ ''مجھے پتہ نہیں، ورنہ ان لوگوں کی خود خبر لیتا، اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو کرو یہ تلوار موجود ہے''، ان لڑکوں کو اب ایک چال اور سوجھی، رات کو آ کر بت کو اٹھایا، گردن سے تلوار علاحدہ کی اور اس میں ایک مرے ہوئے کتے کو باندھ کر کنوے پر لٹکا دیا، عمرو نے یہ کیفیت دیکھی تو بجائے اس کے کہ اپنے معبود کی توہین پر غصہ ہوتے، راہ راست پر

آ گئے، چشم ہدایت روشن ہوگئی، اور اسی وقت مذہب اسلام قبول کیا، عمرو بن جموح ایک خوش گو شاعر تھے، انہوں نے اپنے بت کی ہجو میں اشعار کہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

(خدا کی قسم! اگر تو معبود ہوتا تو تو اور مرا ہوا کتا کنویں کے اندر ایک رسی کے ساتھ بندھے ہوئے نہ ہوتے، لعنت ہو تیرے اس جگہ پڑے ہونے پر، وہ کیسی ذلیل جگہ تھی اگر میں تجھے اس ذلیل جگہ سے تلاش کر کے نہ لاتا تو تو وہیں اوندھا پڑا رہتا، اللہ پاک نے مجھے اس سے پہلے بچا لیا کہ قبر کی تاریکی میں رہن رکھا جاتا، ساری تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کی جو احسان کرنے والا، رزق دینے والا، اور بدلہ کے دن کا مالک ہے)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت معاذؓ کی طبیعت فطرۃً اثر پذیر واقع ہوئی تھی، چنانچہ نبوت کے بارہویں سال مدینہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو حضرت معاذؓ نے اس کے قبول کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہ کیا، حضرت مصعب بن عمیرؓ داعی اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدق دل سے توحید کا اقرار کیا، اس وقت ان کی عمر ۱۸/ سال کی تھی، حج کا موسم قریب آیا تو حضرت مصعبؓ مکہ روانہ ہوئے، اہل مدینہ کی ایک جماعت جس میں مسلم اور مشرک دونوں شامل تھے، ان کے ہمراہ ہوئی، حضرت معاذؓ بھی ساتھ تھے، مکہ پہنچ کر عقبہ میں وہ نورانی منظر سامنے آیا، جو حضرت معاذؓ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تشریف لائے اور اس جماعت سے بیعت لی۔

یہ جماعت مکہ سے مدینہ واپس ہوئی، تو آفتاب اسلام کی روشنی گھر گھر پھیل گئی، یثرب تمام مطلع انوار ہوگیا، حضرت معاذؓ کمسن تھے، مگر جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ بنوسلمہ کے بت توڑے جانے لگے، تو بت شکنوں کی جماعت میں وہ سب سے پیش پیش تھے، بت کا کسی کے گھر میں موجود ہونا اب ان کے لیے سخت تکلیف دہ تھا، بنوسلمہ کے اکثر گھر ایمان کی روشنی سے منور ہو چکے تھے، لیکن اب بھی کچھ لوگ ایسے باقی تھے، جن کا نفس آبائی مذہب چھوڑنے سے انکار کرتا تھا، عمرو بن جموح بھی انھیں لوگوں میں تھے جن کا قصہ گزر چکا ہے۔

حضرت زیدؓ بن سعنہ کا قبول اسلام

زید بنی اسرائیل سے تھے، اور یہود میں بہت بڑے عالم شمار ہوتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت دیکھتے ہی ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یقین ہوگیا، توراۃ میں نبوت کی جو علامات مذکور ہیں ان سے تطبیق دی تو صرف دو باتوں کی کمی محسوس ہوئی جن کا تعلق اخلاق سے تھا، اور انھیں کی تحقیق پر ان کا ایمان لانا موقوف تھا۔

چنانچہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک روز دربار نبوی میں ایک سوار پہنچا کہ فلاں گاؤں کے لوگ مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن قحط زدہ ہیں، آپ سے کچھ امداد ہو سکے تو دریغ نہ کیجیے، شہنشاہ مدینہ کے پاس نام خدا کے سوا اور کیا تھا، زید کو اب آزمائش کا موقع ملا، توراۃ میں پیغمبر کی دو علامتیں مذکور ہیں، ایک یہ کہ اس کا حلم اس کے غیظ وغضب پر سبقت کرتا ہے، اور دوسری یہ کہ جاہلانہ حرکتوں کا جواب تحمل سے دیتا ہے، زید علم کے ساتھ مال ودولت سے بھی بہرہ مند تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہو تو فلاں باغ کے چھوہارے اتنی مدت کے لیے میرے ہاتھ رہن کردو، آپ نے ۸۰/ دینار (۴۰۰ روپیے) پر چھوہاروں کی ایک معین مقدار رہن کردی اور روپیہ سوار کے حوالہ کیا، ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے جنازہ پر تشریف لائے، حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی ساتھ تھے، نماز سے فارغ ہوئے تو زید نے میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی تقاضا شروع کیا اور نہایت سختی کی، چادر اور قمیص کا دامن پکڑا، پھر آپ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرا حق نہ دوگے؟ خدا کی قسم عبدالمطلب

کی اولاد ہمیشہ کی نادہندہ ہے"، یہ جملہ سن کر حضرت عمر کو طیش آگیا، بولے "خدا کے دشمن! میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کو یہ باتیں کہتا ہے، خدا کی قسم وار خالی جانے کا احتمال نہ ہوتا تو ابھی تیرا سر اڑا دیتا"، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: "یہ بات زیبا نہیں، تم ان کا قرض ادا کرنے کی فکر کرو، ان کو لے جا کر روپے دو، ۲۰/صاع اور زیادہ دینا جو اس خفگی کا جرمانہ ہے، زید نے حضرت عمرؓ سے روپیہ لیا اور چونکہ ان دونوں وصفوں کی اب تصدیق ہو گئی تھی، اس لیے کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

حضرت عبد اللہؓ بن سلام کا قبول اسلام

ایام جاہلیت میں ان کا نام حصین تھا، لیکن آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ نام رکھا۔ عبد اللہ بن سلامؓ اپنے بچوں کے لیے باغ میں پھل چننے گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں فروکش ہوئے، اس کی خبر عبد اللہ بن سلام کو ہوئی، تو پھل لے کر دوڑے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس گئے، آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ''ہمارے اعزہ (انصار) میں سب سے قریب تر کس کا مکان ہے''؟ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں سب سے قریب رہتا ہوں، یہ میرا گھر ہے اور یہ دروازہ ہے''، آنحضرت ﷺ نے ان کے مکان کو اپنا مسکن بنایا، جب آپ ﷺ کا مستقر متعین ہو گیا تو عبد اللہ بن سلامؓ دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ''آپ ﷺ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں''، آنحضرت ﷺ نے ان کا جواب دیا تو فوراً پکار اٹھے ''أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أنك رسول الله'' اس کے بعد کہا کہ ''یہود ایک افترا پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس ابن الرئیس ہوں، آپ ﷺ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے لیکن میرے مسلمان ہو جانے کی خبر نہ دیجئے گا''، آنحضرت ﷺ نے یہود کو طلب فرما کر اسلام کی دعوت دی اور کہا: ''عبد اللہ بن سلامؓ کون شخص ہیں''؟ بولے ''ہمارے سردار ہمارے سردار کے بیٹے ہیں''، فرمایا: ''وہ مسلمان ہو سکتے ہیں''؟ جواب ملا ''کبھی نہیں''، حضرت عبد اللہ بن سلامؓ مکان کے ایک گوشہ میں چھپے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ

نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے، اور یہودیوں سے کہا: ”ذرا خدا سے ڈرو، تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے، اس کے باوجود ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوتے“، یہود کو خلاف توقع جو خفت نصیب ہوئی اس نے ان کو مشتعل کر دیا انہوں نے غصہ میں کہا کہ ”تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدتر تھا“، حضرت عبداللہؓ نے کہا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا“۔

حضرت ابو جابر عبد اللہؓ کا قبول اسلام

انصار میں اسلام کی ابتداء بیعت عقبہ سے ہوئی، ۱۱ نبوت میں چھ انصاری مکہ جا کر شرف اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے بہرہ ور یاب ہوئے، دوسرے سال مدینہ کے بارہ اشخاص نے یہ سعادت حاصل کی اور اسی سال ان کی درخواست پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اسلام کا مبلغ اول بنا کر مدینہ منورہ روانہ کیا تو ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں انصار کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔

معلوم نہیں کیا چیز مانع ہوئی کہ حضرت عبد اللہ اس زمانہ میں اسلام قبول نہ کر سکے، البتہ ۱۳ نبوت کے موسم حج میں جب اہل مدینہ کا ایک قافلہ حج کے لیے مکہ جانے کے لیے تیار ہوا تو وہ بھی اس میں شامل ہو گئے، ابن جریر طبری نے حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ سفر کے درمیان میں ہم نے عبد اللہ سے کہا: "اے ابو جابر! آپ بھی ہماری قوم کے ایک سردار ہیں، اور آپ کو بڑی عزت اور مرتبہ حاصل ہے، لیکن ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ آپ ابھی تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں، اگر آپ اپنی روش پر قائم رہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو دوزخ میں پھینک دے گا، ہم نہیں چاہتے کہ آپ جیسے ذی فہم آدمی کا یہ انجام ہو، کیا ہی خوب ہو کہ آپ ہمارا ساتھ دیں اور دین حق قبول کرنے میں تاخیر نہ کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ملاقات کا وعدہ فرما رکھا ہے، ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کریں گے"۔

غرض ہم نے ایسے دل نشین پیرائے میں عبد اللہ کو اسلام کی دعوت دی کہ وہ فی الفور ہمارے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے، ان کے نوجوان فرزند جابرؓ بھی اس قافلے میں شامل تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہی مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت صرمہؓ بن ابی انس کا قبول اسلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اگر چہ تمام اہل عرب مجموعی طور پر کفر وشرک کی دلدل میں دھنسے ہوئے تھے، تاہم ان میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو موحد اور مسلک ابراہیمی کے پیرو تھے، اور بعض ایسے بھی تھے جو غیر اللہ کی عبادت سے تو مجتنب تھے لیکن کسی شریعت میں داخل نہ تھے، اور توحید وعبادت الٰہی کی طلب میں حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے منتظر تھے، ایسے اصحاب نہ صرف مکہ اور عرب کے بعض دوسرے علاقوں میں موجود تھے بلکہ یثرب (مدینہ) بھی ان کے وجود سے خالی نہ تھا، یثرب میں ابوقیس صرمہ بن ابی انس اپنی کبر سنی اور پاکبازی کی بناء پر امتیازی حیثیت کے مالک تھے، حضرت صرمہؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سعید سے نوازا تھا، وہ جوانی ہی میں بت پرستی سے متنفر ہو گئے اور دنیا ترک کر کے رہبانیت اختیار کر لی، اس زمانے میں وہ ٹاٹ کا لباس پہنتے تھے اور گوشہ عزلت میں بیٹھ کر غور وتفکر میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا کہ رائج الوقت ادیان میں سے جو دین صحیح معنوں میں سعادت وفلاح ابدی کی طرف رہنمائی کرتا ہو اس کو اختیار کر لیں، چنانچہ اس اشتیاق نے انہیں دین مسیحی کی طرف مائل کیا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس زمانے کے مسیحیوں نے اپنے دین میں تحریف کر ڈالی ہے اور اس میں بت پرستی کو شامل کر لیا ہے تو وہ قبول مسیحیت کے ارادہ سے دست بردار ہو گئے، اور دین ابراہیمی اختیار کر لیا، گو رہنمائی کرنے والا کوئی نہ تھا لیکن وہ اپنی بصیرت اور اپنے شعور کے مطابق خدائے واحد کی عبادت میں مشغول رہنے لگے، وہ اپنی عبادت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

"أعبد رب ابراهيم" (میں ابراہیم کے رب کی عبادت کرتا ہوں)

ہجرت نبوی سے کچھ مدت پہلے یثرب میں اسلام کا چرچا پھیلا اور لوگ نبی آخر الزماں کا ذکر کرنے لگے تو حضرت صرمہؓ کے دل نے گواہی دی کہ مکہ میں جس ذات اقدس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ خدا کے سچے رسول ہیں، اور دین حق کی تبلیغ وترویج کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر قبول اسلام کے لیے بیتاب ہوگئے لیکن بڑھاپے نے مکہ معظمہ کا سفر اختیار کرنے کی طاقت نہ چھوڑی تھی، نہایت بے قراری سے مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

بالآخر وہ ساعت آپہنچی جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین یثرب کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا اس وقت یثرب مدینۃ النبی بن گیا۔

حضرت صرمہؓ فرط مسرت سے بے خود ہوگئے، نہایت جوش سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا، قبول اسلام اور بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے اور اس دولت لازوال کے حصول پر سجدۂ شکر بجالائے، قبول اسلام کے وقت حضرت صرمہؓ کی عمر ایک سو آٹھ برس کے لگ بھگ تھی۔

حضرت امیر معاویہؓ کا قبول اسلام

حضرت امیر معاویہ کا خاندان بنو امیہ زمانہ جاہلیت سے قریش میں معزز وممتاز چلا آتا تھا، ان کے والد ابوسفیان قریش کے قومی نظام میں عقاب یعنی علمبرداری کے عہدہ پر ممتاز تھے، ابوسفیان آغاز بعثت سے فتح مکہ تک اسلام کے سخت دشمن رہے، اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی امکانی کوشش باقی نہیں رکھی، اس زمانہ میں اسلام کے خلاف جو بھی تحریکیں ہوئیں، ان سب میں علانیہ یا در پردہ ان کا ہاتھ ضرور ہوتا تھا، فتح مکہ کے دن ابوسفیان اور امیر معاویہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے، لیکن باپ کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا، لیکن یہ روایت مسلمہ روایات کے بالکل خلاف ہے، اور اس کی تائید میں اور کوئی روایت نہیں ملتی، اس لیے ناقابل اعتبار ہے، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ ابوسفیان کی اسلام سے دشمنی کے باوجود معاویہ کو مسلمانوں سے کوئی خاص عناد نہ تھا، چنانچہ ان کے اسلام لانے سے پہلے بدر اور احد وغیرہ بڑے بڑے معرکے ہوئے مگر ان میں سے کسی میں مشرکین کے ساتھ معاویہ کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا۔

ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خوشی میں آنحضرت ﷺ نے انہیں مبارکباد دی، قبول اسلام کے بعد معاویہ حنین اور طائف کے غزوات میں شریک ہوئے، حنین کے مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا تھا، اسی زمانہ میں معاویہؓ کے خاندانی وقار کے لحاظ سے ان کو کتابت وحی کا جلیل القدر منصب ملا۔

حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

اقرع باضابطہ اسلام قبول کرنے سے بہت پہلے اسلام سے متاثر تھے، چنانچہ فتح مکہ، حنین اور طائف میں کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

فتح مکہ کے بعد جب روسائے تمیم مدینہ آئے تو اقرع بھی تھے، روسائے عرب کی طرح بنی تمیم کے عمائد میں بھی عالی نسبی کا بڑا غرور اور دولت کا بڑا نشہ تھا، فخر وتعلّی کی مجلسیں ہوتی تھیں، جن میں روساء وعمائد اپنے اپنے فخریہ سناتے تھے، مدینہ آئے تو یہ تمام لوازم ساتھ تھے، کاشانہ نبوی پر پہنچ کر ارکان وفد نے آواز دی "محمد صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلو" آپ کو ناگوار ہوا تاہم حجرۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور روسائے تمیم نے کہا: "ہم لوگ فخاری کے لیے آئے ہیں، اجازت دو کہ ہمارے شعراء بلغاء اپنی سحر بیانی کے جوہر دکھائیں"، ابن ہشام کی روایت ہے کہ آپ نے ان کی درخواست قبول کر لی، لیکن صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "میں شعر بازی اور فخاری کے لیے نہیں مبعوث ہوا ہوں، لیکن تم اگر اسی کے لیے آئے ہو تو ہم بھی اس سے باہر نہیں ہیں"، اجازت ملنے کے بعد عطارد بن حاجب کھڑے ہوئے اور نہایت فخر ومباہات کے ساتھ بنی تمیم کے تمول، ثروت، اثر واقتدار، عالی نسبی، شجاعت وبہادری اور مہمان نوازی کی جاہلانہ داستان سنائی ان کی تقریر ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کی جانب سے جواب کے لیے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، لیکن یہ جواب کیا تھا؟ تمول وثروت کی فخاری نہ تھی، عالی نسبی کا غرور نہ تھا، شجاعت وبہادری کی داستان سرائی نہ تھی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، قرآن کا نزول، اسلام کی تبلیغ، انصار کی

حمایت اور اعلائے کلمۃ اللہ کی تاریخ، اور اسلام کی دعوت تھی، ثابت کے بعد بنی تمیم کے معزز رکن زبرقان بن بدر اٹھے اور اسی جاہلیت کی غرور آمیز داستان کو اشعار میں دہرایا، ان کے مقابلہ میں دربار رسالت کے ملک الشعراء اور طوطی اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جواب کا حکم ہوا، انہوں نے جواب دیا، رؤسائے تمیم کی فخاری اور مسلمانوں کے تبلیغی جواب کا یہ اثر ہوا کہ بنی تمیم کے معزز رکن اقرع بن حابس نے اٹھ کر اپنے ارکان سے کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب ہمارے خطیبوں اور ان کے شعراء ہمارے شعراء سے بہتر ہیں، ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے زیادہ شیریں اور دلآویز ہیں، میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں، آپ خدا کے رسول ہیں، اس کے قبل جو کچھ ہو چکا وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا''، قبول اسلام کے بعد انہیں کسی غزوہ میں شرکت کا موقع نہیں ملا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سرایا کے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا۔

حضرت امرؤ القیس رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

سنہ ۱۰ ھ میں کندہ (حضرموت) کے وفد کے ساتھ مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد پھر وطن واپس چلے گئے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب عرب کے قبائل میں ارتداد کی وبا پھیلی تو امرؤ القیس رضی اللہ عنہ کا پورا قبیلہ مرتد ہو گیا، لیکن ان کے پائے ایمان میں لغزش نہ آئی، اور انہوں نے اپنے قبیلہ کو دوبارہ دائرۂ اسلام میں واپس لانے کی پوری کوشش کی، اور اس کے لیے افہام وتفہیم، زجر وتوبیخ وغیرہ تمام امکانی ذرائع صرف کر دیئے، کندہ کے رئیس اشعث بن قیس بھی جو حضرت حسنؓ کے خسر تھے، مرتد ہو گئے تھے، امرؤ القیسؓ نے انہیں بہت سمجھایا کہ "اس فتنہ سے خدا ابوبکرؓ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، مخالفوں کو ناکامی ہوگی، اور ان کا سر قلم کر دیا جائے گا تم اپنے اوپر رحم کرو، اور اس فتنہ سے بچو، اگر تم اس کار خیر کی طرف قدم بڑھاؤ گے تو سب تمہاری پیروی کریں گے، اور پیچھے رہو گے تو ان میں اختلاف پیدا ہوگا"، اشعث نے جواب دیا: "عرب اپنے آبائی مذہب پر لوٹ رہے ہیں"، امرؤ القیسؓ نے کہا: "خیر تو تم کو بہت جلد اس کا تجربہ ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال تم کو کبھی ارتداد کی حالت میں نہیں چھوڑ سکتے"۔

ارباب سیر لکھتے ہیں کہ فتنہ ارتداد کو ختم کرنے میں انہوں نے بڑی انتھک کوشش کی، ان کی مخلصانہ کوششیں بارآور ہوئیں اور کندہ کے بہت سے گھرانے ارتداد سے بچ گئے، اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس اس کی اطلاع بھیجی۔

امرؤ القیس رضی اللہ عنہ کا دل جوش ایمانی سے اس قدر معمور تھا کہ ارتداد کے سلسلہ میں

انہوں نے اپنے خاص اعزہ کی محبت بھی دل سے نکال دی تھی، اور ان کی تلوار ان کے مرتد اعزہ کے مقابلہ میں بھی بے نیام ہوئی، فتنہ ارتداد ختم ہونے کے بعد جو باغی مرتد قتل کرنے کے لیے لائے گئے ان میں امرؤ القیس رضی اللہ عنہ کے چچا بھی تھے، امرؤ القیس رضی اللہ عنہ خود انہیں قتل کرنے کے لیے بڑھے، چچا نے کہا: ''کیا تم چچا کو بھی قتل کردو گے''؟ امرؤ القیس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بیشک آپ میرے چچا ہیں، لیکن اللہ میرا رب ہے''۔

حضرت بدیلؓ بن ورقاء کا قبول اسلام

فتح مکہ کے بعد بدیل مشرف بہ اسلام ہوئے، بعض ارباب سیر ان کے اسلام کا زمانہ فتح مکہ سے پہلے بتاتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدیلؓ کی آمد و رفت کے واقعات سے التباس ہوا ہے، لیکن یہ آمد و رفت اسلام کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ معاہدہ کی وجہ سے تھی، قبول اسلام کے وقت بدیل کی عمر ۹۷/سال کی تھی، مگر داڑھی کے سب بال سیاہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "عمر کیا ہے"؟ عرض کی: "۹۷/برس"، فرمایا: "خدا تمہارے جمال اور بالوں کی سیاہی میں اور ترقی دے"۔

حضرت تمیم بن اسدؓ کا قبول اسلام

فتح مکہ کے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، فتح مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تطہیر حرم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، تو خانہ کعبہ کے گرد تین سو سے اوپر بت رانگے سے جڑے ہوئے نصب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿جاء الحق وزهق الباطل﴾

پڑھ پڑھ کر بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے اور بت گرتے جاتے تھے۔

حضرت ثمامہؓ بن اثال کا قبول اسلام

ثمامہ یمامہ کے سرداروں میں سے تھے۔ فتح مکہ کے کچھ دنوں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمامہ کی طرف ایک مختصر سریہ جس میں چند سوار تھے بھیجا تھا، ان لوگوں نے لوٹتے وقت ثمامہ کو گرفتار کرلیا اور وہ لاکر مسجد نبوی کے ستون میں باندھ دیئے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس آکر پوچھا: ''کیوں ثمامہ کیا ہوا''؟ کہا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت اچھا ہوا، اگر تم مجھ کو قتل کروگے تو ایک جاندار کو قتل کروگے، اور اگر احسان کرکے چھوڑ دوگے تو ایک احسان شناس پر احسان کروگے''، دوسرے دن پھر یہی سوال وجواب ہوا، تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا، تیسری مرتبہ سوال وجواب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رہا کردیا، ثمامہؓ پر اس رحم وکرم کا یہ اثر ہوا کہ رہائی پانے کے بعد اسلام کے اسیر ہوگئے، مسجد نبوی کے قریب ایک نخلستان میں گئے، اور نہا دھو کر مسجد میں آئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''خدا کی قسم آپ کی ذات، آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ روئے زمین پر مجھے کسی سے بغض نہیں تھا، لیکن اب آپ کی ذات، آپ کے مذہب اور آپ کے شہر سے زیادہ کوئی ذات، کوئی مذہب اور کوئی شہر محبوب نہیں ہے، میں عمرہ کا قصد کررہا تھا کہ آپ کے سواروں نے مجھے پکڑ لیا، اب کیا حکم ہوتا ہے''؟ آپ نے بشارت دی اور عمرہ پورا کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ عمرہ کے لیے مکہ گئے، کسی نے پوچھا: ''تم بے دین ہوگئے''، کہا: ''نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لایا، یاد رکھو اب بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے گیہوں کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ نہیں آسکتا''۔

عمرہ پورا کرنے کے بعد یمامہ جا کر غلہ رکوا دیا، مکہ والوں کا دارومدار یمامہ کے غلہ پر تھا، اس لیے وہاں آفت بپا ہوگئی، اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکھ بھیجا کہ تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، لیکن تمہارا عمل اس کے برعکس ہے، تم نے سن رسیدہ لوگوں کو تلوار سے اور بچوں کو بھوک سے مار ڈالا، ان کی اس تحریر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ غلہ نہ روکا جائے

مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب، ثمامہ کا ہم وطن تھا، اس نے حیات نبوی ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا لیکن آفتاب حقیقت پر اس کی تاریکی غالب نہ آسکی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسیلمہ بڑے زور وشور کے ساتھ اٹھا، اہل یمن اس کے دام تزویر میں پھنس کر مرتد ہوگئے، اور مسیلمہ نے یمن پر قبضہ کرلیا، اس زمانہ میں ثمامہؓ وطن ہی میں موجود تھے، انہوں نے اہل یمامہ کو ارتداد سے بچانے کی بہت کوشش کی، ہر شخص کے کانوں تک یہ آواز پہنچاتے تھے کہ "لوگو! اس تاریکی سے بچو جس میں نور کی کوئی کرن نہیں" لیکن مسیلمہ کی آواز کے سامنے ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی، جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے پند ونصائح کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا، اور لوگ مسیلمہ کے دام میں پھنس چکے ہیں، تو خود یمامہ چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

اسی دوران میں علاء حضرمی جو مرتدین کے استیصال پر مامور ہوئے تھے، یمامہ کی طرف سے گذرے، ثمامہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "بنی حنیفہ کے ارتداد کے بعد میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا، عنقریب خدا ان پر ایسی مصیبت نازل کرے گا کہ ان سے اٹھتے بیٹھتے نہ بنے گا، مسلمان اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے آئے ہیں، ان سے نہ بچھڑنا چاہیے، تم میں سے جس کو چلنا ہو وہ فوراً تیار ہوجائے"، غرض اپنے ہم خیال اشخاص کو ساتھ لیکر علاءؓ کی مدد کو پہنچے، جب مرتدین کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ بنی حنیفہ بھی علاءؓ کی امداد پر آمادہ ہیں، تو وہ کمزور پڑ گئے، یمامہ کی مہم حضرت خالدؓ کے سپرد تھی، اور علاءؓ بحرین کے مرتدین پر مامور تھے، چنانچہ ثمامہ بھی علاءؓ کے ساتھ بحرین چلے گئے، اور مرتدین کے استیصال میں برابر کے شریک رہے۔

حضرت جابرؓ بن مسلم کا قبول اسلام

حضرت جابرؓ اپنے اسلام کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کی رائے کو قبول کرتے جا رہے ہیں، میں نے پوچھا: ''یہ کون ہیں''؟ معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں نے آپ کے پاس جا کر کہا: ''علیک السلام یا رسول اللہ!'' یہ سلام سن کر آپ نے فرمایا: ''علیک السلام مردوں کا سلام ہے، السلام علیک یا رسول اللہ کہا کرو''، اس تعلیم کے بعد انہوں نے کہا: ''السلام علیک یا رسول اللہ! آپ اللہ کے رسول ہیں''؟ فرمایا: ''ہاں میں خدا کا رسول ہوں، میری دعا قبول ہوتی ہے، اگر میں تمہارے لیے دعا کروں تو قبول ہوگی، اگر تمہارے یہاں قحط سالی ہو تو میری دعا سے تم سیراب ہوگے اور تمہارے لیے پیداوار ہوگی، اگر تم بے آب وگیاہ میدان میں ہو، اور تمہاری سواری گم ہو جائے تو میری دعا سے تمہارے پاس واپس آ جائے گی''، یہ سن کر میں نے کہا: ''یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو جو کچھ سکھایا ہے، وہ مجھے بھی سکھائیے''، فرمایا: ''نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگر چہ وہ اسی قدر ہو کہ اپنے بھائی سے خندہ روئی سے گفتگو کرو یا اپنے ڈول سے پیاسے کے برتن میں پانی ڈال دو، اگر کوئی شخص تمہارے راز سے واقف ہو اور وہ تم کو کسی بات پر شرم دلائے، تم اس کے راز کا حوالہ دیکر اس کو شرم نہ دلاؤ، تا کہ اس کا وبال تمہارے اوپر نہ ہو، لٹکتے ہوئے ازار (پاجامہ) سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ غرور کی نشانی ہے اور غرور خدا کو ناپسند ہے، کسی کو گالی نہ دو''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد سے انہوں نے کسی انسان بلکہ اونٹ اور بکری تک کو گالی نہیں دی۔

حضرت جارودؓ بن عمرو کا قبول اسلام

جارودؓ مذہباً عیسائی تھے، قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ ۱۰ھ میں مدینہ آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، انہوں نے کہا: "محمد ﷺ میں ایک مذہب پر تھا، اب تمہارے مذہب کے لیے اپنا مذہب چھوڑنے والا ہوں، کیا میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہو گے"؟ فرمایا: "ہاں میں ضامن ہوں، خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی"، اس مختصر سوال وجواب کے بعد جارودؓ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، اور ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی مشرف بہ اسلام ہوئے، آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی اور ان کی بڑی عزت وتوقیر کی، قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کے لیے آنحضرت ﷺ سے سواری مانگی، لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا، تو جارودؓ نے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ ﷺ! راستے میں ہم کو دوسروں کی بہت سی سواریاں ملیں گی، ان کو کام میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا: "نہیں انہیں آگ سمجھو"، غرض جارودؓ خلعت اسلام سے سرفراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے۔

فتنہ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے، لیکن ان کی استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا، اور اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے۔

حضرت جبیرؓ بن مطعم کا قبول اسلام

جبیر کے والد مطعم قریش کے نرم دل اور خدا ترس بزرگوں میں تھے، ان کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی ابتدائی زندگی میں جبکہ آپ پر چاروں طرف سے مصائب وآلام کا ہجوم تھا، بڑی امداد ملی، غالباً ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی کوششیں بارآور ہونے لگیں اور قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فریضہ تبلیغ سے روکنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی، تو آپس میں معاہدہ کرکے بنو ہاشم کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کردیا جس کی رو سے بنی ہاشم میں شادی بیاہ اور خرید وفروخت جملہ معاشرتی تعلقات ناجائز قرار پائے اور یہ عہد نامہ خانہ کعبہ میں آویزاں کردیا گیا، اس معاہدہ کی رو سے چونکہ قریش کی دوسری شاخوں کا میل جول بنی ہاشم کے ساتھ ممنوع ہوگیا تھا، اس لیے بنی ہاشم شعب ابی طالب میں چلے گئے، اور تین سال تک اس قید میں زندگی بسر کرتے رہے، اس طویل مدت میں شعب ابی طالب پر برابر قریش کا برابر پہرہ قائم رہا، اور کھانے پینے کی کوئی چیز شعب ابی طالب میں نہ جانے پاتی تھی، لیکن اس گروہ اشقیاء میں کچھ نرم دل بھی تھے، جو کھانے پینے کی چیزیں چرا چھپا کر پہنچا دیا کرتے تھے، آخر میں بعض منصف مزاجوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف صدا بلند کی اور کوشش کرکے اسے چاک کردیا، ان احتجاج کرنے والوں میں ایک جبیر بن مطعم بھی تھے۔

حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کے بعد جب مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ظاہری سہارا باقی نہ رہا، اور تبلیغ کے لیے آپ طائف تشریف لے گئے، اور وہاں سے ناکام لوٹے تو اس وقت مکہ کا ذرہ ذرہ آپ کا دشمن ہو رہا تھا، اور بظاہر کوئی جائے پناہ باقی نہ

تھی، مطعم کی نرم دلی سے آپ واقف تھے، اس لیے مکہ کے پاس پہنچ کر ان سے پناہ طلب کی، مطعم گو اس وقت کافر تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا، مطعم کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حمایت میں لینا تمام مشرکین مکہ کو مقابلہ کی دعوت دینا ہے، اسی لیے حمایت میں لینے کے بعد ہی اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں آئیں، اور خود حرم میں جا کر بآواز بلند وہاں اعلان کیا کہ ''میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے''، جبیر اسی منصف مزاج اور نرم دل باپ کے فرزند تھے، لیکن قومی عصبیت قبول حق سے مانع آتی تھی، مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان سب سے پہلا معرکہ بدر ہوا، اس میں جبیر شریک نہ ہو سکے تھے، لیکن اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے آئے تھے، جس وقت یہ پہنچے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے، اور سورۂ طور کی آیات تلاوت فرما رہے تھے، جبیر مسجد میں داخل ہوئے تو کلام اللہ کی سحر انگیز آیتیں کانوں میں پڑیں، انہیں سن کر جبیر اس درجہ متاثر ہوئے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ ''معلوم ہوتا تھا کہ میرا قلب پھٹ جائے گا''، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پوری کرنے کے بعد انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باپ کے احسانات کو یاد کر کے فرمایا کہ ''اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے اور وہ سفارش کرتے تو میں چھوڑ دیتا''۔

بدر کے مقتولین کا انتقام احد کی صورت میں ظاہر ہوا، اس میں تمام مشرکین نے بقدر استطاعت حصہ لیا، جبیر نے اپنے غلام وحشی کو بھیجا اور کہا: ''اگر تم حمزہؓ کو قتل کر دو گے تو تم کو آزاد کر دیا جائے گا''، چنانچہ حضرت حمزہؓ اسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

جبیر میں اثر پذیری کا مادہ پہلے سے موجود تھا، حالت کفر میں آیات قرآنی سے تاثر اس کا بین ثبوت ہے، لیکن قومی عصبیت مانع آتی تھی، لیکن بالآخر قبول حق کا مادہ جذبہ عصبیت پر غالب آگیا، اور بروایت صحیح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں وہ مسلمان ہو گئے۔

حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی کا قبول اسلام

حضرت جریرؓ یمن کے شاہی خاندان کے رکن اور قبیلہ بجیلہ کے سردار تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جریرؓ وفات نبوی کے کل چالیس روز پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن یہ صحیح نہیں، بروایت صحیح وہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اس لیے وفات سے کم ازکم چار پانچ مہینہ پہلے ان کا اسلام ماننا پڑے گا۔ اور واقدی کے بیان کے مطابق رمضان ۱۰ھ میں اسلام لائے، اس روایت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سات مہینہ پہلے ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے، بہرحال اس قدر یقینی ہے کہ وہ وفات نبوی سے کئی مہینہ پہلے اسلام لا چکے تھے۔

جب یہ قبول اسلام کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیسے آنا ہوا''؟ عرض کیا: ''اسلام قبول کرنے کے لیے''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھادی اور مسلمانوں سے فرمایا: ''جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کیا کرو''، اس کے بعد جریر نے اسلام کے لیے ہاتھ بڑھایا، اور کہا کہ ''میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں''، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا''، پھر فرمایا: ''جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا رحم نہیں کرتا''، اور بلا شرکت غیرے خدائے واحد کی پرستش، فرض نمازوں کی پابندی، مفروضہ زکوۃ کی ادائیگی، مسلمانوں کو نصیحت اور خیر خواہی، اور کافروں سے برائت پر بیعت لی۔

قبول اسلام کے بعد سب سے اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں

شریک ہوئے، اس میں مجمع کو خاموش کرنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔

فتح مکہ کے بعد قریب قریب عرب کے تمام قبیلے اسلام کے حلقہ اثر میں آگئے تھے، لیکن بعضوں میں صدیوں کے اعتقاد کی وجہ سے توہم پرستی باقی تھی، اور صنم کدوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے، اس وہم کو دور کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی صنم کدے گروائے، یمن کے صنم کدہ ذی الخلیفہ کو جو کعبہ یمانی کے نام سے مشہور تھا ڈھانے کی خدمت جریرؓ کے سپرد ہوئی، ایک دن آپ نے جریرؓ سے فرمایا: "کیا تم ذی الخلیفہ کو ڈھا کر مجھے مطمئن نہ کروگے"؟ عرض کیا: "بسر وچشم حاضر ہوں لیکن گھوڑے کی پیٹھ پر جم کے نہیں بیٹھ سکتا"، یہ عذر سن کر آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ "خدایا ان کو (گھوڑے کی پیٹھ پر) جمادے، اور ہادی ومہدی بنا"، جریرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں کو لے کر ۱۵۰/ سواروں کے دستہ کے ساتھ یمن پہنچے، اور ذی الخلیفہ کے صنم کدہ کو جلا کر خاکستر کر دیا، اور ابوارطاۃ کو اطلاع کے لیے مدینہ بھیجا، انہوں نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ سنایا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے ذی الخلیفہ کو جلا کر خارشتی اونٹ بنادیا"، یہ خبر سن کر آپ نے اس سریہ کے سوار اور پیدل کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

حضرت جمیلؓ بن معمر کا قبول اسلام

جمیلؓ پیٹ کے بڑے ہلکے تھے، کوئی بات چھپا نہ سکتے تھے، اِدھر سنا اور اُدھر مشہور کر دیا، حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو بہ بانگ دہل اس کا اعلان کرنا چاہا، چنانچہ لوگوں سے پوچھا کہ "مکہ میں سب سے زیادہ اشتہاری کون ہے"؟ معلوم ہوا جمیل، آپ سیدھے ان کے پاس پہنچے، اور کہا: "جمیل! تم کو معلوم ہے میں مسلمان ہو گیا"، جمیل یہ سنتے ہی بغیر مزید استفسار کے مسجد کعبہ کے دروازہ پر پہنچے اور بآواز بلند اعلان کیا کہ "معشر قریش! عمرؓ بے دین ہو گیا"، حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تم جھوٹ کہتے ہو، میں بے دین نہیں ہوا بلکہ اسلام قبول کیا"۔

لیکن یہی مسلمانوں کو بے دین کہنے والا فتح مکہ میں خود دین والا ہو گیا، قبول اسلام کے بعد سب سے اول غزوۂ حنین میں ان کی تلوار بے نیام ہوئی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔

حضرت حارثؓ بن ہشام کا قبول اسلام

حارث مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے، حارث مکہ کے رئیس اور بڑے مخیر" اور فیاض آدمی تھے، صدہا غریبوں کی روٹی ان کی ذات سے چلتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام کی بڑی خواہش تھی، ایک مرتبہ ان کا ذکر آیا، تو فرمایا: "حارث سردار ہیں، کیوں نہ ہو ان کے باپ بھی سردار تھے، کاش خدا انہیں اسلام کی ہدایت دیتا"، بدر میں ابو جہل کے ساتھ تھے، لیکن میدان جنگ سے بھاگ نکلے، اور ابو جہل مارا گیا، ان کی اس بزدلی پر حضرت حسان بن ثابتؓ نے اشعار میں غیرت دلائی، انہوں نے اشعار ہی میں اس کی توجیہ کی، احد میں بھی مشرکین کے ہمراہ تھے۔

فتح مکہ میں دوسرے سرداران قریش کی طرح مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام کے بعد سب سے پہلے غزوۂ حنین میں شریک ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مال غنیمت میں سے ۱۰۰/ اونٹ مرحمت فرمائے۔

حضرت حکمؓ بن کیسان کا قبول اسلام

حکمؓ ابو جہل کے والد مغیرہ کے غلام تھے، بدر سے واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے کاروان تجارت کے نقل وحرکت کا پتہ چلانے کے لیے عبد اللہ بن جحشؓ کی سر کردگی میں ایک دستہ بھیجا تھا، کھجور کے ایک باغ کے پاس دونوں میں مڈبھیڑ ہوئی، حکم قریش کے قافلہ کے ساتھ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے، قریش نے ان کے چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا، لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص قریش کے ہاتھوں میں قید تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور حکمؓ سے فرمایا: "جب تک سعد بن ابی وقاصؓ واپس نہ آئیں گے، اس وقت تک تم نہیں چھوٹ سکتے"۔

اس گفتگو کے دوسرے دن سعد بن ابی وقاصؓ آگئے، اب حکمؓ کی رہائی میں کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی، لیکن جب آزادی کا موقع آیا تو اسلام کی غلامی کا طوق گردن میں ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔

حضرت حنظلہؓ بن ربیع کا قبول اسلام

ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا، لیکن قیاس یہ ہے کہ آغاز دعوت اسلام میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے، اس لیے کہ اسی زمانہ میں ان کے گھرانے میں اسلام کا اثر ہوا تھا، ان کے چچا اکثم بن صیفی عرب کے مشہور حکیم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دیتے تھے، بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر ۱۹۰/ سال کی تھی، جب انہیں بعثت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب مرحمت فرمایا، اکثم اس جواب سے بہت مسرور ہوئے اور اپنے قبیلہ کو جمع کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دی، لیکن مالک بن نویرہ نے درمیان میں پڑ کر سب کو منتشر کردیا، مگر اکثم نے اپنے لڑکے اور جن جن لوگوں نے ان کا کہنا مانا سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، لیکن سوئے اتفاق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نہ پہنچ سکا، قیاس یہ ہے کہ اسی زمانہ میں حنظلہ بھی ایمان لائے ہوئے ہوں گے، اسلام کے بعد مراسلات نبوی کی کتابت کا عہدہ سپرد ہوا۔

حضرت حویطبؓ بن عبدالعزیٰ کا قبول اسلام

ظہور اسلام کے وقت حویطبؓ کی عمر ۶۰/ برس تھی، دعوت اسلام کے آغاز ہی سے حویطبؓ اسلام کی طرف مائل تھے، کئی مرتبہ قبول اسلام کا قصد کیا، مگر ہر مرتبہ مشہور دشمن اسلام ابوالحکم بن امیہ نے غیرت دلا کر روکا کہ نیا مذہب قبول کر کے اپنے قومی وقار اور آبائی مذہب سے دستبردار ہو جاؤ گے۔

بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، صلح حدیبیہ کی کارروائی میں شروع سے آخر تک شریک رہے، معاہدۂ حدیبیہ میں شاہد تھے، یہ سب کچھ تھا، لیکن حویطبؓ کو اس کا پورا یقین تھا کہ قریش کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوں گے، صلح حدیبیہ میں اس کا اظہار بھی کیا کہ قریش کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے برا ہی دیکھنا نصیب ہوگا، عمرۃ القضاء کے موقع پر جب قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ۳/ دن کے لیے مکہ خالی کر دیا، اس وقت حویطبؓ اور سہیل بن عمروؓ مکہ ہی میں رہ گئے تھے، تاکہ تین دن کے بعد مسلمانوں سے مکہ خالی کرالیں، چنانچہ تین دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ”از روئے معاہدہ تمہارے معاہدہ کی مدت ختم ہو چلی اس لیے اب تم کو مکہ خالی کر دینا چاہیے“، ان کے کہنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ”غروب آفتاب تک کوئی مسلمان مکہ میں باقی نہ رہے“۔

فتح مکہ کے بعد جب مشرکین کی قوتیں ٹوٹ گئیں، تو حویطبؓ بہت گھبرائے اور اپنے اہل و عیال کو محفوظ مقامات میں پہنچا دیا، انہیں پہنچا کر واپس ہو رہے تھے کہ عوف کے باغ کے پاس ان کے پرانے رفیق اور یار غار مسیح الاسلام حضرت ابوذر غفاری

آتے ہوئے دکھائی دیئے، حویطب انہیں دیکھ کر خوف سے بھاگے، حضرت ابوذرؓ نے آواز دی، حویطبؓ نے کہا: ”تمہارے نبی آگئے“، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: ”تو کیا ہوا“؟ حویطبؓ نے کہا: ”خوف و ہراس“، حضرت ابوذرؓ نے کہا: ”خوف دل سے نکال دو، تم خدا کی امان میں مامون ہو“، ان تشفی آمیز کلمات سے حویطبؓ کو اطمینان ہوا اور ابوذرؓ کے پاس جا کر اطمینان کے ساتھ سلام کیا، ابوذرؓ نے کہا: ”اپنے گھر چلو“، حویطبؓ نے کہا: ”گھر تک پہنچ بھی سکتا ہوں؟ مجھ کو ڈر ہے کہ گھر پہنچنے سے پہلے ہی کوئی مسلمان میرا کام تمام کردے گا یا گھر میں گھس کر مار ڈالے گا، اس وقت میرے اہل وعیال مختلف مقاموں پر ہیں“، ابوذرؓ نے کہا: ”انہیں اکٹھا کرلو، میں تم کو گھر تک پہنچا دوں گا“، چنانچہ حویطبؓ حضرت ابوذرؓ کے ساتھ ہو گئے، حضرت ابوذرؓ اعلان کرتے جاتے تھے کہ ”حویطبؓ مامون ہیں، انہیں کوئی شخص ستانے کا ارادہ نہ کرے“، اس طرح اعلان کرتے ہوئے حویطبؓ کو بحفاظت تمام ان کے گھر پہنچا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور پورا واقعہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم کو یہ نہیں معلوم کہ ان چند اشتہاری مجرموں کو چھوڑ کر جن کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، باقی سب مامون ہیں“، اس ارشاد کے بعد حویطبؓ کو پورا اطمینان ہو گیا، اور اپنے اہل وعیال کو اکٹھا کر کے گھر پہنچا دیا۔

حویطبؓ کے اطمینان کے بعد حضرت ابوذرؓ نے ان سے کہا: ”ابومحمد! یہ لیت ولعل کب تک، تم تمام معاملات میں پیش پیش رہے، بھلائی کے بہت سے مواقع کھو چکے، اب بھی وقت نہیں گیا ہے، بہت کچھ باقی ہے، چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے نیک، بڑے صلہ رحمی کرنے والے، اور بڑے حلیم ہیں، ان کا شرف واعزاز عین تمہارا شرف واعزاز ہے“، ابوذرؓ کے اس وعظ سے متاثر ہو کر حویطبؓ ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطحاء آئے، حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ بھی موجود تھے، حویطبؓ نے ابوذرؓ سے اسلامی سلام کا طریقہ پوچھا، انہوں

نے بتایا کہ ''السلام علیک أیہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' حویطب نے اسی طرح سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت فرمایا، سلام و جواب کے بعد حویطب نے کہا: ''أشهد أن لا الہ الا اللہ وأنك رسول اللہ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت دی''، آپ ان کے اسلام سے بہت مسرور ہوئے، حویطب مکہ کے رؤساء میں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قرض مانگا، انہوں نے ۴۰/ ہزار درہم قرض دیا، قبول اسلام کے بعد حنین اور طائف کے غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مال غنیمت میں سے ۱۰۰/ اونٹ ان کو مرحمت فرمائے۔

حضرت خریمؓ بن فاتک کا قبول اسلام

خریم آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد ہی مشرف بہ اسلام ہوئے، ان کے اسلام کا دلچسپ واقعہ خود ان کی زبان سے سنو، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے اونٹوں کو لے کر نکلا ان پر عراقہ کی وحشت طاری ہوگئی، میں نے ان کے چھندان ڈال دیا، اور ایک کے بازو سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، یہ آنحضرت ﷺ کے آغاز ظہور (مدینہ میں) کا واقعہ ہے، پھر میں نے کہا اس وادی کے آسیب سے پناہ مانگتا ہوں، زمانہ جاہلیت میں ایسے مواقع پر ایسا ہی کہا کرتے تھے، اتنے میں ایک آواز نے مجھے آنحضرت ﷺ کے ظہور اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی اطلاع دی، میں نے یہ آواز سن کر پوچھا خدا تم پر رحمت نازل فرمائے تم کون ہو؟ جواب ملا: مالک بن مالک، مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے نجد بھیجا تھا، میں نے کہا: اگر میرے اونٹوں کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری لے لیتا تو میں اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے پاس جا کر اس پر ایمان لاتا، مالک نے کہا: میں ذمہ دار ہوں، ان کو بحفاظت تمہارے گھر پہنچا دوں گا، چنانچہ میں نے ان میں سے ایک اونٹ کھولا اور مدینہ آیا، اور ایسے وقت مدینہ پہنچا جب لوگ نماز جمعہ میں مشغول تھے، میں نے خیال کیا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب میں مسجد میں جاؤں، یہ خیال کر کے اپنا اونٹ باندھنے جا رہا تھا کہ ابوذر آئے اور کہا کہ تم کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں، میں مسجد میں داخل ہوا، مجھ کو دیکھتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کو معلوم ہے اس شیخ نے جس نے تمہارے انٹوں کو تمہارے گھر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی، کیا کیا، اس نے بحفاظت اونٹوں کو پہنچا دیا، میں نے کہا: خدا اس پر رحمت نازل فرمائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ان پر خدا رحمت نازل فرمائے، اس کے بعد خریمؓ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

حضرت خفاف رضی اللہ عنہ بن ایماء کا قبول اسلام

خفاف کے والد ایماء بنی غفار کے سرداروں میں تھے، خفاف کے گھر میں بہت ابتدا میں اسلام کی روشنی پھیلی، چنانچہ ہجرت سے بہت پہلے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی دعوت پر خفاف اور ان کے والد ایماء مشرف بہ اسلام ہوئے اور وہ غفار کے مسلمانوں کی امامت کرتے تھے، مشہور دشمن اسلام ابوسفیان کو خفاف رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خبر ہوئی تو بولا: ''رات بنی کنانہ کا سردار بے دین ہو گیا''۔

خفاف رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ایماء رضی اللہ عنہ مقام عیقہ میں رہتے تھے اور قربت کی وجہ سے بکثرت مدینہ آیا جایا کرتے تھے اس لیے خفاف رضی اللہ عنہ کا شمار مدنی صحابہ میں ہے، (٦ھ) میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لیے نکلے، اور مقام ابواء میں قیام فرمایا تو ایماء رضی اللہ عنہ نے خفاف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ۱۰۰/ بکریاں اور دو بار شتر دودھ نذر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکریہ کے ساتھ قبول فرمایا اور برکت کی دعا دی۔

حضرت رفاعہؓ بن زید کا قبول اسلام

رفاعہ قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے، خیبر سے کچھ دنوں پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام پیش کیا۔

قبول اسلام کے بعد کچھ دنوں تک قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے رہے، حصول تعلیم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نامہ مبارک دیکر انہیں ان کے قبیلہ میں تبلیغ کے لیے بھیجا، نامہ مبارک کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمان الرحیم

یہ خط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے رفاعہ بن زید کو دیا جاتا ہے، میں ان کو ان کے قبیلہ میں اور جو اس میں داخل ہوں ان کی طرف بھیجتا ہوں تاکہ وہ انہیں خدا اور رسول کی طرف بلائیں، جو پیش قدمی کرے گا وہ حزب اللہ کا ایک فرد ہوگا، اور جو لوگ پیچھے ہٹیں گے ان کے لیے دو مہینہ کی مہلت ہے۔

رفاعہؓ یہ خط لے کر وطن پہنچے اور چند دنوں میں ان کی کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

ابھی ان کا قبیلہ مسلمان ہوا تھا کہ دوسری طرف سے زید بن حارثہؓ نے جو دوسری مہم پر بھیجے گئے تھے پہنچ کر اس پر غلطی سے حملہ کر دیا، کچھ لوگ قتل ہوئے اور کچھ گرفتار، رفاعہؓ اپنے قبیلہ کے وفد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد لے کر آئے اور وہ خط پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب مقتولین

کے بارے میں کیا کیا جائے''؟ اس وفد کے ایک رکن ابوزید نے کہا: ''قیدیوں کو رہائی کا حکم صادر فرمایا جائے، باقی جو لوگ قتل ہوئے ان کا خون معاف کرتے ہیں''، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوزید کی رائے بہتر ہے''، اور حضرت علیؓ کو زید بن حارثہؓ کے پاس بھیجا کہ وہ سب قیدیوں کو رہا کردیں، چنانچہ تمام قیدی رہا کردیئے گئے اور جس قدر مال لوٹا گیا تھا سب واپس کردیا گیا۔

حضرت زبرقان رضی اللہ عنہ بن بدر کا قبول اسلام

زبرقان تمیم کے شاہی خاندان کے رکن اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے، اسلام کے بعد بھی ان کا یہ اعزاز اور مرتبہ برقرار رہا۔

(۹ھ) میں وفد تمیم کے ساتھ مدینہ آئے، وفد کے تمام ارکان شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اسی لیے مدینہ میں بھی جاہلی ٹھاٹھ کے ساتھ آئے، بڑائی اور فخر کے لیے آتش بیان خطیب اور سحر بیان شعراء ساتھ تھے، آستان نبوی پر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ ہم تم سے مفاخرہ کے لیے آئے ہیں، ہمارے شاعروں کو اجازت دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مجلس مفاخرہ منعقد کی، اور بنی تمیم کے شعراء اور خطباء نے ان کی عالی نسبی، بادشاہی، اور اثر واقتدار کے ترانے گائے، زبرقان بن بدر نے بھی ایک پرزور قصیدہ جو تمام تر بڑائی، تکبر، اور خودستائی پر مشتمل تھا سنایا، طوطی اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسکا جواب دیا، ان کی فصاحت و بلاغت اور شاعرانہ عظمت کو دیکھ کر ارکان وفد دنگ رہ گئے، اور اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کی تحریک سے سب نے اسلام قبول کیا، اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کے حالات میں اس مجلس مفاخرہ کے تفصیلی حالات لکھے جا چکے ہیں، قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبرقان کو بنی سعد کا امیر مقرر فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ اس عہدہ پر تھے۔

حضرت زیدؓ بن مہلہل کا قبول اسلام

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر زید کے کانوں میں پہنچی اور وہ ان کی دعوت سے کسی قدر آگاہ ہوئے تو انہوں نے اپنی سواری کو سفر کے لیے تیار کیا۔

زید (۹ھ) میں طے کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے، جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے مسجد نبوی کا رخ کیا اور اس کے دروازہ پر پہنچ کر اپنی اپنی سواریوں سے اتر پڑے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی اپنا خطبہ ختم کیا، زید مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہو گئے، اور اونچی اور بلند آواز میں کہا: "یا محمد! أشهد أن لا اله الا الله و أنك رسول الله" انھوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نو دن کی دشوار گذار مسافت سے آیا ہوں، اس سفر میں میری سواری تھک گئی، میری راتیں آنکھوں میں کٹیں، میرے دن تشنہ لبی میں بسر ہوئے، اور یہ ساری مشقت صرف دو باتیں پوچھنے کے لیے اٹھائی ہیں"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "تمہارا کیا نام ہے"؟ عرض کی: "زید الخیل"، فرمایا: "نہیں، تم زید الخیر ہو"، پوچھا: "کیا پوچھنا چاہتے ہو"؟ عرض کی "جو شخص خدا کو چاہتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے، دونوں میں کیا علامت ہوتی ہے"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم کیسے زندگی بسر کرتے تھے"، عرض کی "خیر اور اہل خیر اور عامل خیر کو دوست رکھتا تھا، اگر میں اس پر عمل کرتا تھا تو اس کا ثواب ملتا تھا، اور جب یہ عمل چھوٹ جاتا تھا تو رنجیدہ ہوتا تھا"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو خدا کو چاہتا ہے، اور جو نہیں چاہتا اس کی یہی علامت ہے، اگر خدا اس کے خلاف تمہارے لیے کچھ چاہتا تم کو اس کے لیے تیار

کرتا، اور پھر اس کو اس کی پرواہ نہ ہوتی کہ تم کس وادی میں ہلاک ہو گئے"۔

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اپنے وطن نجد لوٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا: "یہ شخص کتنا عظیم ہے، اگر یہ مدینہ کی وبا سے محفوظ رہ گیا تو آئندہ زبردست کارنامے انجام دے گا"، (اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں وبائی بخار پھیلا ہوا تھا) مدینہ منورہ سے روانگی کے قبل ہی حضرت زید الخیرؓ اس وبائی بخار سے متاثر ہو چکے تھے، حضرت زید شدید بخار کے باوجود مسلسل سفر کرتے رہے، ان کا بخار ہر آن بڑھتا جا رہا تھا، ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ اپنے قبیلہ میں پہنچ جائیں اور قبیلہ والے ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوں، راستہ بھر ان کے اور موت کے درمیان کشمکش جاری، آخر کار موت نے اس جواں حوصلہ اور پر عزم انسان کو مغلوب کر لیا، انہوں نے راستہ ہی میں اپنی زندگی کی آخری سانس لی اور خدمت اسلام کی تمام حسین آرزؤں کو سینے سے لگائے ہوئے اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

اس طرح دنیا سے بالکل پاک وصاف اٹھے، اور اسلام کے بعد دنیا میں آلودہ ہونے کا موقع ہی نہ ملا ایمان لانے کے بعد کسی ادنیٰ ترین گناہ کے بھی مرتکب نہ ہوئے۔

حضرت سراقہؓ بن مالک کا قبول اسلام

ہجرت میں مکہ سے نکلنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب سراقہ نے کیا تھا، شب ہجرت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو غافل پا کر مدینہ سے نکل گئے اور مشرکین کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی، تو انہوں نے اعلان کیا کہ "جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کو قتل کر دے گا یا ان کو زندہ پکڑ لائے گا، اس کو گراں قدر انعام دیا جائے گا"، سراقہ اپنے قبیلہ بنی مدلج میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آکر ان سے کہا کہ "میں نے ابھی ساحل کی طرف کچھ سیاہی دیکھی ہے، میرا خیال ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی تھے"، سراقہ کو یقین ہو گیا، لیکن انعام کی لالچ میں انہوں نے تردید کی کہ "نہیں وہ لوگ نہیں ہیں، تم نے فلاں فلاں شخص کو دیکھا ہوگا، جو ابھی ہمارے سامنے گئے تھے"، تھوڑی دیر کے بعد سراقہ اٹھ کر گھر گئے، اور لونڈی سے کہا کہ "وہ گھوڑا تیار کر کے انہیں آگے ایک مقام پر دے"، اور نیزہ سنبھال کر چپکے سے گھر کی پشت سے نکلے، لونڈی سے گھوڑا لیا، اور لوگوں کی نظر بچا کر نکل گئے، اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، جیسے ہی قریب پہنچے گھوڑے نے ٹھوکر لی اور یہ نیچے گر گئے، اسے انہوں نے بدشگونی پر محمول کیا، استخارہ کے تیر ساتھ تھے، فوراً انھوں نے ترکش سے نکال کر استخارہ دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں یا نہیں؟ استخارہ خلاف نکلا، لیکن انعام کی لالچ میں انہوں نے استخارہ کی پرواہ نہ کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر پھر آگے بڑھے، اب اتنے قریب پہنچ گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی آواز انہیں سنائی دینے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن تلاوت میں مصروف

تھے، لیکن حضرت ابو بکرؓ بار بار مڑ مڑ کے دیکھتے جاتے تھے، اتنے میں سراقہ کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، اور وہ گر پڑے، پھر گھوڑے کو ڈانٹ کر اٹھایا، جب اس نے اپنے پاؤں زمین سے نکالے تو بڑا غبار بلند ہوا، اس دوسری بد شگونی پر انہوں نے پھر تیروں سے استخارہ کیا، اس مرتبہ بھی مخالف جواب ملا، اب انہیں اپنی ناکامی کا پورا یقین ہو گیا، اور ان کے دل میں بیٹھ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور کامیابی ہوگی، چنانچہ انہوں نے آواز دے کر روکا، آپ رک گئے، اور سراقہ نے پاس جا کر کہا کہ "آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری پر انعام مقرر کیا ہے"، اور ان کے ارادوں سے آپ کو خبر دار کیا، اور جو کچھ زاد راہ ساتھ تھا، اسے آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا، البتہ یہ خواہش کی کہ وہ کسی کو آپ کی اطلاع نہ دیں، اس کے بعد سراقہ نے درخواست کی کہ "انہیں ایک امان نامہ مرحمت فرمایا جائے"، آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا، انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر امان نامہ لکھ کر دیا، اور جب وہ واپس جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "سراقہ! اس وقت تم کیسا محسوس کرو گے جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے"؟ انھوں نے حیرت سے پوچھا: "کسریٰ ابن ہرمز کے کنگن"؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "ہاں! ہاں! کسریٰ ابن ہرمز کے"، اس کے بعد سراقہ لوٹ گئے۔

اس واقعہ کے آٹھ سال بعد جب مکہ فتح ہو چکا اور مشرکین کی قوتیں ٹوٹ چلیں، اور حنین وطائف کی لڑائیاں ختم ہوئیں، اس وقت سراقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کہ آپ حنین اور طائف کے معرکوں سے واپس آرہے تھے، راستہ میں مقام جعرانہ میں ملے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کیا ہوا امان نامہ پیش کر کے اپنا تعارف کرایا کہ یہ تحریر آپ نے مجھے دی تھی اور میں سراقہ ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"أدن مني يا سراقة هذا يوم بر ووفاء" (سراقہ میرے قریب آؤ، آج ایفائے عہد اور نیکی کا دن ہے)

سراقہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت سراقہؓ کی اس ملاقات کو ابھی چند ہی مہینے گذرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا، حضرت سراقہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بے حد غمگین ہوئے اور ان کی آنکھوں کے سامنے اس روز کا منظر گردش کرنے لگا جب انھوں نے سو اونٹوں کے لالچ میں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، اور آج یہ حال ہے کہ دنیا کے سارے اونٹوں کی حیثیت ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن کے ایک تراشے کے برابر بھی نہیں تھی، وہ بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو دہرا رہے تھے،

"کیف بک یاسراقۃ اذا لبست سواری کسریٰ" (سراقہ! اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے)

اور ان کو اس بات میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں تھا کہ وہ ایک دن انہیں ضرور پہنیں گے۔

بالآخر حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایران فتح ہوا اس موقع پر حضرت عمرؓ نے سراقہ کو طلب فرمایا، ان کو کسریٰ کی قمیص اور اس کا پاجامہ، اس کی قباء اور اس کے موزے پہنائے، اس کی تلوار اور پٹکا ان کی کمر میں باندھا اور اس کا تاج ان کے سر پر رکھا، پھر دونوں کنگن ان کے ہاتھوں میں پہنائے، اس وقت مسلمانوں نے بلند آواز سے نعرہ لگایا، پھر حضرت عمرؓ نے ان کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا: "واہ واہ! خدا کی شان، بنی مدلج کا ایک معمولی بدو اور اس کے سر پر کسریٰ کا تاج اور ہاتھوں میں اس کے کنگن"، اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔

حضرت سعدؓ الاسود کا قبول اسلام

سعد بہت سیاہ اور کم رو تھے اس لیے اسود سیاہ کہلاتے تھے، ان کے اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میری سیاہ روئی اور بد صورتی مجھ کو جنت کے داخلہ سے روکے گی''؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نہیں روکے گی، بشرطیکہ خدا سے ڈرو، اور اس چیز پر جسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں ایمان لاؤ''، یہ خوشخبری سن کر انہوں نے کہا: ''أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله'' کلمہ شہادت پڑھ کر پوچھا: ''میرے کیا حقوق ہیں''؟ فرمایا: ''وہی حقوق ہیں جو اور مسلمانوں کے ہیں اور تم پر وہی فرائض ہیں جو دوسرے مسلمانوں پر ہیں، اور تم ان کے بھائی ہو''۔

سعدؓ ظاہری شکل وصورت سے محروم تھے، اس لیے کوئی ان کے ساتھ عقد نکاح پر تیار نہ ہوتا تھا، قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جو نہیں ہیں، میں نے سب کو شادی کا پیام دیا لیکن میری سیاہی اور بد روئی کی وجہ سے کوئی اس رشتہ پر آمادہ نہیں ہوتا''، گو سعد ظاہری آب ورنگ سے محروم تھے، لیکن دل نور ایمان سے منور ہو چکا تھا، اس کے بعد ظاہری حسن وجمال کی ضرورت نہ تھی، اس لیے ان کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''عمر یا عمرو بن وہب (عمرو بن وہب قبیلہ ثقیف کے ایک سخت مزاج نو مسلم تھے) کے پاس جا کر ان کا دروازہ کھٹکھٹاؤ، اور سلام کے بعد ان سے کہو کہ اللہ کے نبی نے تمہاری لڑکی میرے ساتھ بیاہ دی''، عمرو بن وہب کے نوخیز حسین وجمیل اور ذکی وذہین لڑکی تھی، سعد نے ان کے گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، گھر والوں نے دروازہ کھولا تو سعد نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا، ان

لوگوں نے سعد کی صورت دیکھ کر انہیں سختی سے واپس کر دیا، اتنے میں لڑکی آواز سن کر خود نکل آئی، اور سعد کو آواز دی کہ "بندۂ خدا لوٹ آؤ، اگر رسول اللہ ﷺ نے تمہارے ساتھ میری شادی کر دی ہے، تو میں اسے منظور کرتی ہوں، اور اس چیز پر رضامند ہوں جس پر خدا اور اس کا رسول ﷺ راضی ہے"، پھر اپنے باپ سے کہا کہ "قبل اس کے کہ وحی الٰہی آپ کو رسوا کرے، آپ اپنی نجات کی کوشش کیجئے"، یہ فوراً دوڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے، آپ ﷺ نے پوچھا: "تم ہی نے میرے قاصد کو لوٹایا تھا"؟ عرض کی: "ہاں! لیکن یہ غلطی لاعلمی میں ہوئی ہم کو اس شخص کی بات کا اعتبار نہ تھا، اب آپ ﷺ سے مغفرت چاہتے ہیں، ہم نے لڑکی بیاہ دی"۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سعد سے فرمایا: "اب اپنی بیوی کے پاس جاؤ، وہ یہاں سے اٹھ کر بیوی کے واسطے تحائف خریدنے کے لیے بازار گئے، یہاں انہوں نے ایک منادی کی آواز سنی

"یاخیل اللہ! ارکبی وبالجنة أبشری" (خدا کے شہ سوار و جہاد کے لیے سوار ہو جاؤ اور جنت کی بشارت لو)

اس آواز کا سننا تھا کہ سارے ولولے اور جذبات سرد پڑ گئے اور جہاد فی سبیل اللہ کا خون رگوں میں دوڑنے لگا، نئی نویلی دلہن کے لیے تحفہ و تحائف کا خیال چھوڑ دیا، اور جہاد کے لیے تلوار، نیزہ اور گھوڑا خریدا اور عمامہ باندھ کر مہاجرین کی جماعت میں پہنچے، کسی نے ان کو نہ پہچانا، رسول اللہ ﷺ نے بھی دیکھا مگر نہ پہچان سکے، میدان جنگ میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ لڑے گھوڑا اڑا تو پیدل آستین چڑھا کر لڑنے لگے، اس وقت آنحضرت ﷺ نے ہاتھوں کی سیاہی سے پہچان کر آواز دی "سعد!" مگر یہ وارفتگی کے عالم میں تھے کوئی خبر نہ ہوئی، اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، اور نئی دلہن کے آغوش کے بجائے تلوار سے گلے مل کر ابدی زندگی حاصل کی، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو ان کی لاش کے پاس تشریف لا کر ان کا سر گود میں رکھ لیا اور ان کے اسلحہ اور گھوڑا ان کی بیوہ نو عروس کے پاس بھجوا دیا اور ان کے سسرال والوں کے پاس کہلا بھیجا کہ "خدا نے تمہاری لڑکیوں سے بہتر لڑکی کے ساتھ ان کی شادی کر دی"۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

سفینہ کے نام میں بڑا اختلاف ہے، بعض مہران، بعض رومان اور بعض عبس بتاتے ہیں، سفینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ لقب ہے، نسب کے لیے یہ شرف کافی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔

سفینہ کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا، لیکن قیاس یہ ہے کہ بہت ابتدا میں اس شرف سے مشرف ہوئے ہوں گے، اس لیے کہ باختلاف روایت حضرت ام سلمہؓ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا شرط یا حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کی شرط پر آزاد کردیا۔

چنانچہ آزادی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں رہتے تھے، اس لیے سفر میں بھی مشایعت کا شرف حاصل ہوتا تھا، ایک مرتبہ کسی سفر میں ہمرکاب تھے راستے میں جو جو ہمراہی تھکتے جاتے تھے وہ اپنے اسلحہ، ڈھال، تلوار اور نیزہ وغیرہ ان پر لادتے جاتے تھے، اس لیے ان پر بڑا بوجھ لد گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا: ''تم سفینہ ''کشتی'' ہو''، اس وقت سے سفینہ ان کا لقب ہوگیا، یہ بھی اس لقب کو اس قدر محبوب رکھتے تھے کہ اس کے مقابلہ میں اپنا نام چھوڑ دیا تھا، اسی لیے ان کا صحیح نام متعین نہیں، اگر کوئی نام پوچھتا تو کہتے ''نہ بتاؤں گا''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفینہ نام رکھا ہے اور یہی میرے لیے کافی ہے۔

حضرت سوادؓ بن قارب کا قبول اسلام

سواد زمانہ جاہلیت میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور کہانت کا پیشہ کرتے تھے، شاعر بھی تھے، یمن کے مشہور قبیلہ دوس سے نسبی تعلق تھا، ہجرت مدینہ کے زمانہ میں خواب میں ظہور نبوی کی بشارت ملی، رویائے صادقہ دل میں اثر کر گیا، فوراً وطن سے مکہ روانہ ہوگئے، راستہ میں خبر ملی کہ جس گوہر مقصود کی تلاش میں نکلے ہیں وہ مدینہ جا چکا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما چکے، یہ خبر سن کر راستہ ہی سے مدینہ لوٹ پڑے، وہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھا، معلوم ہوا کہ مسجد میں تشریف فرما ہیں، اونٹ بٹھا کر مسجد پہنچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کچھ میری داستان بھی سنی جائے"، حضرت ابو بکرؓ نے کہا: "قریب آکر بیان کرو"، چنانچہ پاس جا کر انھوں نے پوری سرگذشت سنائی، اور اسی وقت خلعت اسلام سے سرفراز ہوگئے، ان کے اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو اتنی مسرت ہوئی کہ ان کے چہروں پر خوشی کا رنگ دوڑ گیا، اس غیر معمولی مسرت کا سبب یہ تھا کہ عربوں میں کاہنوں کی بڑی وقعت تھی، اور انہیں ایک طرح کی مذہبی سیادت حاصل تھی، اس لیے عوام پر ان کے اسلام کا اثر بہت اچھا پڑتا تھا۔ حضرت عمرؓ ان کا خواب بڑے ذوق و شوق سے سنا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خواہش پر انہوں نے خواب کا پورا واقعہ نظم میں سنایا۔

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو کا قبول اسلام

سہیل روسائے قریش میں سے تھے، اس لیے دوسرے رؤساء کی طرح اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے، لیکن قدرت کی کرشمہ سازی دیکھو کہ اسی دشمن اسلام کے گھر میں عبداللہ بن سہیل اور ابو جندل بن سہیل جیسے اسلام کے فدائی پیدا ہوئے، یہ دونوں دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے، اور اسلام کے جرم میں باپ کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلتے رہے، عبداللہ موقع پا کر حبشہ ہجرت کر گئے، لیکن وہاں سے واپسی کے بعد پھر ظالم باپ کے پنجہ میں اسیر ہو گئے، اور جنگ بدر کے موقع پر رہائی پائی، دوسرے بھائی ابو جندل حدیبیہ کے زمانہ تک مشق ستم رہے۔

سہیل اسلام کے ان دشمنوں میں تھے جو دوسروں کا اسلام گوارہ نہ کر سکتے تھے، تو گھر میں یہ بدعت کس طرح دیکھ سکتے تھے، چنانچہ اشاعت اسلام نے انہیں اور زیادہ اسلام کا دشمن بنا دیا، اور وہ اس کی بیخ کنی میں ہر امکانی کوشش کرنے لگے، عام مجمعوں میں اسلام کے خلاف تقریریں کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اگلتے، شیدایان اسلام یہ معاندانہ رویہ برداشت نہ کر سکے، حضرت عمر کا غصہ قابو سے باہر ہو گیا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ ''ارشاد ہو تو سہیل کے دو اگلے دانت توڑ ڈالوں، تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریر نہ کر سکے''، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''جانے دو ممکن ہے کبھی وہ خوش بھی کر دیں''۔

اسلام کی ہر مخالفت میں سہیل پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر میں بھی آگے آگے تھے، لیکن جب شکست ہوئی تو مالک بن دخشم نے گرفتار کر لیا لیکن یہ فدیہ دے کر

آزاد ہو گئے۔

صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے معاہدہ لکھانے کی خدمت ان ہی کے سپرد ہوئی تھی چنانچہ معاہدہ کی کتابت کے وقت ''بسم اللہ'' پر اور ''محمد رسول اللہ'' پر انھوں نے اعتراض کیا تھا، اور جب (۸ ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کی تو کسی خونریزی کی نوبت نہیں آئی، لیکن چند متعصب قریشیوں نے خالد بن ولیدؓ کی مزاحمت کی، ان مزاحمت کرنے والوں میں سہیل بھی تھے، اس مزاحمت میں کچھ آدمی مارے گئے اور مکہ فتح ہو گیا۔

فتح مکہ کے بعد سرداران قریش کی قوتیں پارہ پارہ ہو گئیں، اور ان کے لیے دامن رحمت کے علاوہ کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی، اس وقت وہی سہیل جنھوں نے دو سال پہلے من مانی اور فاتحانہ شرائط پر صلح کی تھی، بے بس اور لاچار ہو کر گھر کے اندر کنواڑے بند کر کے چھپ رہے، اور اپنے لڑکے ابو جندل کے پاس جن پر اسلام کے جرم میں طرح طرح کی سختیاں کی تھیں، پیام کہلا بھیجا کہ ''مارے جانے سے پہلے میری جان بخشی کراؤ''، ابو جندل لاکھ مشق ستم رہ چکے تھے پھر بھی بیٹے تھے اور اسلام نے اس مقدس رشتہ کی اہمیت اور زیادہ کر دی تھی، اس لیے بلا تامل اس حکم کی تعمیل کے لیے سر خم کر دیا اور خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! والد کو امان مرحمت فرمایئے''، ان کی سفارش پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کی تمام خطاؤں سے درگذر فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ ''وہ خدا کی امان میں مامون ہیں، بلا خوف و خطر گھر سے نکلیں''، اور گرد و پیش کے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ ''جو شخص سہیل سے ملے خبردار وہ ان کی طرف نہ لپکے، میری عمر کی قسم! سہیل صاحب عقل و شرف ہیں، ان کے جیسا شخص اسلام سے ناواقف نہیں رہ سکتا''، بیٹے نے جا کر باپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا، یہ شان کرم دیکھ کر سہیل کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکل گئے کہ ''واللہ وہ بچپن میں بھی نیک تھے اور بڑی عمر میں بھی نیک ہیں''۔

بالآخر آنحضرت ﷺ کے اس عفو و کرم نے یہ معجزہ دکھایا کہ سہیل حنین کی واپسی کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے اور مقام جعرانہ پہنچ کر خلعت اسلام سے سرفراز ہوئے، آنحضرت ﷺ نے از راہ مرحمت حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ عطا فرمائے، گو فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں کا شمار مؤلفۃ القلوب میں ہے، لیکن سہیل اس زمرہ میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ اسلام کے بعد ان سے کوئی بات اسلام کے خلاف ظہور پذیر نہیں ہوئی۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بہت سے مؤلفۃ القلوب ڈگمگا گئے، لیکن سہیل کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تذبذب نہ پیدا ہوا، اور انہوں نے قبائل مکہ کو اسلام پر قائم رکھنے کی بڑی کوشش کی، چنانچہ جب انہوں نے قبائل مکہ میں اسلام سے برگشتگی کے آثار دیکھے تو تمام قبیلہ والوں کو جمع کر کے تقریر کی کہ:

"برادران اسلام! اگر تم لوگ محمد ﷺ کی پرستش کرتے تھے تو وہ دوسرے عالم کو سدھار گئے، اور اگر محمد ﷺ کے خدا کی پرستش کرتے تھے تو وہ حی و قیوم اور موت کی گرفت سے بالا ہے، برادران قریش! تم سب سے اخیر میں اسلام لائے ہو، اس لیے سب سے پہلے اس کو چھوڑنے والے نہ بنو، محمد ﷺ کی موت سے اسلام کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا، بلکہ وہ اور زیادہ قوی ہو گا، مجھ کو یقین کامل ہے کہ اسلام آفتاب و ماہتاب کی طرح ساری دنیا میں پھیلے گا، اور سارے عالم کو منور کر دے گا، یاد رکھو جس شخص نے دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھنے کا ارادہ کیا اس کی گردن اڑا دوں گا"۔

سہیل کی اس مؤثر، دل پذیر اور پر جوش تقریر نے مذبذبین کے دلوں کو پھر اسلام پر راسخ کر دیا، اور مرکز اسلام مکہ فتنہ ارتداد کی وبا سے بچ گیا، اس طرح آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہو گئی کہ ممکن ہے سہیل سے کبھی پسندیدہ فعل کا ظہور ہو۔

حضرت شیبہؓ بن عثمان کا قبول اسلام

خانہ کعبہ کی کلید برداری انہیں کے گھر میں تھی ان کے والد عثمان جنگ احد میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

ان کے اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، دوسری یہ کہ غزوۂ حنین میں، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ خانہ کعبہ کی تطہیر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کنجی عثمان بن طلحہ اور شیبہ کو واپس کی اور فرمایا کہ ''یہ کنجی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قیامت تک تمہارے پاس رہے گی، جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا''۔

جب کہ اس کے پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت سے قبل ایک دن یہ کنجی طلب فرمائی تھی تو عثمان بن طلحہ نے سخت جواب دیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہانت آمیز گفتگو کی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلم اور بردباری سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا تھا: ''عثمان! تم کنجی کسی وقت میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اس وقت میں جسے چاہوں گا اسے یہ دوں گا''، اس کے جواب میں انھوں نے کہا تھا ''اگر ایسا ہوا تو وہ دن تو قریش کی بڑی ذلت وتباہی کا ہوگا''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں اس دن وہ آباد اور باعزت ہوں گے''، یہ الفاظ عثمان بن طلحہ کے دلنشیں ہوگئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔

غزوۂ حنین میں اسلام والی روایت کا واقعہ یہ ہے کہ شیبہ بھی اپنے اہل خاندان کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے، حنین کے دن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

بدنیتی سے نکلے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غافل پا کر قتل کرنا چاہا، آپ ہوشیار ہو گئے، اور انہیں قریب بلایا، اس واقعہ سے شیبہ بہت مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا: "اب تم سے شیطان دور ہو گیا"، اسلام کی صداقت کے لیے یہ واقعہ کافی تھا کہ ایک شخص جان لینے کے لیے بڑھتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نیت تاڑ جاتے ہیں اور نرم الفاظ میں مخاطب فرماتے ہیں چنانچہ شیبہ اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔

بہر حال حنین میں شیبہ اسلام کی حالت میں شریک ہوئے اور بڑے ثبات اور استقلال سے لڑے، جب مسلمانوں کی عارضی شکست میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے، تو اس وقت بھی شیبہ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

حضرت صعصعہؓ بن ناجیہ کا قبول اسلام

صعصعہ کی فطرت ابتدا سے سلیم تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جبکہ سارے عرب میں دختر کشی عام تھی اور لوگ لڑکیوں کو ننگ قرابت بچنے کے لیے زندہ دفن کردیا کرتے تھے، صعصعہ کی آغوش محبت لڑکیوں کی پرورش کے لیے کھلی تھی اور وہ دوسروں کی لڑکیوں کو خرید خرید کر پالتے تھے۔

صعصعہ وفد تمیم کے ساتھ مدینہ آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا، صعصعہ سلیم الفطرت تھے اس لیے بلا تامل قبول کرلیا، قبول اسلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ آیات قرآنی حاصل کیں، پھر پوچھا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جاہلیت میں جو اچھے کام کئے ہیں وہ قبول ہوں گے، اور مجھ کو ان کا اجر ملے گا''؟ فرمایا: ''کون سے اعمال کئے ہیں''؟ عرض کیا: ''ایک مرتبہ میری دس ماہ کی دو حاملہ اونٹنیاں گم ہوگئیں، میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر ان کی تلاش میں نکلا، راستہ میں دو مکان دکھائی دیئے، میں ان میں گیا، ایک مکان میں ایک پیر مرد نظر آیا، اس سے مجھ سے باتیں ہونے لگیں، اتنے میں گھر سے آواز آئی کہ اس کے گھر میں ولادت ہوئی، اس نے پوچھا کون بچہ ہوا؟ معلوم ہوا لڑکی، اس نے کہا: اس کو دفن کردو، میں نے کہا: دفن نہ کرو، میں اس کو خریدتا ہوں، چنانچہ میں نے اس کو دو اونٹنیاں بچوں سمیت اور اپنی سواری کا اونٹ دے کر لڑکی لے لی، اس طریقہ سے ظہور اسلام تک میں نے تین سو ساٹھ دفن ہونے والی لڑکیوں کو فی لڑکی دس دس مہینے کی دو دو حاملہ اونٹنیاں اور ایک ایک اونٹ دیکر خریدا، اس کا مجھے کوئی اجر ملے گا''؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم کو خدا نے اسلام

کے شرف سے سرفراز کیا ہے اس لیے ان تمام نیکیوں کا اجر ملے گا"۔

صعصعہ کے اعمال حسنہ محض لڑکیوں کو بچانے تک محدود نہ تھے بلکہ وہ غرباء پرور بھی تھے، اور غریبوں اور محتاجوں کے لیے ان کا دست کرم ہمیشہ دراز رہتا، ضروریات سے جو کچھ بچتا تھا اس کو پڑوسیوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیتے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس ضروریات سے جو کچھ بچتا ہے اس کو میں پڑوسیوں اور مسافروں کے لیے رکھ چھوڑتا ہوں"، فرمایا: "پہلے ماں، باپ، بھائی، بہن اور قریبی رشتہ داروں کو دیا کرو"۔

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ کا قبول اسلام

زمانہ جاہلیت میں صفوان کا خاندان نہایت معزز تھا، اور تیروں سے پانسہ ڈالنے کا عہدہ ان ہی کے گھر میں تھا، کوئی پبلک کام اس وقت تک نہ ہوسکتا تھا، جب تک پانسہ سے اس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

قریش کے دوسرے معززین کی طرح صفوان کا باپ امیہ بھی اسلام کا سخت مخالف تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی کی غلامی میں تھے، جن کو وہ اسلام سے پھیرنے کے لیے بڑی عبرتناک سزائیں دیتا تھا، بدر میں اس کا سارا کنبہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے ارادہ سے نکلا تھا، حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے امیہ کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، لیکن میدان جنگ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑ گئی یہ چلائے کہ دشمن اسلام امیہ کو لینا، ان کی آواز پر مسلمان چاروں طرف سے امیہ پر ٹوٹ پڑے، حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بچانے کے لیے امیہ کے اوپر لیٹ گئے، لیکن بلال رضی اللہ عنہ کی فریاد کے سامنے ان کی کسی نے نہ سنی اور تیروں سے چھید چھید کر امیہ کا کام تمام کر دیا، اس کی مدافعت میں حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہوئے۔

بدر میں مشرکین کی شکست اور باپ کے قتل نے صفوان کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا، ایک دن یہ اور عمیر بن وہب بیٹھے ہوئے بدر کے واقعات کا تذکرہ کر رہے تھے، صفوان نے کہا: ''مقتولین بدر کے بعد زندگی کا مزہ جاتا رہا''، عمیر نے جواب دیا: ''سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض کا بار نہ ہوتا اور بال بچوں کے مستقبل کی فکر نہ ہوتی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے یہ قصہ ہی ختم کر دیتا''، صفوان باپ کے خون کے انتقام کے لیے بیتاب

تھے، بولے "یہ کون سی بڑی بات ہے میں ابھی تمہارا قرض چکائے دیتا ہوں، رہا اہل و عیال کا معاملہ تو ان کے متعلق بھی یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے بعد اپنے بال بچوں کی طرح ان کی کفالت اور خبر گیری کروں گا"، چنانچہ عمیر کو آمادہ کر کے انہیں ایک زہر میں بجھی ہوئی تلوار دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ چکانے کے لیے مدینہ بھیجا، مگر مدینہ پہنچنے کے بعد جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو یہ راز فاش ہو گیا اور عمیر مسلمان ہو گئے (اس کی تفصیل حضرت عمیر بن وہبؓ کے اسلام لانے میں گذر چکی ہے)

اس سازش کی ناکامی کے بعد صفوان نے جن جن کے اعزہ بدر میں مارے گئے تھے، انہیں ساتھ لے کر ابو سفیان کو بدلہ لینے پر آمادہ کیا، اس کا نتیجہ احد کی صورت میں ظاہر ہوا، ابو سفیان مسلمانوں کی عارضی شکست کے بعد مکہ واپس ہو رہا تھا، مگر پھر یہ خیال کر کے کہ اس وقت مسلمان کمزور ہیں ان سے پورا بدلہ لینا چاہا، لیکن صفوان نے کہا کہ "اس مرتبہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں ممکن ہے کہ آئندہ خلاف نتیجہ نکلے، اس لیے مناسب نہیں ہے"، ان کے سمجھانے پر ابو سفیان لوٹ آیا۔

(۳ھ) میں بعض نو مسلم قبائل کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم کے لیے قاری صحابہ کی ایک جماعت بھیجی تھی، راستہ میں بنولحیان نے ان پر حملہ کر دیا، اس حملہ میں چند صحابہ شہید ہوئے، اور چند زندہ گرفتار کئے گئے، گرفتار ہونے والوں میں ایک صحابی حضرت زید بن دسنہؓ تھے، انہیں بیچنے کے لیے مکہ لایا گیا، صفوان نے خرید کر اپنے باپ کے بدلہ میں ان کو قتل کیا۔

اس کے بعد صفوان کو اسلام سے پہلی سی پرخاش باقی نہ رہی، بلکہ اندرونی طور پر وہ متاثر ہونے لگے، چنانچہ (۷ھ) میں جب غزوۂ خیبر پیش آیا تو دوسرے آلات حرب تو مسلمانوں کو مہیا ہو گئے، لیکن زرہیں نہ تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے مانگ بھیجیں، انہوں نے کہا: "عاریۃ یا غصباً"؟ فرمایا: "عاریۃ" چنانچہ صفوان نے چند زرہیں عاریۃً دیں، یہ پہلا موقع تھا کہ ان کے جیسے دشمن اسلام کی جانب سے اس کی

امداد کا کوئی کام ہوا، ان زرہوں میں سے غزوۂ خیبر میں چند ضائع ہوگئیں، آنحضرت ﷺ نے تاوان دینا چاہا، لیکن صفوان نے قبول نہ کیا، اور کہا: ”یارسول اللہ ﷺ! آج اسلام کی جانب میرا میلان ہورہا ہے“، لیکن قومی عصبیت نے اس میلان کو دبا دیا اور فتح مکہ میں مسلمانوں سے مزاحم ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد جب رؤسائے قریش کا شیرازہ بکھر گیا، اور ان کے لیے کوئی جائے پناہ باقی نہ رہی، تو ان میں سے اکثر آنحضرت ﷺ کے لطف وکرم اور عفوودرگذر کو دیکھ کر مشرف باسلام ہوگئے، اور بعض نے اپنی گزشتہ کرتوتوں کے خوف اور بعضوں نے تعصب کی وجہ سے راہ فرار اختیار کی، صفوان نے بھی جدہ کا راستہ لیا، ان کے عزیز اور قدیم رفیق حضرت عمیر بن وہبؓ نے جو بدر کے بعد ہی مشرف باسلام ہوگئے تھے، آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: ”یارسول اللہ ﷺ! سردار قوم صفوان بن امیہ آپ ﷺ کے خوف سے بھاگ گئے ہیں“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ مامون ہیں“، عمیرؓ نے کہا: ”یارسول اللہ ﷺ! جان بخشی کی کوئی نشانی مرحمت ہو“، آپ ﷺ نے ردائے (چادر) مبارک دی کہ یہ اسے دکھا کر صفوان کو اسلام کی دعوت دیں اور انہیں آنحضرت ﷺ کے پاس بلا لائیں، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو فبہا، ورنہ انہیں غور کرنے کے لیے دو مہینہ کی مہلت دی جائے“، عمیرؓ ردائے مبارک لے کر صفوان کی تلاش میں نکلے اور انہیں ردا دکھا کر مدینہ واپس لے آئے، اور وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مجمع عام میں بلند آواز سے آپ ﷺ سے پوچھا: ”محمد ﷺ! عمیر بن وہبؓ نے مجھ سے تمہاری چادر دکھا کر کہا ہے کہ تم نے مجھ کو بلایا ہے اور مجھے اختیار دیا ہے کہ اگر میں پسند کروں تو اسلام قبول کرلوں ورنہ دو مہینہ کی مہلت ہے“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ابووہب سواری سے اترو“، انہوں نے کہا: ”جب تک صاف نہ بتاؤ گے نہ اتروں گا“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”دو مہینہ کے بجائے تم کو چار مہینہ کی مہلت ہے“۔ اس عفوودرگذر اور نرمی وملاطفت کے بعد بھی

صفوان اپنے مذہب پر قائم رہے، لیکن اسلام کے ساتھ کوئی پرخاش باقی نہ رہی، چنانچہ اس کے بعد ہی جنگ حنین اور طائف ہوئی، اس میں بھی انھوں نے اسلحہ سے مسلمانوں کی مدد کی اور خود بھی دونوں لڑائیوں میں شریک ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مال غنیمت میں سے سو اونٹ انہیں مرحمت فرمائے، یہ لطف و مرحمت دیکھ کر صفوان نے کہا: ''ایسی فیاضی نبی ہی کرسکتا ہے''، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے متاثر ہوکر غزوۂ طائف کے چند دنوں بعد مشرف باسلام ہوگئے۔

حضرت ضرارؓ بن ازور کا قبول اسلام

ضرار اپنے قبیلہ کے اصحاب ثروت میں تھے، عرب میں سب سے بڑی دولت اونٹ کے گلے تھے، ضرار کے پاس ہزار اونٹوں کا گلہ تھا، اسلام کے جذب و ولولہ میں تمام مال و دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ آستان نبوی پر پہنچے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری تجارت گھاٹے میں نہیں رہی''۔

عہد صدیقی میں فتنہ ارتداد کے فرو کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا، بنی تمیم کا مشہور مرتد سرغنہ مالک بن نویرہ ان ہی کے ہاتھوں مارا گیا، اس سلسلہ کی مشہور جنگ یمامہ میں بڑی شجاعت سے لڑے، واقدی کے بیان کے مطابق اس بے جگری سے لڑے کہ دونوں پاؤں پنڈلیوں سے کٹ گئے، مگر تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی، گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر لڑتے رہے اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے مسل کر شہید ہوئے۔

حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ کا قبول اسلام

ضمادؓ زمانہ جاہلیت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے، اور جھاڑ پھونک ان کا پیشہ تھا، جب مکہ میں اول اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید الٰہی کی صدا بلند کی تو اس کے جواب میں ہر طرف سے جنون اور دیوانگی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فتویٰ صادر ہوا، اتفاق سے انہیں دنوں ضمادؓ کسی کام سے مکہ آئے، انہوں نے بھی سنا کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنوں ہو گئے، جھاڑ پھونک پیشہ تھا، اس لیے گذشتہ تعلقات نے تقاضا کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دیکھنا چاہیے، ممکن ہے کہ میرے ہاتھوں سے شفا مقدر ہو، چنانچہ خدمت نبوی میں جا کر کہا: "محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آسیب کا علاج کرتا ہوں، خدا نے میرے ہاتھوں سے بہتوں کو شفا بخشی ہے، اس لیے میں تمہارا علاج کرنا چاہتا ہوں"، اس ہمدردی کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الحمد لله نحمده و نستعينه من يهده الله فلامضل له و من يضلله فلاهادى له، وأشهد أن لااله الا الله وحده لاشريك له وأشهد أن محمداًعبده ورسوله" (تمام تعریفیں خدا ہی کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے استعانت چاہتے ہیں جس کو خدا ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کچھ اور فرمانا چاہتے تھے کہ ضمادؓ نے دوبارہ پڑھنے کی فرمائش کی، آپ ﷺ نے تین مرتبہ پڑھ کر سنایا، ضمادؓ نہایت غور وتامل کے ساتھ سنتے جاتے تھے، اور ہر مرتبہ دل متاثر ہوتا جاتا تھا، جب سن چکے تو کہا: ''میں نے کاہنوں کا سجع سنا ہے، ساحروں کی سحر بیانی سنی ہے، شعراء کا کلام سنا ہے، لیکن یہ تو کچھ اور ہی چیز ہے، جو بات اس میں ہے وہ کسی میں نہیں پائی، اس کا عمق تو سمندر کی گہرائیوں کی تھاہ لاتا ہے، ہاتھ بڑھاؤ اور مجھے اسلام کی غلامی میں داخل کرو''، اس طریقہ سے عرب کا وہ مشہور طبیب جو جنون کا علاج کرنے آیا تھا، خود اسلام کا دیوانہ بن گیا۔

حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ کا قبول اسلام

ضمامؓ فطرۃً سلیم الطبع تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب سارا عرب طرح طرح کے فواحش میں مبتلا تھا، ضمامؓ کا دامن اخلاق ان سے محفوظ رہا۔

(۹ھ) میں جب اسلام کا چرچا سارے عرب میں پھیل گیا، اور دور دور کے قبائل مدینہ آنے لگے، تو ضمامؓ کے قبیلہ نے انہیں تحقیق حال کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، جس وقت یہ پہنچے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ضمامؓ مسجد کے دروازہ پر اونٹ باندھ کر اندر داخل ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، ضمامؓ سیدھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور پوچھا: ''تم میں عبد المطلب کا پوتا کون ہے''؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ہوں''، ضمامؓ نے کہا: ''محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم)''، فرمایا: ''ہاں'' اس کے بعد ضمامؓ نے کہا: ''اے ابن عبد المطلب! میں تم سے سختی کے ساتھ چند سوالات کروں گا، تم آزردہ نہ ہونا''، فرمایا: ''نہیں آزردہ نہ ہوں گا، جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو''، کہا: ''میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود، تمہارے اگلوں کا معبود اور تمہارے بعد آنے والوں کا معبود ہے، کیا خدا نے تم کو ہمارا رسول بنا کر بھیجا ہے''؟ فرمایا: ''خدا کی قسم! ہاں''، کہا: ''میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود، تمہارے اگلوں کا معبود اور تمہارے بعد آنے والوں کا معبود ہے، کیا خدا نے تم کو حکم دیا ہے کہ بلا کسی کو شریک کیے ہوئے صرف اسی کی پرستش کریں اور اس کے علاوہ ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء واجداد پرستش کرتے چلے آئے ہیں''، فرمایا: ''خدا کی قسم! ہاں''، پوچھا: ''میں تم سے اس خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا معبود، تمہارے اگلوں کا معبود اور تمہارے بعد آنے والوں کا معبود ہے، کیا خدا نے تم کو حکم یہ دیا ہے کہ ہم

پانچ وقت کی نمازیں پڑھیں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب میں ہاں میں دیا، ضمامؓ نے اسی طرح روزہ، حج اور زکوٰۃ اسلام کے تمام ارکان کے متعلق قسم دلا دلا کر سوالات کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاں میں جواب دیتے رہے، یہ سوالات کرنے کے بعد ضمامؓ نے کہا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اور میں عنقریب ان تمام فرائض کو پورا کروں گا، اور جن جن چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے انہیں چھوڑ دوں گا، اور اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہ کروں گا"، اس اقرار کے بعد یہ لوٹ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ "اگر اس گیسوؤں والے نے سچ کہا ہے تو جنت میں جائے گا"۔

ضمامؓ فطرۃً سلیم الطبع تھے، زمانہ جاہلیت میں بھی ان کا دامن آلودگیوں سے پاک رہا، اسلام نے اس میں اور جلا دے دی، چنانچہ مدینہ سے واپسی کے بعد انہیں اپنے گمراہ قبیلہ کے اسلام کی فکر ہوئی، اور وہ سیدھے بنی سعد پہنچے، اہل قبیلہ ان کی آمد کی خبر سن کر جوق در جوق حالات سننے کے لیے جمع ہوئے، یہ لوگ اس خیال میں تھے کہ ضمامؓ کوئی اچھا اثر لے کر نہ آئے ہوں گے، مگر اپنی امیدوں کے برخلاف ضمامؓ کی زبان سے پہلا جملہ یہ سنا: "لات وعزیٰ کا برا ہو"، محترم دیوتاؤں کی شان میں اس گستاخی پر ہر طرف سے "ضمام خاموش، ضمام خاموش، تم کو خوف نہیں معلوم ہوتا کہ اس گستاخی کی پاداش میں تم کو جنون، برص یا جذام ہو جائے" کی صدائیں اٹھیں، ضمامؓ نے ان تمام کا جواب یہ دیا: "تم لوگوں کی حالت پر افسوس ہے، لات وعزیٰ کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے، خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اور ان پر ایسی کتاب اتاری ہے جو اس گمراہی سے نجات دلائے گی جس میں اب تک تم گھرے ہوئے ہو، میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے تمہارے لیے ایسا پیام لایا ہوں، جس میں انہوں نے بعض چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض چیزوں سے منع کیا ہے"، ان کی اس پر جوش تقریر کا یہ اثر ہوا کہ شام تک پورا قبیلہ اسلام کے نور سے منور ہو گیا۔

حضرت عباسؓ بن مرداس کا قبول اسلام

عباس اپنے قبیلہ کے سردار تھے، ان کی فطرت ابتدا ہی سے سلیم واقع ہوئی تھی، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی جب کہ سارے عرب میں شراب کا دور چلتا تھا، ان کی زبان شراب کے ذائقہ سے آشنا نہ ہوئی، لوگوں نے پوچھا: "شراب کیوں نہیں پیتے؟ اس سے جرات وقوت پیدا ہوتی ہے"، کہا: "میں قوم کا سردار ہو کر بے عقل بننا نہیں پسند کرتا، خدا کی قسم! میرے پیٹ میں کبھی وہ چیز نہیں جاسکتی جو عقل وخرد سے بیگانہ بنادے"۔

عباسؓ کے اسلام کا واقعہ غیبی تلقین کا ایک نمونہ ہے، ان کے والد ایک بت کی پرستش کرتے تھے، ان سے کہا: "تم بھی اسے پوجا کرو، یہ تمہارے نفع ونقصان کا مالک ہے"، چنانچہ باپ کے حکم کے مطابق یہ بھی بت کو پوجنے لگے، ایک دن دوران پرستش میں ایک منادی کی آواز سنی، جو بت کی بربادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی منادی کر رہی تھی، عباس سلیم الفطرت تھے، اتنا واقعہ تنبیہ کے لیے کافی تھا، چنانچہ فوراً پتھر کو آگ میں جھونک دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوگئے، اسلام لانے کے کچھ دنوں بعد اپنے قبیلہ کے نوسو مسلح آدمیوں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے آگئے، پھر فتح مکہ کی مسرت میں انہوں نے ایک پرزور قصیدہ کہا، شاعری میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے غزوات کے سلسلہ میں بڑے پرزور قصائد لکھتے تھے ان کی شاعری میں جوش شجاعت کے ساتھ نور ہدایت کی بھی جھلک ہوتی تھی۔

حضرت عبد اللہؓ بن ابی امیہ کا قبول اسلام

ان کی ماں کا نام عاتکہ تھا، وہ عبد المطلب کی لڑکی تھیں، اس رشتہ سے عبد اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی ہوئے، اس کے علاوہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے ماں جائے بھائی تھے، غرض عبد اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعدد قرابتوں کا شرف حاصل تھا۔

عبد اللہ کا گھرانہ زمانہ جاہلیت میں بہت معزز مانا جاتا تھا، اس کے والد ابو امیہ قریش کے مقتدر رئیس تھے، فیاضی اور سیر چشمی ان کا خاندانی شعار تھا، سفر میں اپنے تمام ہمراہیوں کے اخراجات کا بار خود اٹھاتے تھے، اسی لیے ''زاد الراکب'' مسافر کا توشہ ان کا لقب ہو گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دی تو سب سے زیادہ مخالفت رؤسائے قریش کی جانب سے ہوئی، ابو امیہ بھی رؤسائے قریش میں تھے، اس لیے وہ اور ان کے لڑکے عبد اللہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی مخالفت کی، عبد اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے سخت عناد (دشمنی) رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے چچا ابو طالب کی وفات کے وقت ان سے کلمہ شہادت پڑھنے کی درخواست کی تو عبد اللہ ہی نے یہ کہہ کر روکا کہ ''کیا آخر وقت عبد المطلب کی ملت سے پھر جاؤ گے''؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور مزاق کہا کرتے تھے کہ ''میں اس وقت تک تمہارے اوپر ایمان نہیں لا سکتا، جب تک تمہارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے یا تمہارے لیے کوئی زرنگار محل نہ تیار ہو جائے''، سعید روایت کرتے ہیں کہ ''کلام اللہ کی یہ آیت:

﴿لن نومن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعاً﴾ (ہم اس وقت

تک ہرگز تمہارے اوپر ایمان نہیں لاسکتے، جب تک ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ پھوٹے)

عبداللہ ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی"۔

ایک موقع پر کہا کہ "میں تم پر کبھی ایمان نہیں لانے کا، اگرچہ تم میرے سامنے آسمان کو زینہ لگا کر اوپر کو چڑھ جاؤ اور میرے سامنے اس زینہ سے اترو اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں اور وہ تمہاری شہادت بھی دیں، میں تو تب بھی تم پر ایمان نہیں لاؤں گا"۔

لیکن بالآخر اسلام کی قوت تاثیر نے انہیں بھی کھینچ لیا، یا وہ بغض وعناد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مزاق اڑایا کرتے تھے، یا فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے خود بخود بلا کسی تحریک کے آستان نبوی کی طرف چلے، مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ثنیۃ العقاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، عبداللہ کے جرائم ان کی نگاہوں کے سامنے تھے، اس لیے بلاوسیلہ سامنے جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، اپنی بہن ام سلمہؓ کو درمیان میں ڈال کر باریابی کی اجازت چاہی، ان کا ایک ایک جرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے آگیا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملنے سے انکار کر دیا، حضرت ام سلمہؓ نے سفارش کی کہ کچھ بھی ہو بہر حال وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور سسرالی عزیز بھی ہیں، فرمایا: "انہوں نے مکہ میں میرے لیے کیا اٹھا رکھا"، اس مایوس کن جواب کے بعد عبد اللہ نے عالم ناامیدی میں کہا: "اگر عفو ودرگذر کا دروازہ قطعی بند ہو چکا ہے تو در بدر پھر کر بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دیدیں گے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عزم کی خبر ہوئی تو رحم وکرم کی موجوں نے غیظ وغضب کی گرمی کو ٹھنڈا کر دیا، اور عبداللہ کو باریابی کی اجازت مل گئی، اور وہ خلعت اسلام سے سرفراز ہو گئے۔

حضرت عبداللہؓ بن بدر کا قبول اسلام

ان کا آبائی نام عبدالعزیٰ مشرکانہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہؓ رکھا، علامہ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک ہجرت کے ابتدائی سنوں میں مشرف باسلام ہوئے، ان کی روایت کی رو سے ان کے اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد عبداللہؓ اور ان کے ماں جائے بھائی ابومروعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام پوچھا، عرض کیا: ''عبدالعزیٰ''، عزیٰ بت کا بندہ''؟ فرمایا: ''نہیں، تم عبد اللہ خدا کے بندے ہو''، خاندان پوچھا، عرض کیا: ''بنی غیان، گمراہ کی اولاد''، فرمایا: ''نہیں، تم بنی رشدان، ہدایت یاب کی اولاد ہو''، عبداللہ جس وادی میں رہتے تھے اس کا نام غویاء تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی راشد سے بدل دیا، اس طرح عبداللہؓ کی تمام لغو نسبتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بابرکت نسبتوں میں بدل دیا، ان کا شمار مدنی صحابہ میں تھا، مدینہ میں انہوں نے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی، یہ مسجد نبوی کے بعد دوسری مسجد تھی۔

حضرت عبداللہؓ بن زبعری کا قبول اسلام

قبول اسلام سے پہلے عبداللہؓ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے، ان کا زر ومال، ان کی قوت وطاقت، ان کی شاعری اور زبان آوری سب مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لیے وقف تھی، قریش کے بڑے آتش بیان شاعر تھے، اس کا مصرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو برائی تھی، احد کے مشرک مقتولین کا نہایت زبردست مرثیہ کہا تھا، حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس کا جواب دیا۔

فتح مکہ کے بعد جب دشمنان اسلام کا جتھا ٹوٹا، تو عبداللہ اور ہبیر بن وہب نجران بھاگ گئے، عبداللہ حضرت حسان بن ثابتؓ پر بہت وار کر چکے تھے، عبداللہ کے فرار پر انہیں بدلہ لینے کا موقع ملا، چنانچہ انھوں نے شعر کہا، عبداللہ نے سنا تو نجران سے لوٹ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے، گزشتہ خطاؤں پر سخت نادم وشرمسار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی معافی چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا، اور اب وہی زبان جو کلمہ شہادت پڑھنے کے قبل تیر ونشتر کی طرح مسلمانوں کے دلوں پر ہجو اور برائی کر کے چرکے لگاتی تھی، نعت رسول کے پھول برسانے لگی، تمام ارباب سیر نے ان کے نعتیہ اشعار لکھے ہیں، ہم طوالت کے خیال سے انہیں نظر انداز کرتے ہیں، حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعت کے صلہ میں انہیں ایک حلہ (جوڑا) بھی مرحمت فرمایا تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن عبد نہم کا قبول اسلام

باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا، چچا نے بڑے لطف ومحبت سے پرورش کی، ٹوٹے ہوئے دلوں میں قبول حق کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اس لیے عبداللہؓ کا دل جس میں یتیمی نے بہت گداز پیدا کر دیا تھا، ہوش سنبھالتے ہی اسلام سے متاثر ہو گیا، چچا کافر تھے، انہیں جب معلوم ہوا کہ بھتیجے نے محمد ﷺ کا مذہب اختیار کر لیا، تو ساری شفقت ومحبت سرد مہری سے بدل گئی، اور عبداللہ سے کہا: ''اگر تم نے محمد ﷺ کا دین قبول کر لیا تو جو کچھ دیا لیا ہے سب چھین لوں گا''، مگر جس دل میں ایمان کی دولت بھر چکی تھی وہ دنیوی ساز وسامان کو کیا دھیان میں لا سکتا تھا، عبداللہ نے کہا: ''اگر ایسا ہے تو میں مسلمان ہوں''، یہ بے باکانہ جواب سن کر چچا نے جو کچھ دیا تھا سب واپس لے لیا حتی کہ بدن کے کپڑے تک اتروا لیے، عبداللہ اسی حالت میں ماں کے پاس پہنچے، ماں کی ممتا سے اس حالت میں نہ دیکھا گیا، ایک چادر تھی اس کے دو ٹکڑے کر کے عبداللہ کے حوالہ کی، انہوں نے ایک کا تہ بند بنایا اور ایک کی چادر، اعزہ واقرباء سے ناتہ ٹوٹ چکا تھا، نماز فجر کے وقت مسجد نبوی پہنچے، اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، نماز کے بعد حسب معمول رسول اللہ ﷺ سب سے مصافحہ کرنے اور آنے والوں پر نظریں دوڑانے لگے، عبداللہ پر نظر پڑی، پوچھا: ''تم کون ہو''؟ عرض کی: ''عبد العزیٰ''، فرمایا: ''تم عبداللہ ذوالبجادین (دو چادروں والے) ہو، تم میرے دروازہ پر رہا کرو''، آستانہ نبوی کی دربانی سے بڑھ کر کیا شرف ہو سکتا ہے، چنانچہ عبداللہؓ باب نبوی پر رہنے لگے، اور جب تک زندہ رہے اس در کی دربانی نہ چھوڑی۔

(۹ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے، وقت آخر ہو چکا تھا، معمولی بیمار پڑ کر تبوک کے لشکر گاہ میں وفات پا گئے، خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے ساتھ مل کر رات کی تاریکی میں مشعل جلا کر قبر کھودی اور اپنے دست مبارک سے عبداللہؓ کی لاش قبر میں اتار کر دعا فرمائی، "خدایا میں اس سے راضی تھا تو بھی رضا مندی ظاہر فرما" غرض آستانہ نبوی کا یہ دربان اس قابل رشک طریقہ پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پیوند خاک ہوا، اس واقعہ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ کی موت پر اتنا رشک آیا کہ دل نے کہا "کاش ان کے بجائے میں مرا ہوتا"۔

حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید کا قبول اسلام

عتاب ابتدا سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ قبول اسلام کے پہلے ہی سے وہ شرک سے دور اور اسلامی تعلیمات سے قریب تر تھے، فتح مکہ سے ایک دو شب پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فطرت سلیم کا تذکرہ فرمایا کہ "قریش کے چار آدمی شرک سے دور اور اسلام سے قریب تر اور اس کی طرف راغب ہیں"، لوگوں نے پوچھا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون لوگ ہیں"؟ فرمایا: "عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام، اور سہیل بن عمرو"، فتح مکہ کے دن بلا جبر واکراہ بطیب خاطر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے لیے جانے لگے، تو عتاب کو مکہ کا امیر بنایا، مکہ کی امارت پر سرفراز فرماتے وقت ان الفاظ میں عتاب کی عزت افزائی فرمائی "عتاب! تم کو معلوم ہے کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے، اہل اللہ پر، اگر مکہ والوں میں تم سے زیادہ کوئی موزوں شخص نظر آتا تو اسے بناتا"۔

پھر (۸ھ) میں حج کی امارت کا شرف حاصل ہوا، اس لحاظ سے عتاب رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ بن ابی لہب کا قبول اسلام

یہ ابولہب کے بیٹے تھے اور ابولہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، اس رشتہ سے عتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔

عتبہ پیغمبر اسلام کے اس سب سے بڑے دشمن کے فرزند تھے جس نے بھتیجے کی تحقیر، مسلمانوں کی ایذا رسانی، اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، پھر بھی ان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت و پوست ایک تھا، خون کا اثر کہاں سے جاتا چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور دشمنان اسلام کا شیرازہ بکھر چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چچیرے بھائی کا خیال آیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا "تمہارے دونوں بھتیجوں (عتبہ اور معتب) کو نہیں دیکھا، معلوم نہیں کہاں ہیں"؟ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: "مشرکین قریش کے ساتھ وہ بھی مکہ چھوڑ کر کہیں نکل گئے ہیں"، فرمایا: "جاؤ جہاں کہیں ملیں لے آؤ"، اس ارشاد پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ تلاش میں نکلے اور دونوں کو ڈھونڈ کر کہا: "چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے"، چنانچہ یہ دونوں چچا کے ساتھ بھائی کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا، اب انکار وتمرد کا وقت گذر چکا تھا، اس لیے بلا تامل قبول کرلیا، قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان میں لا کر کچھ دعا کی، دعا سے واپسی کے وقت چہرۂ انور وفور مسرت سے چمک رہا تھا، عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: "خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ خوش رکھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر مسرت کے آثار دیکھ رہا ہوں"، فرمایا: "میں نے اپنے دونوں بھائیوں کو خدا سے مانگا تھا، اس نے مجھے دے دیا، یہ مسرت اسی کا نتیجہ ہے"۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا قبول اسلام

غزوۂ طائف کے بعد عثمان بنی ثقیف کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے، یہ اس وفد کے سب سے چھوٹے رکن تھے، آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے، آپ ﷺ نے تبرکاً تھوڑا سا قرآن پڑھایا، قبول اسلام کے بعد مشہور حافظ قرآن حضرت ابی بن کعبؓ سے قرآن کی تعلیم میں مصروف ہوگئے، جب ثقیف کا وفد وطن لوٹنے لگا تو آنحضرت ﷺ سے ایک ایسے صاحب علم امیر کی درخواست کی جو قبیلہ کے نومسلموں کی امامت کرے اور انہیں مذہبی تعلیم دے سکے۔

اگرچہ عثمان جدید الاسلام تھے، لیکن ان میں تعلیم کی بڑی استعداد تھی، ان کے تعلیمی ذوق وشوق کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا کہ "یہ لڑکا تفقہ فی الاسلام اور تعلیم قرآن کا بڑا شائق ہے"، اس لیے آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف کی امارت اور امامت ان ہی کو تفویض فرمادی، اور ہدایت فرمائی کہ لوگوں کی حالت کا اندازہ کر کے نماز پڑھانا، نمازیوں میں کمزور، بوڑھے، بچے اور کاروباری ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا اور قبائل عرب اس کا شکار ہونے لگے تو عثمان نے بنی ثقیف کو نہایت دانش مندی کے ساتھ اس وبا سے بچا لیا، سب کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادران ثقیف! تم لوگ سب سے آخر میں خلعت ایمان سے سرفراز ہوئے اس لیے سب سے پہلے اسے نہ اتار پھینکو۔

حضرت عدیؓ بن حاتم کا قبول اسلام

عدی مشہور عالم حاتم طائی کے جن کی فیاضی اور سخاوت ضرب المثل ہے بیٹے تھے۔

عدی کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمراں چلا آتا تھا، اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرماں روائی پر تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل فتوحات حاصل ہوئیں، اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا اثر واقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا، اور عدی کو نظر آیا کہ کچھ دنوں میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر اطاعت خم کئے بغیر چارہ کار نہیں رہے گا، تو دوسرے فرماں رواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور حکومت گوارا نہ ہوئی، لیکن ایک طرف اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا، دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا، اس لیے انہوں نے ترک وطن کا فیصلہ کرلیا، اور سامان سفر درست کر کے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادھر وہ ان کے حدود کی طرف بڑھیں، اور ادھر یہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں، جب اسلامی شہسوار قبیلہ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل وعیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس ملک شام چلے گئے۔

اتفاق سے عدی کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں، وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئیں، اور عام قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کر دی گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا، تو ان خاتون نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! باپ مر چکے ہیں، چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں ہے مجھ پر احسان کیجئے، خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کرے گا"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "چھڑانے والا کون ہے"؟ عرض کیا: "عدی

بن حاتم"، فرمایا: "وہی حاتم جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کیا"، یہ کہہ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر گذرے، اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی، اور پھر وہی جواب ملا، تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے درخواست کی، اس مرتبہ درخواست قبول ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رہا فرمادیا، لیکن بڑے گھرانے کی عورت تھیں، اس لیے ان کے رتبہ واعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ "ابھی جانے میں جلدی نہ کرو، جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو"، چند دنوں کے بعد قبیلہ قضاعہ کے کچھ لوگ مل گئے، طائی خاتون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شایان شان سواری، لباس، اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کردیا، یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں، اور ان کی نہایت بری طرح خبر لی کہ "تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا؟ اپنے اہل وعیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا"، عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا: "تم ہوشیار اور عاقلہ ہو، تم نے اس شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا رائے قائم کی"؟ انہوں نے کہا: "میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے تم اس سے ملو، اگر وہ نبی ہے تو اس سے ملنے میں سبقت کرنا شرف وسعادت ہے، اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کے ایک باعزت فرمارواکا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا"، یہ معقول بات عدی کی سمجھ میں آگئی، چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے، اور مسجد نبوی میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام پوچھ کر کاشانہ اقدس کی طرف لے چلے، راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی، اس نے روک لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے، اس کا عدی کے دل پر خاص اثر ہوا، اور انہوں نے دل میں کہا کہ "یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہوسکتا"، گھر لے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی کو باصرار ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے، اس اخلاق کا عدی کے دل پر اور زیادہ اثر ہوا، اور انہیں

یقین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہو سکتے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عدی کے سامنے اسلام پیش کیا، انہوں نے کہا: ”میں تو ایک مذہب کا پیرو ہوں“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہارے مذہب سے زیادہ واقف ہوں“، عدی نے متعجبانہ پوچھا: ”تم میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہو“؟ فرمایا: ”بے شک کیا تم رکوسی نہیں ہو؟ (رکوسی عیسوی اور صابی مذہب کے درمیان ایک فرقہ ہے) اور مال غنیمت کا چوتھائی حصہ نہیں لیتے ہو“؟ عدی نے اقرار کیا، ان کے اقرار کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعتراضاً فرمایا کہ ”یہ تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے، یہ حقیقت سن کر عدی کمزور پڑ گئے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں سمجھتا ہوں کیا چیز تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہو رہی ہے، اسلام کے متعلق تمہارا خیال ہو گا کہ اس کے ماننے والے کمزور و ناتواں لوگ ہیں، جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی پرسان حال ہے“، پھر پوچھا: ”تم حیرہ کو جانتے ہو“؟ عدی نے کہا: ”دیکھا تو نہیں ہے لیکن نام سنا ہے“، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچائے گا اور اس کی برکت سے ایک تنہا عورت بلا کسی کی حفاظت کے حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی، اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہو گا“، عدی نے استعجاباً پوچھا: ”کسریٰ بن ہرمز“؟ فرمایا: ”ہاں، کسریٰ بن ہرمز، اور مال کی اتنی فراوانی ہو گی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے“، اس گفتگو کے بعد عدی آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گئے۔

حضرت عدیؓ نے طویل عمر پائی تھی وہ کہتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کی دو پیشین گوئیاں تو حرف بہ حرف پوری ہو چکی ہیں صرف ایک باقی رہ گئی ہے اور خدا کی قسم وہ بھی پوری ہو کر رہے گی، میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ قادسیہ سے اونٹ پر سوار ہو کر نکلی اور بلا خوف و خطر مکہ پہنچ گئی، اور میں اس فوج کے اگلے دستہ میں تھا جس

نے کسریٰ کے خزانوں پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کیا تھا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیسری پیشین گوئی بھی ضرور پوری ہوگی"۔

اللہ کی مشیت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پوری ہوئی اور تیسری پیشین گوئی بھی خلیفہ زاہد و عابد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں پوری ہوگئی، اس وقت مسلمان مالی اعتبار سے اس قدر خوش حال ہوگئے تھے کہ خلیفہ کا منادی فقراء و مساکین کو زکوٰۃ کا مال لینے کے لیے پکارتا مگر کوئی اس کو لینے والا نہ تھا، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح اور حضرت عدیؓ کی قسم پوری ہوئی۔

حضرت عروہؓ بن مسعود ثقفی کا قبول اسلام

(۶ھ) میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے، اور حدیبیہ کے قریب پہنچ کر بدیل کی زبانی معلوم ہوا کہ قریش مزاحمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں، ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے، قریش کو پیہم لڑائیوں نے بہت خستہ اور کمزور کر دیا ہے، اس لیے ان کو لڑنا مناسب نہیں ہے، بہتر صورت یہ ہے کہ وہ ہم سے ایک معین مدت کے لیے صلح کر لیں، اور ہمارا اور قوم کا معاملہ اپنی حالت پر چھوڑ دیں، جب ہم غالب ہوں گے تو انہیں اختیار ہوگا کہ وہ ہماری جماعت میں شامل ہوں یا شامل نہ ہوں، اور اگر مصالحت منظور نہیں ہے تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب تک جان باقی ہے، اس وقت تک ان سے لڑوں گا تا آنکہ خدا اپنا فیصلہ پورا کرے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو سن کر بدیل قریش کے پاس گئے، اور ان سے کہا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر آیا ہوں، اگر تم لوگ پسند کرو تو میں بیان کروں، پرجوش اور ناتجربہ کار لوگوں نے کہا: ''ہم کو سننے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن سنجیدہ اور سمجھ دار آدمیوں نے سننے پر آمادگی ظاہر کی''، بدیل نے پوری گفتگو سنا دی، یہ مصالحانہ باتیں سن کر عروہ بن مسعود نے قریش سے سوال کیا: ''کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں ہو''؟ سب نے ہاں میں جواب دیا، پھر پوچھا: ''تم کو میری جانب سے کوئی بدگمانی تو نہیں ہے''؟ سب نے نہیں میں جواب دیا، پھر سوال کیا: ''تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ میں نے عکاظ والوں سے تمہاری مدد کے لیے کہا تھا، اور جب انہوں نے انکار کیا تو میں خود

اپنے بال بچوں سمیت اور جن جن لوگوں نے میرا کہنا مانا سب کو لے کر تمہاری مدد کے لیے نہیں آیا''؟ یہ تمام باتیں تسلیم کرانے کے بعد بولے''جب ان باتوں کو مانتے ہو تو میری بات سنو، محمد ﷺ نے نہایت معقول صورت پیش کی ہے، اس کو منظور کر لو، اور مجھے اجازت دو کہ میں جا کر ان سے گفتگو کر کے معاملات طے کر آؤں''، سب نے بالاتفاق انہیں نمائندہ بنا کر بھیجا، چنانچہ یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے آپ ﷺ نے ان کے سامنے بھی وہی صورت پیش کی، جو بدیل کے سامنے پیش کر چکے تھے، عروہ نے کہا:''محمد ﷺ! ہم نے فرض کیا اگر تم نے قریش کا خاتمہ بھی کر دیا تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو؟ اور اگر کچھ اور نتیجہ نکلا تو تمہارے گرد جو بھیڑ نظر آ رہی ہے یہ سب چھٹ جائے گی، اور جو چہرے اس وقت دکھائی دیتے ہیں ہوا ہو جائیں گے''، حضرت ابو بکرؓ یہ بد گمانی سن کر بے تاب ہو گئے، اور سختی کے ساتھ کہا کہ''ہم ان کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے''؟ عروہ نے پوچھا:''یہ کون ہے''؟ معلوم ہوا ابو بکرؓ، ابو بکرؓ کا نام سن کر کہا:''خدا کی قسم! اگر میں تمہارے احسان سے گراں بار نہ ہوتا تو تمہاری سخت کلامی کا جواب دیتا''۔

عروہ عربوں کی عادت کے مطابق گفتگو کے درمیان میں بار بار آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے، مغیرہ بن شعبہؓ جو ہتھیار لگائے آپ ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے، یہ بے باکانہ انداز گفتگو برداشت نہ کر سکے، بار بار تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈال کر رہ جاتے تھے، آخر میں عروہ کو ڈانٹا کہ''خبردار! اب داڑھی کی طرف ہاتھ نہ بڑھنے پائے''، عروہ نے پوچھا:''یہ کون ہے''؟ معلوم ہوا مغیرہؓ، عروہ نے کہا:''او دغا باز! کیا میں نے ایک موقع پر تیری مدد نہیں کی تھی''؟ (مغیرہ نے جاہلیت میں چند آدمیوں کو قتل کیا تھا، عروہ نے اس کی دیت ادا کی تھی)۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی حیرت انگیز عقیدت کا منظر دیکھ کر عروہ کے دل پر خاص اثر ہوا، چنانچہ واپس جا کر انہوں نے قریش سے بیان کیا کہ

”میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں، لیکن محمد ﷺ کے ساتھ ان کے ساتھیوں کو جو عقیدت ہے اور جس قدر وہ لوگ ان کا احترام کرتے ہیں، وہ کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہے، میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں، لیکن عقیدت کا یہ منظر کہیں نہیں نظر آیا، محمد ﷺ تھوکتے ہیں تو ان کے ساتھی بلغم اور تھوک کو ہاتھوں اور چہرہ پر مل لیتے ہیں، وہ وضو کرتے ہیں، تو لوگ پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے کشت و خون ہو جائے گا، جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں، تو ہر شخص اس کی تعمیل کے لیے دوڑتا ہے، جب وہ بولتے ہیں، تو مجلس میں سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، ایسے شخص نے ایک معقول صورت پیش کی ہے، تم کو اسے قبول کر لینا چاہیے“۔

(۸ھ) میں جب آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس ہو رہے تھے، تو واپسی میں عروہ بھی پیچھے ہو لیے، اور مدینہ پہنچنے سے قبل آپ ﷺ سے مل کر مشرف باسلام ہو گئے۔

قبولِ اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ سے اپنے قبیلہ میں اشاعتِ اسلام کی اجازت مانگی، آپ ﷺ کو بنی ثقیف کی کجی فطرت اور ان کی رعونت کا پورا اندازہ تھا، فرمایا: ”یہ لوگ تم سے لڑیں گے“، عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! وہ لوگ مجھے بہت مانتے اور عزیز رکھتے ہیں“، اور باصرار آپ ﷺ سے اجازت لے کر بنی ثقیف پہنچے، عروہ کو بنی ثقیف پر بڑا اعتماد تھا، اس لیے آتے ہی اپنے اسلام کا اعلان کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اس وقت ان کو بنی ثقیف کے متعلق اپنے غلط حسن ظن کا پورا اندازہ ہوا، ان کی دعوت کا جواب بجائے زبان کے تیروں سے ملا، ایک تیر آ کر عروہ کے لگا، جو تیر قضا ثابت ہوا، یہ ابن ہشام کی روایت ہے، مستدرک کی روایت کے مطابق واقعہ کی صورت یہ ہے کہ جب عروہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اپنے قبیلہ پہنچے تو رات کا وقت تھا، لوگ ان کی آمد کی خبر سن کر ملنے آئے، انہوں نے

ان کے سامنے اسلام پیش کیا، انہیں اس کے جواب میں ایسی سخت باتیں سننی پڑیں جو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھیں، رات ہو چکی تھی، اس لیے بنی ثقیف اس وقت غصہ گرمی دکھا کر لوٹ گئے، صبح کو عروہ نے فجر کی اذان دی، یہ غیر مانوس صدا سن کر ان کے کسی اہل قبیلہ نے تاک کر تیر مارا۔

تیر لگنے کے بعد لوگوں نے پوچھا: ''اپنے خون کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے''؟ کہا: ''یہ خدا کا خاص احسان وکرم ہے جس سے اس نے مجھے نوازا ہے، میرا رتبہ ان لوگوں کے برابر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہید ہوئے، اس لیے مجھے انہیں لوگوں کے ساتھ دفن کرنا''، زخم مہلک تھا، اس لیے جانبر نہ ہو سکے اور وصیت کے مطابق مسلمانوں کے گنج شہیداں میں سپرد خاک کیے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا: ''عروہؓ کی مثال حضرت عیسی جیسی ہے، جنھوں نے اپنی قوم کو خدا کی طرف بلایا، اور اس نے ان کو شہید کر دیا''۔

اس اسوۂ عیسوی کو پورا کرنے والا صورۃً بھی حضرت عیسی کے مثل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ''مجھے انبیاء کی مثالی صورتیں دکھائی گئیں عیسی عروہ کے ہم شکل تھے، جبریل دحیہ کلبی کے ہم شبیہ، اور ابراہیم میرے''، حضرت عمرؓ کو عروہ کی شہادت کا بڑا قلق ہوا اور آپ نے ان کا مرثیہ کہا۔

حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کا قبول اسلام

عکرمہ مشہور دشمن اسلام ابو جہل کے بیٹے تھے، باپ کی طرح یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور اسلام کو ختم کرنے کی ہر کوشش میں پیش پیش رہتے تھے، بدر میں مسلمانوں کے خلاف بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، اس معرکہ میں ان کا باپ ابو جہل دو نوجوانوں معوذؓ اور معاذؓ کے ہاتھوں مارا گیا، باپ کو خاک وخون میں تڑپتا دیکھ کر عکرمہ نے اس کے قاتل معاذؓ پر ایسا وار کیا کہ معاذؓ کا ہاتھ لٹک گیا، بدر کے بعد جن لوگوں نے ابوسفیان کو مقتولین بدر کے انتقام لینے پر آمادہ کیا تھا ان میں ایک عکرمہ بھی تھے، احد میں یہ اور خالد مشرکین کی کمان کرتے تھے۔

(۸ھ) میں جب تمام مشرکین عرب نے اپنے قبیلوں کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی تو عکرمہ بھی بنی کنانہ کو لے کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے گئے، فتح مکہ میں اہل مکہ نے بغیر کسی مقابلہ کے سپر ڈال دی تھی، لیکن بعضوں نے جن میں عصبیت زیادہ تھی مزاحمت کی، ان میں ایک عکرمہ بھی تھے، غرض شروع سے آخر تک انہوں نے ہر موقع پر اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت دیا۔

فتح مکہ کے بعد جب دشمنان اسلام کی قوتیں ٹوٹ گئیں، اور مکہ اور اطراف مکہ کے قبائل جوق در جوق اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے لگے، تو وہ دشمنان اسلام جن کی سرکشی اب بھی نہ گئی تھی، مکہ چھوڑ کر دوسرے مقاموں پر نکل گئے، عکرمہ بھی ان ہی میں تھے، چنانچہ وہ یمن کے قصد سے بھاگ گئے۔

ان کی بیوی ام حکیم اور ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان دس دوسری عورتوں کے ساتھ

نبی کریم ﷺ یا تھا اور ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا، اپنا چہرہ نقاب میں چھپا رکھا تھا، گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے پسندیدہ دین کو غالب کر دیا، میں آپ ﷺ کے ساتھ اپنی نسبی اور خاندانی قرابت کا واسطہ دے کر آپ ﷺ سے خیر اور حسن سلوک کی خواستگار ہوں، میں آپ ﷺ کی تصدیق کرنے والی ایک مسلمان عورت ہوں“، پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب کو سرکاتے ہوئے کہا: ”اللہ کے رسول ﷺ! میں عتبہ کی بیٹی ہند ہوں“، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں مرحبا کہتا ہوں اور تمہارا خیر مقدم کرتا ہوں“، اس نے پھر کہا: ”بخدا اے اللہ کے رسول ﷺ! آج سے پہلے روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہ تھا جس کی ذلت و رسوائی مجھے آپ ﷺ کے گھر کی ذلت و رسوائی سے زیادہ پسند ہو، مگر اب یہ حال ہے کہ دنیا کا کوئی گھر میرے نزدیک آپ ﷺ کے گھر سے زیادہ معزز نہیں ہے“، اس کے بعد عکرمہ کی بیوی نے پہلے اپنے اسلام کا اظہار کیا، پھر کہا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! عکرمہ اس خوف سے بھاگ گئے ہیں کہ آپ انہیں قتل کر دیں گے، اللہ کے رسول! آپ (ﷺ) انہیں امان بخش دیں اللہ آپ (ﷺ) کو امان دے گا“ اور آنحضرت ﷺ سے شوہر کی جان کی امان لے کر ان کی تلاش میں نکلیں۔

عکرمہ جب یمن جانے کے لیے کشتی پر بیٹھے تو سلامتی سے پار اترنے کے لیے لات و عزیٰ کا نعرہ لگایا، دوسرے ساتھیوں نے کہا: ”یہاں لات و عزیٰ کا کام نہیں ہے، یہاں صرف خدائے واحد کو پکارنا چاہیے“، یہ بات سن کر عکرمہ کے دل پر کچھ ایسا اثر کر گئی کہ انہوں نے کہا کہ ”اگر دریا میں خدائے واحد ہے تو خشکی میں بھی وہی ہے، پھر کیوں نہ مجھے محمد ﷺ کے پاس لوٹ جانا چاہیے“، چنانچہ وہ راستہ ہی سے واپس ہو گئے، واپسی میں بیوی جو ان کی تلاش میں نکلی تھیں مل گئیں، انہوں نے عکرمہ سے کہا: ”میں ایک ایسے انسان کے پاس سے آرہی ہوں، جو سب سے نیک، سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والا ہے، میں نے اس سے تمہاری جان بخشی بھی کرالی ہے“۔

بیوی کی یہ باتیں سن کر عکرمہ ان کے ساتھ مکہ پہنچے، اس وقت آنحضرت ﷺ مکہ ہی میں تھے، آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ”عکرمہ بن ابی جہل بہت جلد ایک مومن ومہاجر کی حیثیت سے تمہارے پاس پہنچنے والا ہے اس کے باپ کو برامت کہنا، مردے کو برا کہنے سے زندہ کو اذیت پہنچتی ہے، اور میت کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی“، اس کے تھوڑی دیر بعد عکرمہ اپنی بیوی ام حکیمؓ کے ساتھ رسول اللہ کی مجلس میں پہنچ گئے، آپ ﷺ عکرمہ کو دیکھ کر فرط مسرت سے اچھل پڑے، اور

”مرحبا یاالراکب المهاجر“ (یعنی پردیسی سوار خوش آمدید)

کہہ کر استقبال فرمایا، عکرمہ بیوی کی طرف اشارہ کرکے بولے ”ان سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے امان دے دی ہے“، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، تم مامون ہو“، اس رحم وکرم اور عفو ودرگذر کو دیکھ کر اس دشمن اسلام نے جس نے اپنی ساری قوتیں اسلام کے مٹانے پر صرف کردی تھیں، فرط ندامت سے سر جھکالیا، اور نظریں نیچی کرکے ان الفاظ میں اسلام کی حقانیت کا اعتراف کیا:

”میں شہادت دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، آپ ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، آپ ﷺ سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ سچے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے ہیں“۔

اسلام قبول کرنے کے بعد گذشتہ گناہوں کی پوری فہرست نگاہوں کے سامنے آگئی، اور ان الفاظ میں معافی کی درخواست کی:

”یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کے ساتھ بہت سے مواقع پر عداوت اور دشمنی کا ثبوت دے چکا ہوں، مخالفانہ مہموں میں شرکت کی ہے، مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے میدان میں گھوڑے دوڑائے

ہیں، آپ ﷺ ان گناہوں کی مغفرت کے لیے دعا فرمایئے"۔

ان کی درخواست پر رحمت عالم ﷺ نے دعائے مغفرت فرمائی:

"خدایا! ہر اس عداوت سے عکرمہ کی مغفرت فرما جو اس نے میرے ساتھ کی اور معاف فرمادے اس کی ہر اس سرگرمی کو جس کے ذریعہ اس نے تیرے نور کو بجھانے کی کوشش کی، اور درگزر فرما اس کی ہر اس حرکت کو جو اس نے میری آبرو سے کھیلتے ہوئے میرے سامنے یا میری عدم موجودگی میں کی ہو"۔

اس دعا کو سن کر عکرمہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، اس کے بعد عکرمہ نے عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے علم میں جو چیز میرے لیے سب سے زیادہ بہتر، باعث خیر اور سود مند ہو اس کی تلقین فرمایئے"،

آنحضرت ﷺ نے خدا کی وحدانیت اپنی عبدیت و رسالت کی تعلیم دی، ان تمام مراحل کے بعد عکرمہ کو تلافی مافات کی فکر ہوئی، عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! جس قدر روپیہ میں خدا کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کے لیے صرف کرتا تھا، خدا کی قسم! اب اس کا دونا اس کی راہ میں صرف کروں گا، اور اس کی راہ سے روکنے کے لیے جس قدر لڑائیاں لڑی ہیں، اب اس کی راہ میں اس کا دونا جہاد کروں گا"۔

اس عہد کو انھوں نے فتنہ ارتداد اور شام کی معرکہ آرائیوں میں پورا کیا، اور ان کے مصارف کے لیے ایک حبہ بھی بیت المال سے نہیں لیا، جب شام کی فوج کشی کے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اخراجات جنگ کے لیے کچھ رقم دینی چاہی تو عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا، اور کہا: "مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے، میرے پاس دوہزار دینار موجود ہیں"، یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔

جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ کی طرف اس طرح لپکتے تھے جیسے کوئی پیاسا شدید گرمی میں ٹھنڈے میٹھے پانی کی طرف لپکتا ہے، ایک موقع پر جب مسلمانوں پر

دشمن کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا، وہ اپنے گھوڑے سے کود پڑے، تلوار کی نیام توڑ کر پھینک دی اور ننگی تلوار لے کر رومیوں کی صفوں میں گھس گئے، یہ دیکھ کر حضرت خالد بن ولیدؓ نے فوراً ان کے پاس پہنچ کر کہا: "عکرمہ! ایسا نہ کیجیے، اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیے، آپ کا قتل ہو جانا مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت اور ناقابل تلافی سانحہ ہوگا"۔

لیکن حضرت عکرمہؓ نے ان سے کہا: "خالد! ہٹ جاؤ، میرا راستہ نہ روکو، صحبت رسول ﷺ سے استفادہ اور خدمت اسلام میں تم کو میرے اوپر سبقت حاصل ہے، میں اور میرا باپ رسول اللہ ﷺ کے کٹر مخالف تھے، اور میں آخر دم تک اس مخالفت پر قائم رہا اس لیے صحبت رسول ﷺ کا شرف میرے حصہ میں بڑی تاخیر سے آیا، مجھے چھوڑ دو، آج میں گزشتہ کوتاہیوں اور محرومیوں کی تلافی کر لینا چاہتا ہوں"، پھر قدرے توقف کے بعد فرمایا: "میں بہت سے مواقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جم کر لڑا، کیا آج ان رومیوں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار کر لوں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا"، پھر انھوں نے مسلمانوں کو پکارا: "موت پر کون بیعت کرتا ہے"۔

ان کی پکار پر تقریباً چار سو مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، ان بیعت کرنے والوں میں ان کے چچا حضرت حارث بن ہشامؓ اور حضرت ضرار بن ازور بھی شامل تھے، ان لوگوں نے سخت خونریز جنگ کی اور دشمنوں کے بڑھتے ہوئے حملوں کا بہترین انداز میں دفاع کیا، جب فضائے یرموک پر سے جنگ کے بادل چھٹے اور مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کا آفتاب طلوع ہوا تو یرموک کی زمین پر تین مجاہد زخموں سے چور پڑے تھے، اور وہ تھے حضرت حارث بن ہشامؓ، حضرت عیاش بن ربیعہؓ اور حضرت عکرمہؓ۔

پیاس کی شدت سے بے تاب حضرت حارثؓ نے پانی مانگا، جب پانی ان کو پیش کیا جا رہا تھا، حضرت عکرمہؓ نے ان کی طرف دیکھا، حضرت حارثؓ نے پہلے ان کو پانی پلانے کا اشارہ کیا، اور جب پانی ان کے پاس لے جایا گیا تو حضرت

عیاشؓ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، حضرت عکرمہؓ نے اشارہ کیا کہ پہلے ان کی پیاس بجھائی جائے اور جب پانی پلانے والے ان کے قریب گئے تو دیکھا کہ وہ اس سے بے نیاز ہو چکے ہیں، جب وہ پلٹ کر پہلے دونوں صحابیوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ لوگ بھی آب کوثر سے اپنی پیاس بجھا چکے ہیں۔

حضرت ہبارؓ بن الاسود کا قبول اسلام

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو سخت تکلیف پہنچی تھی، حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں، کفار نے مزاحمت کی، ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرادیا جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہوگیا، اس کے علاوہ اور بھی بعض جرائم کا وہ مرتکب تھا اور اسی بنا پر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہاران قتل میں داخل تھا، چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے کہ داعی ہدایت نے خود آستانہ نبوت کی طرف جھکا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے، میری نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خبر پہنچی صحیح تھیں، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں''، دفعۃً باب رحمت کھلا اور دوست ودشمن کی تمیز ختم ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کردیا۔

حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن ہشام کا قبول اسلام

فتح مکہ کے دن حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے پاس آئے، ان دونوں نے ان سے پناہ مانگی اور یوں کہا: ''ہم تمہاری پناہ میں آنا چاہتے ہیں''، حضرت ام ہانی نے ان دونوں کو پناہ دے دی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں آئے ان کی نظر ان دونوں پر پڑی وہ اپنی تلوار نکال کر ان پر حملہ کرنے کے لیے جھپٹ پڑے تو حضرت ام ہانی ان دونوں کو بچانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لپٹ گئیں اور کہنے لگیں ''تمام لوگوں میں سے تم ہی میرے ساتھ ایسا کرنے لگے ہو، اگر تم کو مارنا ہی ہے تو پہلے مجھے مارو''، حضرت علی رضی اللہ عنہ رک گئے اور ان کو یہ کہہ کر چلے گئے کہ ''تم مشرکوں کو پناہ دیتی ہو''، حضرت ام ہانی فرماتی ہیں: ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں جائے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ میرا بچنا مشکل ہو گیا ہے، میں نے اپنے دو مشرک دیوروں کو پناہ دی تھی وہ تو قتل کرنے کے لیے ان پر جھپٹ پڑے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا جس کو تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دے دی، جس کو تم نے امن دیا اسے ہم نے بھی امن دیا''، حضرت ام ہانی نے واپس آ کر ان دونوں کو ساری بات بتائی وہ دونوں اپنے گھروں کو چلے گئے، لوگوں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ''حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ تو زعفران والی چادریں پہنے ہوئے اپنی مجلس میں اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب تم لوگ ان کا کچھ نہیں کر سکتے ہو ہم ان کو امن دے چکے ہیں''، حضرت حارث بن ہشام فرماتے

ہیں کہ ”میں بہت دیر سوچتا رہا کہ حضور ﷺ نے مجھے مشرکین کی ہر لڑائی میں دیکھا ہے اب میں ان کی خدمت میں جاؤں گا تو ان کی نگاہ مجھ پر پڑے گی تو اس سے مجھے بہت شرم آئے گی لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ آپ ﷺ بہت نیک اور بہت رحم دل ہیں، اس لیے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے چل پڑا، جب میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہو رہے تھے مجھے دیکھ کر آپ ﷺ بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور رک گئے، میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا اور کلمہ شہادت پڑھ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تم کو ہدایت دی، تمہارے جیسے آدمی کو اسلام سے ناواقف نہیں رہنا چاہیے“، حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ اسلام جیسے دین سے ناواقف نہیں رہنا چاہیے“۔

حضرت نضیرؓ بن حارث عبدری کا قبول اسلام

حضرت نضیر بن حارثؓ لوگوں میں بڑے عالم تھے، اور کہا کرتے تھے ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا اور محمد ﷺ کو بھیج کر ہم پر احسان فرمایا اور ہم اس دین پر نہیں مرے جس پر ہمارے آباء واجداد مرے، میں حضور ﷺ کے خلاف قریش کے ساتھ ہر راستہ میں کوشش کرتا رہا، یہاں تک کہ مکہ فتح ہوگیا اور آپ ﷺ حنین تشریف لے گئے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ گئے، ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر حضور ﷺ کو شکست ہوئی تو ہم آپ ﷺ کے خلاف آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کریں گے، لیکن یہ ہمارے لیے ممکن نہ ہوسکا، جب آپ ﷺ جعرانہ پہنچے تو میں اپنے اسی ارادہ پر تھا کہ اچانک حضور ﷺ سے میری ملاقات ہوئی، آپ ﷺ بڑے خوش تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: نضیر! میں نے کہا: جی حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے غزوۂ حنین کے دن جو کچھ کرنے کا سوچا تھا یہ اس سے بہتر ہے، میں لپک کے ذرا آپ ﷺ کے اور قریب ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: اب تمہارے لیے اس بات کا وقت آگیا ہے کہ تم اپنے دین کے بارے میں غور کرو، میں نے کہا: میں اس بارے میں پہلے سے سوچ رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اس کو ثابت قدمی میں ترقی نصیب فرما، (حضور ﷺ کی اس دعا کا یہ اثر ہوا) کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے دین پر پختگی میں اور مدد کرنے میں میرا دل پتھر کی طرح مضبوط ہوگیا، پھر میں اپنے گھر واپس آیا تو وہاں اچانک میرے پاس بنو دئل کا ایک آدمی آکر کہنے لگا: اے ابوالحارث! حضور ﷺ نے

تمہیں سو اونٹ دینے کا حکم دیا ہے، مجھے ان میں سے کچھ اونٹ دے دو کیونکہ مجھ پر بہت زیادہ قرضہ ہے، پہلے تو میرا ارادہ ہوا کہ یہ اونٹ نہ لوں اور میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف میری تالیف قلب کے لیے دے رہے ہیں، میں اسلام کے لیے رشوت لینا نہیں چاہتا ہوں، پھر میں نے سوچا کہ نہ تو ان اونٹوں کی میرے دل میں طلب تھی اور نہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی دے رہے ہیں) اس لیے میں نے وہ اونٹ لے لیے اور ان میں سے دیلی کو دس اونٹ دے دیئے"۔

حضرت سعیدؓ بن عامر جمحی کا قبول اسلام

نوجوان سعید بن عامر ہزاروں میں سے ایک تھا جو سرداران قریش کی دعوت پر مکہ سے باہر مقام تنعیم پر صحابی رسول حضرت خبیب بن عدیؓ کے قتل کا تماشا دیکھنے کے لیے اکٹھا ہوئے تھے، جن کو کفار نے غداری سے گرفتار کر لیا تھا۔

وہ اپنی بھرپور جوانی اور پر جوش شباب کے بل پر مجمع کو ڈھکیلتا اور اس میں سے اپنے لیے راستہ بناتا ہوا ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ جیسے رؤسائے قریش کے پہلو بہ پہلو جا کھڑا ہوا جو اس مجمع میں نمایاں مقام پر کھڑے تھے، اس طرح اسے اس بات کا موقع ملا کہ وہ قریش کے قیدی کو دیکھ سکے جو وہاں پابہ زنجیر لایا گیا تھا جس کو قریش کی عورتیں، بچے اور جوان ڈھکیلتے ہوئے موت کے میدان کی طرف لا رہے تھے، تاکہ اسے قتل کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لے سکیں اور جنگ بدر میں مارے جانے والے اپنے اعزہ واقارب کا بدلہ چکا سکیں۔

جب یہ زبردست ہجوم اپنے قیدی کو لیے ہوئے اس جگہ پر پہنچ گیا جو اس کے قتل کے لیے بنائی گئی تھی تو نوجوان سعید بن عامر ایک جگہ رک کر ہجوم کے درمیان سے حضرت خبیب کو دیکھنے لگا، اس نے دیکھا کہ خبیب تختہ دار کی طرف لے جایا جا رہا ہے، اس نے عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار اور شور وغل کے درمیان سے ابھرتی ہوئی خبیب کی باوقار پرسکون آواز سنی جو اس کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی تھی۔

”اگر تم لوگ چاہو تو قتل سے پہلے مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع دے دو۔“

پھر سعید نے دیکھا کہ خبیبؓ بن عدی نے قبلہ رو ہو کر دو رکعتیں پڑھیں۔

آہ! کیسی حسین اور کتنی مکمل تھیں وہ دو رکعتیں، پھر اس نے دیکھا کہ خبیب نے زعمائے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''واللہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے متعلق اس بدگمانی میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ میں موت سے ڈر کر نماز کو طول دے رہا ہوں تو میں اور لمبی اور اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتا''۔

پھر سعید نے بہ چشم سر اپنی قوم کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ زندہ ہی خبیبؓ کا مثلہ کر رہے ہیں، ان کے اعضاء جسم کو یکے بعد دیگرے کاٹ رہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں ''کیا تم یہ بات پسند کرو گے کہ اس وقت محمد ﷺ تمہاری جگہ یہاں ہوتے اور تم اس تکلیف سے نجات پا جاتے''۔

تو خبیبؓ نے جواب دیا اور اس وقت ان کے جسم سے بے تحاشا خون بہہ رہا تھا ''واللہ! مجھے تو اتنا بھی گوارہ نہیں کہ میں امن و اطمینان کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں رہوں اور ان کے پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے''۔

اور یہ سنتے ہی لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو فضا میں بلند کرتے ہوئے چیخنا شروع کر دیا ''مار ڈالو اسے، قتل کر دو اسے''۔

پھر سعید بن عامر کی آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ خبیبؓ نے تختہ دار ہی سے اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

''اللّٰھم احصھم عدداً و اقتلھم بدداً و لاتغادر منھم أحداً'' (خدایا! انہیں ایک ایک کر کے گن لے، انہیں منتشر کر کے ہلاک کر اور ان میں کسی کو نہ چھوڑ)

پھر انہوں نے آخری سانس لی اور روح پاک اپنے رب کے حضور پہنچ گئی، اس وقت ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے ان گنت زخم تھے۔

اس کے بعد قریش مکہ لوٹ آئے اور بڑے بڑے واقعات و حادثات کے ہجوم

میں خبیبؓ اوران کے قتل کا واقعہ ان کے ذہنوں سے اوجھل ہو گیا، لیکن نوجوان سعید بن عامر خبیبؓ کی مظلومیت اوران کے دردناک قتل کے اس دلخراش منظر کو اپنے ذہن سے ایک لمحہ کے لیے محو نہ کرسکا وہ سوتا تو خواب میں ان کو دیکھتا اور عالم بیداری میں اپنے خیالات میں ان کو موجود پاتا، پھر خبیبؓ نے سعید کو وہ باتیں بتادیں جو پہلے سے اس کے علم میں نہ تھیں، خبیبؓ نے اسے بتایا کہ حقیقی زندگی یہی ہے کہ آدمی ہمیشہ سچے عقیدے کے ساتھ چمٹا رہے اور زندگی کی آخری سانس تک خدا کی راہ میں جد وجہد کرتا رہے، خبیبؓ نے سعید کو یہ بھی بتادیا کہ ایمان راسخ کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے اوراس سے کتنے محیر العقول افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں، خبیبؓ نے سعید کوایک اور بڑی اہم حقیقت سے آگاہ کیا کہ وہ شخص جس کے ساتھی اس سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں واقعی برحق رسول اور سچا نبی ہے اوراسے آسمانی مدد حاصل ہے۔

اوراس وقت اللہ تعالیٰ نے سعید بن عامر کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا، وہ قریش کی ایک مجلس میں پہنچا اور وہاں کھڑے ہوکر اس نے قریش اوران کے کالے کرتوتوں سے اپنی بے تعلقی ونفرت اوران کے معبودان باطلہ سے اپنی بے زاری و برات اور اپنے دخول اسلام کا برملا اور کھلم کھلا اعلان کردیا، اس کے بعد وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

حضرت جبارؓ بن سلمی کا قبول اسلام

ایک شخص جس کا نام ابو براء عامر تھا وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ "ملک نجد کی تعلیم وہدایت کے لیے کچھ منادی میرے ساتھ بھیج دیجیے"، اس کا بھتیجہ نجد کا رئیس تھا، عامر نے یقین دلایا کہ منادی کرنے والوں کی حفاظت کی جائے گی، نبی ﷺ نے حضرت منذر بن عمرو انصاریؓ کو مع ستر صحابہؓ کے جو قراء وفضلاء بزرگوار تھے اس کے ساتھ کر دیا، جب وہ بئر معونہ جا پہنچے جو بنی عامر کا علاقہ تھا تو وہاں سے حضرت حرام بن ملحانؓ کو نامہ نبوی دے کر طفیل حاکم کے پاس بھیجا گیا، اس نے ان کو قتل کرا دیا، جبار بن سلمی ایک شخص تھا جس نے حاکم کے اشارے سے ان کی پشت میں نیزہ مارا تھا جو چھاتی سے صاف نکل گیا انھوں نے گرتے ہوئے کہا:

"فزت ورب الكعبة" (قسم ہے کعبہ کے خدا کی میں اپنی مراد کو پہنچ گیا اور کامیاب ہو گیا)

یہ جملہ سن کر جبار بن سلمی حیران ہو گیا کہ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں یا یہ جھوٹ بول رہا ہے لیکن انسان موت کے وقت جھوٹ نہیں بولتا، مجھے یقین ہے کہ اس کی بیوی بیوہ ہو گئی، اس کے بچے یتیم ہو گئے، یہ دنیا کی تمام لذتوں سے محروم ہو گیا، نہ یہ کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے، نہ گفتگو کر سکتا ہے، پھر یہ کون سی کامیابی ہے؟ انہوں نے مسلمانوں سے اس جملہ کا مطلب پوچھا تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ شہادت ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے، کیونکہ جنت میں ان کے لیے جو نعمتیں تیار کی گئی ہیں وہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں، انہوں نے برجستہ کہا کہ "واللہ! وہ حقیقت میں کامیاب ہو گئے"، اور اس طرح سے جبار بن سلمی نے جان لیا کہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا ہے، ان تمام فانی لذتوں کے پیچھے ہمیشہ باقی رہنے والی لذات ہیں، چنانچہ اسی اثر سے وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گئے۔

حضرت ذوالجوشن ضبابیؓ کا قبول اسلام

غالباً یہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، حضرت ذوالجوشن فرماتے ہیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے فارغ ہوئے تو میں اپنی قرحاء نامی گھوڑی کا بچھیرا لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا: "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرحاء گھوڑی کا بچھیرا لے کر آیا ہوں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے استعمال کے لیے لے لیں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس کے بدلہ میں بدر کی زرہوں میں سے ایک تمہاری پسند کی ایک زرہ دے دوں"، میں نے کہا کہ "میں اس کو آج ایک اعلیٰ درجہ کے گھوڑے کے بدلہ میں دینے کے لیے تیار نہیں ہوں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے"، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ذی الجوشن! تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے تاکہ شروع میں اسلام لانے والوں میں سے ہو جاؤ"؟ میں نے کہا: "نہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیوں"؟ میں نے کہا: "اس لیے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا ہے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بدر میں ان کی شکست کے بارے میں تمہیں کیسی خبر پہنچی ہے"؟ میں نے کہا: "مجھے ساری خبر پہنچ چکی ہے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمیں تو تمہیں اللہ کی سیدھی راہ بتانی ہے"، میں نے کہا: "مجھے منظور ہے بشرطیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کو فتح کر کے وہاں رہنے لگ جائیں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم زندہ رہے تو اسے بھی دیکھ لوگے"، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو فرمایا: "او فلانے! اس آدمی کا تھیلا لے لو اور

اس میں راستہ کے لیے عجوہ کھجوریں ڈال دو"، جب میں واپس ہونے لگا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "یہ شخص بنی عامر کے بہترین شہسواروں میں سے ہے"، حضرت ذو الجوشن ؓ فرماتے ہیں کہ "اللہ کی قسم! میں مقام غور میں اپنے گھر والوں میں تھا کہ اتنے میں ایک سوار آیا، میں نے اس سے پوچھا: لوگوں کا کیا بنا؟ اس نے بتایا: اللہ کی قسم! محمد ﷺ کعبہ پر غالب آچکے ہیں اور اس میں ٹھہرے ہوئے ہیں، تو میں نے یہ سن کر کہا: کاش میں پیدا ہوتے ہی مرجاتا اور میری ماں کی گود مجھ سے خالی ہو جاتی، کاش کہ جس روز آپ ﷺ نے فرمایا تھا میں اسی روز مسلمان ہو جاتا اور پھر میں آپ ﷺ سے حیرہ مقام بھی مانگتا تو آپ ﷺ مجھے بطور جاگیر ضرور دیدیتے" اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: "تمہیں اسلام لانے سے کون سی چیز روک رہی ہے"؟ میں نے کہا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کو جھٹلایا ہے اور آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے شہر سے نکال دیا ہے اور اب آپ ﷺ سے جنگ کر رہے ہیں، میں دیکھ رہا ہوں اب آپ ﷺ کیا کریں گے؟ اگر آپ ان پر غالب آگئے تو میں آپ ﷺ پر ایمان لے آؤں گا اور آپ کا اتباع کروں گا اور اگر وہ غالب آگئے تو آپ کا اتباع نہیں کروں گا"۔

حضرت بشیرؓ بن خصاصیہ کا قبول اسلام

حضرت بشیر بن خصاصیہ فرماتے ہیں کہ ”میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: نذیر، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ تمہارا نام بشیر ہے۔

ایک رات آپ ﷺ گھر سے نکلے میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہولیا، آپ ﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر یہ دعا پڑھی:

”السلام علیکم دار قوم مومنین وانا بکم لاحقون وانا للّٰہ وانا الیہ راجعون“

اور پھر فرمایا: تم نے بہت بڑی خیر حاصل کرلی اور بڑے شر اور فتنہ سے بچ کر تم آگے نکل گئے۔

پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: بشیر! آپ ﷺ نے فرمایا: تم عمدہ گھوڑوں کو کثرت سے پالنے والے قبیلہ ربیعہ میں سے ہو جو یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اپنے رہنے والوں کو لے کر الٹ جاتی، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اس قبیلہ میں سے اللہ پاک نے تمہارے دل اور کان اور آنکھ کو اسلام کی طرف پھیر دیا؟ میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! بالکل راضی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہاں کیوں آئے؟ میں نے کہا: مجھے اس بات کا ڈر رہا کہ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے یا زمین کا کوئی زہریلا جانور نہ کاٹ لے“۔

حضرت ابوقحافہؓ کا قبول اسلام

یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد تھے، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں: فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقحافہ سے فرمایا: ''آپ مسلمان ہو جائیں سلامتی پالیں گے''، حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور اطمینان کے ساتھ مسجد میں بیٹھ گئے تو حضرت ابوبکرؓ اپنے والد ابوقحافہ کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے دیکھا تو فرمایا: ''اے ابوبکر! بڑے میاں کو کیوں وہیں رہنے نہیں دیا میں ان کے پاس چل کر جاتا''، انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان پر زیادہ حق بنتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل کر آئیں بہ نسبت اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس چل کر تشریف لے جاتے''، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے دل پر اپنا ہاتھ رکھ کر فرمایا: ''آپ مسلمان ہو جائیں سلامتی پالیں گے''، چنانچہ حضرت ابوقحافہؓ مسلمان ہو گئے اور کلمہ شہادت پڑھ لیا، جب حضرت ابوقحافہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے تو ان کے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس سفیدی کو بدل دو لیکن کالا خضاب نہ کرنا''۔

حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

عمرو رضی اللہ عنہ صحابہ کے اس زمرہ میں ہیں جنھوں نے اس وقت اسلام کی دعوت کو لبیک کہا جب عرب کے درودیوار سے اس کی مخالفت کی صدائیں بلند ہورہی تھیں، اسلام کی دعوت سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ "میں اس تمام حلال وحرام پر ایمان لاتا ہوں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے لائے ہیں، اگرچہ تمام قوم کی جانب سے اس کی مخالفت کی صدائیں بلند ہورہی ہیں"۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی، حصول تعلیم کے بعد اشاعت اسلام کے لیے اپنے قبیلہ واپس گئے، چند دنوں میں ان کی مخلصانہ کوششوں سے ان کا پورا قبیلہ مشرف باسلام ہوگیا۔

حضرت فروہؓ بن مسیک کا قبول اسلام

فروہ یمن کے باشندے اور اپنے قبیلہ کے معزز اور مقتدر لوگوں میں تھے، زمانہ جاہلیت میں ان کے قبیلہ مراد اور ہمدان کے درمیان نہایت خوں ریز جنگ ہوئی تھی، جو "یوم دارم" کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ میں قبیلہ مراد کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا، فروہؓ اس سے سخت متاثر ہوئے اور اس تاثر میں یہ اشعار کہے:

فلو خلد الملوك اذاً خلدنا

ولو بقى الكرام اذاً بقينا

(اگر بادشاہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے تو ہم بھی ہمیشہ رہتے اور اگر اچھے لوگ ہمیشہ باقی رہنے والے ہوتے تو ہم بھی باقی رہتے)

(سنہ ۱۰ھ) میں سلاطین کندہ کا دربار چھوڑ کر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "فروہؓ میں نے سنا ہے کہ تم کو اپنی قوم کی شکست کا بڑا صدمہ ہے" عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون شخص ہے جس کی قوم مصیبت میں مبتلا ہوئی ہو اور اس کو اس سے تکلیف نہ پہنچی ہو"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ اس شکست نے اسلام میں تمہاری قوم کو فائدہ ہی پہنچایا"، قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مراد، زبید، اور مذحج کا عامل بنایا، اور سعید بن العاص کو ان کا شریک کار مقرر فرمایا۔

چلتے وقت فروہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری قوم میں جو شخص قبول اسلام سے انکار کرے، اس کا میں ان لوگوں کی مدد

سے جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے، مقابلہ کر سکتا ہوں''؟ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، یہ اجازت لے کر وطن لوٹ گئے، ان کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''فروہؓ کہاں ہیں''؟ معلوم ہوا جا چکے، آپ ﷺ نے فوراً آدمی دوڑا کر انہیں واپس بلوایا، اور ہدایت فرمائی کہ ''حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو ان کے قبیلہ کا ایک مقتدر رئیس عمرو بن معدیکرب بھی اس کا شکار ہو گیا''، فروہؓ نے اس کی ہجو (برائی) میں اشعار کہے۔

حضرت فضالہ لیثی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

عام مشرکین کی طرح فضالہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے فتح مکہ کے دن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، فضالہ موقع پا کر قتل کرنے کے ارادہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے، قریب پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''فضالہ ہیں''؟ کہا: ''ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' فرمایا: ''ابھی تمہارا دل تم سے کہاں باتیں کر رہا تھا''، کہا: ''کچھ نہیں، اللہ کو یاد کر رہا تھا''، یہ مصنوعی جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے اور استغفر اللہ کہہ کر ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا، اس سے فضالہ کو بڑا سکون قلب محسوس ہوا، ان کا بیان ہے کہ ''ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ نہ ہٹایا تھا کہ میرا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے معمور ہو گیا، اور تمام مخلوق میں کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب باقی نہ رہا''۔

اس سعادت کے بعد گھر لوٹے، راستہ میں ایک عورت جس سے یہ باتیں کیا کرتے تھے ملی، اس نے معمول کے مطابق انہیں بلایا، مگر انہوں نے انکار کر دیا اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

قالت هلم الى الحديث فقلت لا

يأبى عليك الله والاسلام

(اس نے کہا آؤ بات چیت کریں، میں نے کہا نہیں خدا اور اسلام نے تیری مخالفت کی ہے)

لو ما رأيت محمداً وقبيله

بالفتح يوم تكسر الأصنام

(کاش تو محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو فتح کے دن دیکھتی جب وہ بت توڑ رہے تھے)

لـرأيـت ديـن الله أضـحـى بيـنـنـا

والشـرك يـغشـى وجهـه الأظـلام

(تو تجھے نظر آتا کہ خدا کا دین ہمارے درمیان روشن ہو گیا، اور شرک کے چہرے کو تاریکی نے چھپالیا)

اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اسلامی فرائض کی تعلیم دی اور ہدایت فرمائی کہ نماز پنج گانہ پابندی کے ساتھ پڑھا کرو۔

حضرت فیروز دیلمی رضؓ کا قبول اسلام

ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا، ایک وفد میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے۔

قبول اسلام کے وقت دو حقیقی بہنیں ان کے عقد میں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان میں سے ایک کو رکھو اور دوسری کو الگ کر دو"، صنعاء میں انگور کی بڑی پیداوار تھی اور اس کی شراب بنتی تھی، ان کے اسلام لانے کے وقت شراب حرام ہو چکی تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ملک میں انگور کی کثرت ہے لیکن شراب حرام ہو چکی ہے اب اس کو کس مصرف میں لایا جائے"، فرمایا: "انھیں خشک کر لیا کرو"، عرض کیا: "خشک کرنے کے بعد کیا کریں"؟ فرمایا: "صبح کو بھگو دیا کرو اور شام کو پی لیا کرو، اور شام کو بھگو کر صبح کو پی لیا کرو"، انگور کا مسئلہ حل کرنے کے بعد عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ ہم کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس کو ہمارا ولی بناتے ہیں"، فرمایا: "خدا اور رسول کو"، عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ہمارے لیے کافی ہے"۔

مشہور مدعی نبوت اسود عنسی کی شورش کو دبانے کے بعد اس کے کامل استیصال کے لیے قیس بن ہبیرہ کی ماتحتی میں جو مہم روانہ کی گئی تھی اس میں فیروز بھی تھے، ان کا شمار اسود عنسی کے قاتلوں میں ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیس نے قتل کیا تھا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز قاتل تھے کچھ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قتل فیروز نے کیا تھا، لیکن سر قیس نے تن سے جدا کیا تھا، حضرت عمرؓ اسود کے قتل

کا سہرا فیروز کے سر باندھتے تھے اور فرماتے تھے "اس شیر نے قتل کیا ہے"، بہرحال اگر فیروز نے تنہا قتل نہیں کیا تو اس کے قاتلوں میں ضرور تھے۔

اسود کے قتل کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند روز پہلے مدینہ میں آگئی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر بڑی مسرت تھی، ایک دن صبح سویرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کل مبارک اہل بیت کے ایک مبارک فرد (فیروز) نے اسود کو قتل کیا ہے"۔

حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن خرشہ کا قبول اسلام

قیس کے زمانہ اسلام کی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی ان کے دل میں مدت سے حق کی تلاش تھی، چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کے بعد بلا کسی خارجی تحریک کے اپنے وطن سے مدینہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس شے پر جو خدا کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی ہے اور حق گوئی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کرتا ہوں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیس ممکن ہے کہ آئندہ تم کو ایسے والیوں سے سابقہ پڑے جن کے مقابلہ میں تم حق گوئی سے کام نہ لے سکو"، عرض کیا: "ایسا نہیں ہوسکتا، خدا کی قسم جس چیز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کروں گا اسے ضرور پورا کروں گا"، فرمایا: "اگر ایسا ہے تو تم کو کسی شر سے نقصان نہیں پہنچ سکتا"۔

اس عہد پر اس سختی کے ساتھ قائم رہے کہ بنی امیہ کے زمانہ میں زیاد اور عبید اللہ بن زیاد جیسے ستم کیشوں اور ظالموں پر برملا نکتہ چینی کرتے تھے، عبید اللہ نے ایک مرتبہ بلا کر کہا: "تم خدا اور رسول پر افترا پردازی کرتے ہو"، کہا: "خدا کی قسم نہیں میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا، البتہ اگر تم کہو تو میں اس شخص کا نام بتادوں جو ایسا کرتا ہے"، عبید اللہ نے پوچھا: "بتاؤ"، قیس نے کہا: "جس نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو پس پشت ڈال رکھا ہے"، عبید اللہ نے کہا: "وہ کون"؟ جواب دیا: "تم اور تمہارا باپ"۔

ان کی یہ حق گوئی صرف عبید اللہ ہی کی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ تمام ظالم حکام کے مقابلہ میں اسی حق گوئی سے کام لیتے تھے، قیس رضی اللہ عنہ والیوں کے معاملہ میں نہایت سخت

اور بڑے حق گو تھے۔

ان کی اس سخت گیری اور حق گوئی پر عبید اللہ ان کا دشمن ہو گیا، اور آخر مرتبہ بلا کر کہا: ”تمہارا خیال ہے کہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا“، فرمایا: ”بیشک میرا یہ خیال ہے“، عبید اللہ نے کہا: ”اچھا آج ہی تمہارے اس جھوٹے خیال کی قلعی کھل جاتی ہے“، یہ کہہ کر سزا دینے والوں کو بلایا، ارباب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ قبل اس کے کہ سزا دینے والے پہنچیں اور ان کے جسم کو ہاتھ لگائیں، ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور وہ سزا کے شر سے بچ گئے۔

حضرت قیسؓ بن عاصم کا قبول اسلام

قیس اپنے قبیلہ کے سردار تھے اور زمانہ جاہلیت میں بڑے وقار و تمکنت سے رہتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے اپنی جاہلی زندگی کا حال بتایا کہ میں نے اس زمانہ میں بھی کوئی برا کام نہیں کیا، اور کبھی کسی تہمت سے متہم ہوا، ہمیشہ فوجی سواروں میں یا پنچایت کی مجلسوں میں یا مجرموں کی حمایت میں رہتا تھا۔

البتہ لازمہ امارت شراب بہت پیتے تھے، ایک دن بدمستی کی حالت میں اپنی لڑکی کے پیٹ کی شکنوں پر ہاتھ ڈال دیا، اور ماں باپ کو نہایت فحش گالیاں سنائیں، شب ماہ تھی، چاند دیکھ کر اور ترنگ بڑھی، اول فول بکنے لگے، اور مدہوشی کے عالم میں ایک بڑی رقم دے ڈالی، جب نشہ ختم ہوا، تو لوگوں نے بدمستی کے واقعات سنائے، انہیں سن کر اس قدر نادم اور شرمسار ہوئے کہ اس دن سے توبہ کر لی، اور پھر کبھی شراب کو منہ نہیں لگایا، اشعار ذیل اس واقعہ کی یادگار ہیں:

رأيت الخمر صالحة وفيها
خصال تفسد الرجل الحليما

(میں شراب کو اچھی چیز سمجھتا تھا، لیکن اس میں بعض ایسے اوصاف ہیں جو حلیم اور سنجیدہ آدمی کے اخلاق بگاڑ دیتے ہیں)

فلا والله أشربها صحيحا
ولا أشفى بها أبدا سقيما

(خدا کی قسم اب کبھی نہ اس کو صحت کی حالت میں پیوں گا، اور نہ بیماری میں دوا کے لیے استعمال کروں گا)

(۹ھ) میں تمیم کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بادیہ نشینوں کے سردار ہیں"، کچھ دنوں کے بعد امارت صدقہ کی خدمت سپرد ہوئی۔

حضرت کرزؓ بن جابر فہری کا قبول اسلام

آغاز اسلام میں قریش کا بچہ بچہ مسلمانوں کا دشمن تھا، اور مقدور بھر انہیں تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا تھا، کرز بھی اس سے الگ نہ تھے، مدینہ کے تین میل کے فاصلہ پر کوہ جماء کے قریب مسلمانوں کے اونٹ چرا کرتے تھے، کرز نے (۲ھ) میں چھاپہ مار کر انہیں لوٹ لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان کے تعاقب میں نکلے، وادی صفوان میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کرز نکل جا چکے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے، اس واقعہ کے کچھ دن بعد کرزؓ مسلمان ہو گئے۔

(۶ھ) میں قبیلہ عرینہ کے اٹھارہ آدمی مدینہ آ کر مشرف باسلام ہوئے، یہاں کی آب وہوا انہیں ناموافق ہوئی، طحال ہو گیا، تھوڑے فاصلہ پر مقام ذی الجدد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی چرتے تھے، یہاں کی آب وہوا اچھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلم عرنیوں کو حکم دیا کہ وہیں جا کر رہو، اور اونٹوں کا دودھ استعمال کرو، کچھ دنوں میں توانائی آ جائے گی، چنانچہ یہ لوگ وہاں جا کر رہنے لگے، جب کھا پی کر توانا وتندرست ہو گئے، تو اونٹوں کو لے کر بھاگ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نے روکنے کی کوشش کی تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرزؓ کو بیس سواروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ کیا، کرزؓ انہیں گرفتار کر کے لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کی شقاوت کا پورا قصاص لیا۔

حضرت کعبؓ بن زہیر و بجیرؓ کا قبول اسلام

کعب دو بھائی تھے، کعب اور بجیر، ان کے باپ زہیر جاہلیت کے مشاہیر شعراء میں تھے، اس لیے شاعری ان دونوں کو ورثہ میں ملی تھی، بلاد غامد (یمن کے جنوب) کے رہنے والے تھے۔

ظہور اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہرہ سن کر دونوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے کی خواہش ہوئی، چنانچہ دونوں بھائی ملنے کے لیے چلے راستہ میں ایک مقام ”عزاف“ پڑتا ہے، وہاں پہنچ کر کعب کی طبیعت کچھ بدل گئی، انہوں نے اپنے بھائی سے کہا: ”پہلے تم جاؤ اور دیکھو مدینہ والے کیسے پیغمبر ہیں، وہاں سے آکر اپنی رائے دو تو پھر ہم بھی چلیں گے“، بجیر نے اپنا سفر جاری رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا، دل میں عناد و سرکشی کا مادہ نہ تھا، اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے، کعب کو ان کے اسلام کی خبر ہوئی تو وہ بہت برہم ہوئے اور انہوں نے جوش انتقام میں ایک قصیدہ کہہ ڈالا جس میں اپنے بھائی کو ملامت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی شان میں گستاخانہ اشعار اور ہجو کا ارتکاب کر بیٹھے، اور اپنے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ”ایک ایسے دین کو جو خاندانی روایات کے خلاف تعلیم دیتا ہے، جس کو ہمارے آباء اجداد نے کبھی سنا بھی نہ ہو، جس کو اپنے پڑوسی اور اشراف قبائل کی حمایت حاصل نہ ہو تم نے کس طرح قبول کر لیا“؟

اشعار اس زمانہ میں آگ کی طرح پھیل جاتے تھے اور بہت جلد زبان زد ہو جایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیف پہنچی اور

یہ محسوس کیا گیا کہ یہ اشعار سخت فتنہ پیدا کرنے اور لوگوں کو دین سے محروم کر دینے کا سبب بنیں گے، اس سے جو فتنہ پھیلے گا وہ ایک شخص کی ہلاکت سے کہیں زیادہ خطرناک ہوگا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

﴿الفتنة أشد من القتل﴾

لہٰذا آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ ”کعب جہاں ملے اس کا کام تمام کر دیا جائے“۔

بجیر رضی اللہ عنہ اس اعلان سے بہت گھبرائے، اور کعب کو چند شعر لکھ کر بھیجے کہ تم جس دین پر ملامت کر رہے ہو وہی دین حق ہے، ہم نے لات وعزیٰ کا دین چھوڑ کر اللہ کا دین اختیار کیا ہے جو نجات اخروی اور دنیا میں سلامتی کا یقینی راستہ ہے، بجیر رضی اللہ عنہ نے اس قصیدہ میں اس کا اشارہ بھی کر دیا کہ کعب نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ہلاکت کا ہے اور عذاب آخرت اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے، دنیا میں بھی اس کی سزا پائے گا۔

اور لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارا خون ہدر کر دیا ہے، اب تمہارے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ تم اسلام قبول کر لو، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جو شخص بھی آکر ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کہہ دیتا ہے آپ ﷺ اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں، اس لیے میرا خط پاتے ہی تم بلا تاخیر مشرف باسلام ہو جاؤ، کعب کو بھی اس کے سوا بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی، اس لیے وہ خط پاتے ہی سیدھے مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی میں داخل ہوئے، اس وقت رسول اللہ ﷺ صحابہ کے حلقہ میں تشریف فرما ان سے گفتگو فرما رہے تھے، کعب نے آپ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، قیاس وقرینہ سے پہچان کر آپ ﷺ کے پاس آکر بیٹھ گئے، اور ”أشهد أن لا الہ الا اللہ وأنک رسول اللہ“ کہہ کر امان کے طالب ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم مامون ہو“ اور آپ ﷺ نے کعب کی گذشتہ خطاؤں سے درگذر فرمایا، پھر کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مشہور قصیدہ ”بانت سعاد“ جو اسی وقت کے لیے کہہ کر لائے تھے، یہ قصیدہ بہت طویل ہے، قصیدہ سناتے سناتے

جب اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول لسیف یستضاء بہ

مہند من سیوف اللہ مسلول

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ایسی کھنچی ہوئی ہندی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے)

شاعر نے جب یہ شعر پڑھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ردائے مبارک عطا فرمائی، اس قصیدہ کا اصل موضوع تو طلب عفو اور معذرت پیش کرنا ہے، مدح کا مضمون ضمنی ہے، اس شعر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمالیا اور اپنا پیراہن مبارک عطا فرما کر شاعر اور شعر دونوں کو عمر جاوید عطا فرمائی، آپ کعبؓ کی ترجمانی اردو میں اس طرح کر سکتے ہیں۔

نہ میں اچھا نہ میرے شعر اچھے بات اتنی ہے

جسے اچھا کہیں سرکار اچھا ہو ہی جاتا ہے

اس قصیدہ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اب تک اس کی بے شمار شرحیں مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں، اور اس کا راز صرف اس بات میں ہے کہ وہ وہاں مقبول ہو گیا تھا جہاں کی سند قبولیت کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

حضرت کہمسؓ الہلالی کا قبول اسلام

ان کے اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جا سکتا، اس سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ اپنے جائے قیام پر مشرف باسلام ہوئے، اور مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام کی اطلاع دی۔

اطلاع دینے کے بعد پھر وطن لوٹ گئے، اور ہمہ تن عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو گئے، اور کامل ایک سال تک رات بھر جاگ کر عبادت کرتے، اور دن کو روزہ رکھتے رہے، دوسرے سال پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، شدت ریاضت سے رنگ وروپ بدل گیا تھا، بدن سوکھ کر کانٹا ہو رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے میں دشواری ہوئی، بار بار سر سے پاؤں تک ملاحظہ فرماتے تھے، مگر نہ پہچان سکے، آخر میں کہمسؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے غور کر رہے ہیں"، فرمایا: "ہاں، تم کون ہو"؟ عرض کی: "کہمس الہلالیؓ، گذشتہ سال حاضر ہوا تھا، اب میں بالکل سوکھ گیا ہوں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "ایسی حالت کیوں ہو گئی ہے"؟ عرض کی "گذشتہ حاضری کے بعد سے برابر رات کو جاگتا اور دن کو روزہ رکھتا رہا"، فرمایا: "تم کو اس قدر تکلیف اٹھانے کا کس نے حکم دیا؟ مہینہ میں صرف ایک روزہ کافی ہے"، عرض کی "مجھ میں اس سے زیادہ روزہ رکھنے کی طاقت ہے"، فرمایا: "خیر تین سہی"۔

حضرت لبیدؓ بن ربیعہ کا قبول اسلام

لبید کے والد ربیعہ اپنے قبیلہ کے بڑے فیاض، سیر چشم، اور غربا پرور لوگوں میں تھے، ان کی غربا پروری نے قوم سے ''ربیع المقترین'' کا لقب حاصل کیا تھا۔

لبید زمانہ جاہلیت کے فحول شعراء میں تھے، ان کی سحر بیانی زمانہ جاہلیت کے مشاعروں کو گرماتی اور ارباب ذوق کو تڑپاتی تھی۔

وہ ابتداء سے سلیم الفطرت تھے، اور اسلام سے پہلے بھی ان کی شاعری معارف وحقائق سے معمور ہوتی تھی، حسب ذیل شعر زمانہ جاہلیت کا بیان کیا جاتا ہے:

وکل امری یوما سیعلم سعیہ
اذا کشفت عند الالہ المحاصل

(اور ہر انسان کو اپنی کوششوں کا نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جب اس کے نتائج خدا کے سامنے ظاہر ہوں گے)

اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے بعض اشعار کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ مصرعہ:

''الا کل شیء ماخلا اللہ باطل'' (سن لو اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے)

بہت پسند تھا، اس کے متعلق فرماتے تھے کہ شعراء کے کلام میں لبید کا یہ کلام بہت اچھا ہے۔

لبید نے اسلام کا زمانہ پایا، فطرت ابتداء سے سلیم تھی، اس لیے اپنے قبیلہ بنی جعفر بن کلاب کے وفد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام

ہو گئے، ارباب سیر کا بیان ہے کہ اسلام کے بعد شاعری ترک کر دی تھی، اور قرآن کے پر تاثیر اور سحر آفریں کلام کے بعد وہ شاعری کرنا عبث سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ اپنے ایک عامل کو لکھا کہ لبید سے پوچھو کہ زمانہ اسلام میں کون سے اشعار کہے، انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ''خدا نے شعر کے عوض مجھے بقرہ اور آل عمران دی ہے''، یعنی اس سحر آفریں کلام کے بعد شاعری بے مزہ ہے، اس جواب پر حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ بڑھا دیا۔

حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ کا قبول اسلام

مثنیٰؓ اپنے قبیلہ کے ممتاز رؤساء میں تھے، دعوت اسلام کے آغاز میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لیے قبائل عرب میں دورہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مثنیٰ کے قبیلہ بنی شیبان میں بھی تشریف لے گئے، اور کلام اللہ کی یہ آیات

﴿قل تعالوا أتل ماحرم ربكم عليكم﴾ (کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آؤ میں تمہیں پڑھ کر بتاؤں جو چیزیں تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں)

اور

﴿ان الله يأمر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربى﴾ (اللہ تعالیٰ تم کو انصاف، احسان، اور قرابتداروں کو داد و دہش کا حکم دیتا ہے)

پیش کر کے بنی شیبان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، رؤسائے قبیلہ میں اس وقت مثنیٰ اور ہانی وغیرہ موجود تھے، ان سب نے بالاتفاق کلام ربانی کی سحر آفریں بلاغت اور اس کی تعلیم کی پاکیزگی کا اعتراف کیا، مثنیٰ نے کہا: ”جیسی پاکیزہ تعلیم ہے ویسا ہی پاکیزہ کلام بھی ہے“، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوئے کہ ”میں نے تمہاری گفتگو سنی، تمہاری باتیں خوب ہیں، اور تمہارا کلام نہایت حیرت انگیز ہے، لیکن افسوس کہ اس وقت ہم لوگ اس کو قبول کرنے سے مجبور ہیں، اس لیے کہ ہم میں اور کسریٰ میں معاہدہ ہے کہ ہم نہ کسی جدید تحریک کو قبول کریں گے اور نہ کسی مجدد کو پناہ دیں گے، ممکن ہے جس چیز کو تم پیش کر رہے ہو، وہ کسریٰ کے خلاف ہو، اس لیے اس وقت ہم اسے نہیں قبول کر سکتے، اس کے لیے البتہ ہم تیار ہیں کہ عرب کے قرب وجوار

کے فرماں رواؤں کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت اور اعانت کریں"۔

گو مثنیٰ کلام پاک کی سحر آفرینی اور اس کی تعلیمات سے پورے طور پر متاثر ہوئے، لیکن تقدم فی الاسلام کا شرف ان کے مقدر میں نہ تھا، اس لیے اس وقت اسلام کے شرف سے محروم ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کمزوری پر ان کی اخلاقی امداد قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا: "اعتراف حق کے بعد اس سے انکار کیسا؟ خدا کا دین محض اس کا ایک شعبہ قبول کرنے سے قبول نہیں ہوتا جب تک اسے کل نہ قبول کیا جائے"، بالآخر (۶ھ) میں اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ آکر مشرف باسلام ہوئے۔

مثنیٰؓ نے بہت آخری زمانہ میں اسلام قبول کیا اور اس کے چند ہی دنوں کے بعد رسالت کا بابرکت زمانہ ختم ہو گیا، حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں جب ایران میں سیاسی انقلابات ہوئے، انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو لکھا کہ اس وقت ایران کی حالت نہایت ابتر ہے اندرونی اختلافات اور انقلابات کی وجہ سے ان میں مدافعت کی قوت نہیں ہے اس سے بہتر فوج کشی کا موقع نہیں مل سکتا۔

یہ اطلاع بھیجنے کے بعد خود بھی مدینہ پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "اگر اجازت ہو تو میں اپنے قبیلہ کو لے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں نکلوں"، ان کی مستعدی دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دے دی، مثنیٰؓ نے اجازت تو لے لی، مگر سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ ان کے قبیلہ کا بڑا حصہ ابھی اسلام سے بیگانہ تھا، مثنیٰؓ نے پہلے اس کو مشرف باسلام کیا، قبیلہ کو مسلمان بنانے کے بعد اسے ساتھ لے کر ایرانیوں کے مقابلہ میں نکلے۔

حضرت مطیعؓ بن اسود کا قبول اسلام

فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوئے، اس وقت ان کا نام عاص ''نافرمان'' تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر مطیع ''فرمانبردار'' رکھا، تبدیل نام کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں منبر پر تشریف فرما ہو کر لوگوں کو بٹھا رہے تھے، اسی دوران میں عاص آ گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر سب سے آخر میں بیٹھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر سے اترنے کے بعد عاص جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تم کو میں نے نماز میں نہیں دیکھا''، عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جس وقت مسجد میں داخل ہو رہا تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بیٹھنے کا حکم دے رہے تھے، اس لیے میں سب کے آخر میں بیٹھ گیا جہاں آپ کی آواز پہنچ جاتی تھی''، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم عاص نہیں بلکہ مطیع ہو، اس دن سے ان کا نام مطیع ہو گیا''۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن حکم کا قبول اسلام

ہجرت کے بعد کسی سنہ میں مشرف باسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد مکتب نبوت میں اسلام کی تعلیم حاصل کی، اپنی تعلیم اور اسلام کے واقعات کو وہ خود بیان کرتے ہیں "کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو اسلام کے بعض احکام سیکھے، من جملہ اور تعلیمات کے مجھ کو ایک تعلیم یہ بھی ملی کہ جب کوئی چھینکے اور "الحمد للہ" کہو، اور جب کوئی چھینک کر "الحمد للہ" کہے تو "یرحمک اللہ" کہو، ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ کسی نے چھینکا اور الحمد للہ کہا میں نے بلند آواز میں یرحمک اللہ جواب دیا، لوگوں نے مجھ کو گھورنا شروع کیا، میں نے کہا: تم لوگ مجھے غضب آلود نگاہوں سے کیوں گھور رہے ہو؟ میرے اس سوال پر لوگوں نے "سبحان اللہ سبحان اللہ" کہنا شروع کیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز ختم کر چکے تو پوچھا: نماز میں کون بولا تھا؟ لوگوں نے مجھ کو بتایا کہ یہ اعرابی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بلا کر فرمایا: نماز قرات قرآن اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہے، جب تم نماز پڑھو تو تمہاری یہ شان ہونی چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور قرات قرآن"، معاویہ پر اس نرمی کا یہ اثر ہوا کہ وہ کہتے تھے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نرم معلم نہیں دیکھا"۔

اسی دوران تعلیم میں انہوں نے جاہلیت کے اوہام کے متعلق چند سوالات کئے کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم لوگ ابھی زمانہ جاہلیت سے زیادہ قریب ہیں، ابھی اسلام کو آئے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا، اس لیے ہم میں ابھی تک کچھ لوگ کاہنوں کے پاس جاتے تھے"، فرمایا: "تم ان کے پاس نہ جایا کرو"، پھر پوچھا کہ "بعض لوگ اوہام

سے فال بد لیتے ہیں''، فرمایا: ''یہ دل کے اوہام ہیں، ان سے نہ متاثر ہونا چاہیے''، پھر یہ سوال کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خط کھینچتے ہیں''، فرمایا: ''بعض انبیاء بھی خط کھینچتے تھے، اس لیے اگر کوئی ایسا خط کھینچے تو کوئی مضائقہ نہیں''، آخر میں عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ایک لونڈی ہے جو بکریاں چرایا کرتی تھی ایک دن وہ پہاڑ پر چڑھ گئی اور ایک بکری بھیڑیا لے گیا، میں انسان ہوں، مجھے غصہ آ گیا، میں نے لونڈی کو مارا''، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری دیکھ کر میں نے کہا: ''اس کو کفارہ میں آزاد کرتا ہوں''، فرمایا: ''اس کو میرے پاس لاؤ''، میں لے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''اللہ کہاں ہے''؟ اس نے کہا: ''آسمان پر''، پوچھا: ''میں کون ہوں''؟ اس نے کہا: ''آپ اللہ کے رسول ہیں''، فرمایا: ''اس کو آزاد کردو یہ مومنہ ہے''۔

حضرت واثلہؓ بن اسقع کا قبول اسلام

(۹ھ) میں غزوۂ تبوک سے چند دن پہلے قبول اسلام کے ارادہ سے مدینہ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاؤ پانی اور بیر کی پتیوں سے نہاؤ اور زمانہ کفر کے بالوں کو صاف کراؤ"، یہ کہہ کر ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔

ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہی غزوۂ تبوک کی تیاریاں شروع ہوئیں، تمام مجاہدین اپنا اپنا سامان درست کر رہے تھے، واثلہ بھی تیاری کے لیے گھر گئے، یہاں کچھ نہ تھا، اس لیے واپس آئے، ان کی واپسی تک مجاہدین کا قافلہ روانہ ہو چکا تھا، اور ان کے شرکت کی بظاہر کوئی صورت باقی نہ تھی، لیکن ذوق جہاد بے تاب کیے ہوئے تھا، چنانچہ انہوں نے مدینہ کی گلیوں میں پھر کر صدا لگانا شروع کی کہ "کون مجھ کو میرے مال غنیمت کے بدلہ میں تبوک لے چلتا ہے"؟ اتفاق سے ایک انصاری بزرگ بھی باقی رہ گئے تھے، انہوں نے کہا: "میں لے چلوں گا، کھانا میں دوں گا، اور اپنی سواری پر بٹھاؤں گا، خدا کی برکت پر بھروسہ کر کے تیار ہو جاؤ"، واثلہ کو تیاری ہی کیا کرنی تھی، فوراً ساتھ ہو گئے، انصاری بزرگ نے نہایت حسن سلوک اور شریفانہ طریقہ سے انہیں رکھا، اور وہ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے، لڑائی ختم ہونے کے بعد اس کے مال غنیمت میں سے چھ اونٹنیاں واثلہؓ کے حصہ میں بھی آئیں، شرط کے مطابق وہ ان اونٹنیوں کو انصاری بزرگ کے پاس لائے، انہوں نے ان اونٹنیوں کی چال ڈھال دیکھنے کے بعد کہا: "تمہاری یہ سب اونٹنیاں نہایت اچھی ہیں"، واثلہؓ نے کہا: "شرط کے مطابق سب حاضر ہیں"، انصاری بزرگ نے کہا: "بھتیجے تمہاری اونٹنیاں تمہیں مبارک ہوں، تم انہیں لے جاؤ میرا مقصد صرف ثواب آخرت تھا"۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ بن حجر کا قبول اسلام

ان کے والد حجر سلاطین حضر موت میں تھے، وائل خود حضر موت کے رئیس تھے، فتح مکہ کے بعد جب عرب کے مختلف گوشوں کے وفود قبول اسلام کے لیے جوق در جوق مدینہ آنے لگے، تو وائل بھی اپنے قبیلہ کے ساتھ مدینہ وارد ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ورود سے پہلے صحابہ کو ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی، اور ان کا تعارف بھی کرادیا تھا کہ وائل بن حجر جو سلاطین حضر موت کی یادگار ہیں، خدا و رسول کے مطیع وفرمانبردار بن کر دور دراز کی مسافت طے کر کے حضر موت سے آ رہے ہیں، جب وائل مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رتبہ کے مطابق ان کا استقبال کیا، اپنے قریب ردائے مبارک بچھا کر اس پر بٹھایا، اور ان کے اور ان کی اولاد کے لیے دعا فرمائی ''خدایا! وائل رضی اللہ عنہ، ان کی اولاد، اور اولاد کی اولاد پر برکت نازل فرما، اور ان کو سرداران حضر موت کا حاکم بنا''۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جب وائل رضی اللہ عنہ واپس جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضر موت میں زمین کا ایک قطعہ مرحمت فرمایا، اور ان کے بارے میں ایک خط مہاجرین امیہ کے اور دوسرا حضر موت کے رؤساء اور سرداروں کے نام لکھ کر حوالہ کیا، اور چلتے وقت معاویہ کو کچھ دور مشایعت کے لیے بھیجا، وائل رضی اللہ عنہ سوار تھے، اور معاویہ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے، گرمی کا موسم تھا، تپتی ہوئی ریت پیروں کو جھلسا دیتی تھی، معاویہ نے پاؤں جلنے کی شکایت کی، وائل رضی اللہ عنہ نے کہا: ''سواری کے سایہ میں آجاؤ''، معاویہ نے کہا: ''اس سے کچھ نہ ہوگا، اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیجیے''، وائل

ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے، دماغ میں نخوت ورعونت بسی ہوئی تھی، جواب دیا: ''خاموش! تم بادشاہ کے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں ہو''۔

ایک مرتبہ امیر معاویہ کے عہد خلافت میں ان کے پاس گئے امیر معاویہ نے پہچان کر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیا اور اپنا واقعہ یاد دلایا اور واپسی کے وقت کچھ نقدی اور جاگیر دینا چاہا مگر وائل نے اسے قبول نہ کیا اور کہا: ''مجھ کو اس کی ضرورت نہیں''۔

حضرت وحشیؓ بن حرب کا قبول اسلام

وحشی نسلاً حبشی، اور جبیر بن مطعم کے غلام تھے، جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے جبیر بن مطعم کے چچا طعیمہ بن عدی کو قتل کیا تھا، اس لیے جبیر کو اس کے انتقام کی بڑی فکر تھی، جب احد کی تیاریاں شروع ہوئیں، تو جبیر نے وحشی سے کہا کہ ''اگر تم چچا کے انتقام میں حمزہؓ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو''، آزادی کا نام سنتے ہی وحشی فوراً تیار ہو گئے، میدان جنگ میں جب صف آرائی ہوئی اور مشرکین کی طرف سے ''سباع'' نے مبارزت طلبی کی تو حضرت حمزہؓ اس کے مقابلہ کو نکلے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، وحشی ایک چٹان کی آڑ میں گھات لگائے بیٹھے ہوئے تھے، جیسے ہی حضرت حمزہؓ سباع کو قتل کر کے ادھر سے گذرے انھوں نے نیزہ سے ایسا وار کیا کہ نیزہ ناف کے پار اتر گیا، اور حضرت حمزہؓ اسی جگہ شہید ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا کی شہادت کا بڑا قلق تھا اس لیے وحشی اشتہاری مجرم ہو گئے، اور جب مکہ فتح ہو گیا تو انھوں نے طائف میں پناہ لی، جب طائف کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا تو لوگوں نے وحشی سے کہا: تم بھی وفد کے ساتھ چلے جاؤ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفراء کے ساتھ برا برتاؤ نہیں کرتے''، لوگوں کے کہنے سے وحشی ساتھ ہو گئے، اور مدینہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں ہیں تو ہو چپکے سے مسجد میں داخل ہوئے اور احتیاط سے چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر جا پہنچے اور بلند آواز سے پکار اٹھے: ''أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمدا رسول الله'' حضرت حمزہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے محبوب چچا تھے،

آپ ﷺ پر ان کی شہادت کا نہایت شدید اثر تھا، لیکن وحشی اولاً سفیر کی حیثیت سے اور پھر مسلمان ہو کر آئے تھے، اس لیے ان کے ساتھ کوئی برا برتاؤ نہیں ہو سکتا تھا، تاہم آپ ﷺ نے ان کے چہرہ پر نظر ڈالنا گوارا نہ کیا، وحشی سے پوچھا: ''تم ہی نے میرے چچا کو شہید کیا تھا''؟ انہوں نے محجوب ہو کر عرض کیا: آپ ﷺ نے جو سنا صحیح ہے''، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے بتاؤ کہ تم نے حمزہؓ کو کس طرح قتل کیا تھا''، وحشی نے شروع سے آخر تک حمزہؓ کے قتل کا واقعہ بیان کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ہو سکے تو تم اپنا چہرہ مجھے نہ دکھلاؤ''، وحشی تعمیل ارشاد میں فوراً ہٹ گئے۔

اور اس روز کے بعد سے وہ اس بات کی پوری احتیاط کرنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کی نظر ان کے اوپر نہ پڑ سکے، چنانچہ جہاں تمام صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے روبرو بیٹھتے تھے وہ اپنی نشست ہمیشہ آپ کے پیچھے رکھتے تھے، جب تک حضور ﷺ زندہ رہے وہ اسی طریقہ پر کاربند رہے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت کا جرم وحشی کے دل پر ایسا زخم تھا، جو انہیں چین نہیں لینے دیتا تھا، اور وہ قبول اسلام کے بعد سے برابر اس کی تلافی کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، خوش قسمتی سے بہت جلد ان کو اس کا موقع مل گیا، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کا فتنہ اٹھا تو وحشی نے کہا: ''اب وقت ہے کہ میں مسیلمہ کو قتل کر کے حمزہؓ کے خون کا کفارہ ادا کروں''، چنانچہ وہی نیزہ جس سے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا لے کر مسیلمہ کے مقابلہ میں جانے والی مہم کے ساتھ ہو گئے اور میدان جنگ میں پہنچ کر مسیلمہ کی تاک میں لگے رہے، وہ ایک دیوار کے سوراخ کے پار نظر آیا، انہوں نے نیزہ تان کر اس کے سینہ پر ایسا وار کیا کہ نیزہ سینہ کے پار ہو گیا، جو کچھ کمی رہ گئی اس کو ایک انصاری نے بڑھ کر پورا کر دیا، اس طرح وحشیؓ نے اسلام کے بہت بڑے دشمن کا خاتمہ کر کے حضرت حمزہؓ کا خون بہا ادا کر دیا۔

حضرت وہبؓ بن قابوس کا قبول اسلام

جنگ احد کے زمانہ میں اپنے بھتیجے حارث کے ساتھ بکریاں لے کر مدینہ آئے، یہاں بالکل سناٹا تھا، پوچھا: "سب لوگ کہاں گئے"؟ معلوم ہوا کہ وہ احد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین کے مقابلہ میں گئے ہوئے ہیں، یہ سن کر اسی وقت مشرف باسلام ہوئے، قبول اسلام کے بعد احد کی رزمگاہ میں پہنچے، ہنگامہ کارزار گرم تھا، وہب مسلمانوں کے ساتھ مل کر حملہ آور ہو گئے، اسی دوران میں مشرکین میں سے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل پشت کی جانب سے نمودار ہوئے، اور نہایت جم کر مقابلہ کیا، ابھی یہ مقابلہ جاری تھا کہ مشرکین کا ایک اور جتھا نظر آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس سے کون نبٹے گا"؟ وہب نے عرض کیا: "میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یہ کہہ کر اس قدر تیر برسائے کہ جتھا واپس جانے پر مجبور ہو گیا، مگر ایک دوسرا جتھا نمودار ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے مقابلہ میں کون آتا ہے"؟ وہب نے پھر اپنے کو پیش کیا اور اس زور وشور سے حملہ آور ہوئے کہ اس جتھے کا بھی منہ پھیر دیا، اس سے فارغ ہوئے تھے کہ تیسرا جتھا دکھائی دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: "اس کے مقابلہ کے لیے کون اٹھتا ہے"؟ اس مرتبہ بھی اس سوال کے جواب میں وہب ہی کی آواز آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی جاؤ "جا کر جنت لو"، یہ مژدہ سن کر شاداں وفرحاں یہ کہتے ہوئے کہ "نہ کسی کو چھوڑوں گا اور نہ اپنے بچاؤ کی کوشش کروں گا"، مشرکین کے جم غفیر میں گھس گئے، اور تلوار چمکاتے ہوئے اس پار سے اس پار نکل گئے، مسلمان یہ جرات اور بہادری دیکھ کر عش عش کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا

فرماتے تھے کہ ''خدایا! اس پر رحم کر''، وہبؓ دیر تک حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ لڑتے رہے، آخر میں مشرکین چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور ہر طرف سے نرغہ میں لے کر تیروں اور تلواروں کی بارش شروع کردی، تن تنہا اس ہجوم کا کب تک مقابلہ کرتے، بالآخر سینکڑوں زخم کھا کر خلعت شہادت سے سرفراز ہوگئے۔

شہادت کے بعد شمار کیا گیا تو بیس زخم ایسے کاری تھے کہ ان میں سے ہر ایک زخم شہادت کے لیے کافی تھا، شہید کرنے کے بعد مشرکین نے نہایت بری طرح مثلہ کیا تھا، ان کے بھتیجے حارث یہ المناک منظر دیکھ کر بے قابو ہوگئے اور بے تابانہ اٹھ کر اسی بہادری اور بے جگری سے لڑ کر جام شہادت پیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہبؓ کی شہادت کا نہایت سخت اثر ہوا، چچا بھتیجے دونوں کی لاشوں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ''میں تم سے راضی ہوں''، مشرکوں نے وہبؓ کی لاش کا اس بری طرح مثلہ کیا تھا کہ قریب جا کر نظر ڈالنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے اور دفن تک ان کے پیروں کی سمت کھڑے رہے، اور قبر میں رکھنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے سرخ بوٹوں کی چادر کھینچ کر اڑھائی، چادر چھوٹی تھی، پاؤں کھلے رہ گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حرملہ (ایک گھاس) ڈلوائی، اور اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کر کے واپس ہوئے، اس حیثیت سے وہبؓ کی شہادت بڑی قابل رشک تھی کہ قبول اسلام کے بعد ان کا ایک لمحہ بھی دنیا سے ملوث نہ ہوا، اور سیدھے جنت الفردوس کو سدھارے، اس طیب وطاہر زندگی اور شہادت پر بڑے بڑے صحابہ رشک کرتے تھے، حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ کہتے تھے کہ ''کاش وہبؓ کی شہادت ہم کو نصیب ہوتی''۔

حضرت یاسرؓ بن عامر کا قبول اسلام

یاسر مشہور صحابی حضرت عمارؓ کے والد ہیں، حضرت یاسر قحطانی النسل اور یمن کے باشندے تھے، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں یہ اور ان کے دو بھائی حارث اور مالک مکہ آئے، حارث اور مالک تو لوٹ گئے، لیکن یاسرؓ نے ابو حذیفہ بن مغیرہ سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے مکہ میں اقامت اختیار کر لی، ابو حذیفہ نے اپنی ایک لونڈی سمیہ سے ان کی شادی کر دی، ان ہی کے بطن سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے تھے، قانوناً عمارؓ ابو حذیفہ کے غلام تھے، لیکن انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور باپ بیٹے دونوں ابو حذیفہ کے ساتھ رہتے تھے۔

ابو حذیفہ کی وفات کے بعد مکہ میں جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، تو تینوں ماں باپ بیٹے مشرف باسلام ہو گئے، اس وقت بہت کم لوگوں نے اس دعوت حق کا جواب دیا تھا، بروایت صحیح اس وقت ان کی تعداد تیس پینتیس سے زیادہ نہ تھی۔

دعوت اسلام کے آغاز میں بڑے بڑے ذی وجاہت مسلمان قریش کے ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے، تو ان تینوں بے یار و مددگار غریبوں کا کیا شمار تھا، حضرت سمیہؓ بنی مخزوم کی غلامی میں تھیں اور تینوں ان کے زیر بار احسان تھے، اس لیے بنی مخزوم نے انہیں مشق ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیتے، ٹھیک دوپہر کی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹاتے، حضرت عمار خصوصیت کے ساتھ اس آزمائش کا نشانہ بنتے، آنحضرت ﷺ ان بے بس غریبوں کو اس حال میں دیکھ کر تسلی دیتے کہ ”آل یاسر! خدا تم کو اس کے بدلہ میں جنت عطا کرے گا“۔

بنی مخزوم نے اپنی تمام سختیاں ان تینوں پر ختم کر دیں، لیکن ان کی زبان کلمہ توحید سے نہ پھری، آخر میں سمیہ کو ابو جہل نے نہایت وحشیانہ طریقہ سے نیزہ سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا، حضرت یاسر ضعیف و ناتواں تھے، ان وحشیانہ سزاؤں کی تاب نہ لاسکے اور کچھ دنوں کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ کا قبول اسلام

ابوامامہ ان خوش قسمت بزرگوں میں ہیں جنہوں نے اسلام کی دعوت کا جواب اس وقت دیا جب اس کا جواب نوک سنان اور تیر و خنجر سے ملتا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لیے بھیجا، جس وقت یہ پہنچے اس وقت اہل قبیلہ اونٹوں کو پانی پلانے کے بعد ان کا دودھ دوہ کر پی رہے تھے، ابوامامہ کو دیکھا "مرحبا خوش آمدید" کہہ کر استقبال کیا، قبیلہ میں ان کے اسلام کی خبر ہو چکی تھی، چنانچہ استقبال کے بعد سب سے پہلا سوال یہ ہوا کہ ہم نے سنا ہے کہ اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ تم بھی بے دین ہو گئے، ابوامامہؓ نے جواب دیا: "نہیں بے دین تو نہیں ہوا، ہاں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تمہارے سامنے اسلام اور اس کے قوانین پیش کروں"، ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ بعض بعض اہل قبیلہ ایک بڑے پیالے میں خون لائے، سب حاضرین بڑے ذوق وشوق سے کھانے لگے اور ابوامامہ کو بھی شرکت کی دعوت دی، انہوں نے کہا: "تم لوگوں پر افسوس آتا ہے، میں اس شخص کے پاس سے آرہا ہوں جس نے بحکم خدا اس چیز کو حرام قرار دیا ہے"، لوگوں نے وہ حکم پوچھا: "ابوامامہؓ نے یہ آیت:

﴿حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير الا ما ذكيتم﴾

تک تلاوت کر کے سنائی، اور اسی سلسلہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی، اس کا جواب انکار کی صورت میں ملا، ابوامامہ کو پیاس معلوم ہوئی، پانی مانگا، لیکن دعوت اسلام

کے بعد ہی تمام اہل قبیلہ ان سے پھر گئے، اور جنہوں نے تھوڑی دیر پہلے مرحبا کہہ کر استقبال کیا تھا، ان ہی کی جانب سے یہ جواب ملا کہ "تم تڑپ تڑپ کر مرجاؤ مگر تم کو پانی کا ایک قطرہ نہیں مل سکتا"، یہ خشک جواب سن کر ابو امامہؓ تپتی ہوئی ریت پر سو گئے، خواب میں قدرت الٰہی نے سیراب کر دیا، سو کر اٹھے تو قبیلہ والے اپنی بد خلقی پر باتیں کر رہے تھے کہ تمہارے سرداروں میں سے ایک شخص تمہارے پاس آیا، اور تم نے دودھ اور خرمے تک سے اس کی تواضع نہ کی اس احساس کے بعد اہل قبیلہ نے ان کے سامنے دودھ اور خرما پیش کیا، مگر انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا: "خدا نے مجھ کو سیراب کر دیا ہے، حافظ ابن حجر کی روایت کے مطابق ان کا قبیلہ آخر میں ان کی کوششوں سے مشرف باسلام ہو گیا۔

حضرت ابو بصیر کا قبول اسلام

ابو بصیر اس زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے جب تعزیرات مکہ میں اس کی ادنی سزا قید و بند تھی، چنانچہ ابو بصیرؓ اسلام کے جرم میں قید محن میں ڈال دیئے گئے، صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے، تو ابو بصیرؓ کسی نہ کسی طرح چھوٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، اس وقت صلح ہو چکی تھی، اس کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مشرکین کے پاس سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے گا اس کو آپ واپس کر دیں گے، اس لیے ان کے آنے کے بعد ہی ازہر بن عبد عوف اخنس بن شریق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجے کہ وہ معاہدہ کی رو سے ابو بصیر کو واپس لے آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بصیرؓ کی واپسی کے نتائج معلوم تھے، لیکن معاہدہ کی پابندی کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیرؓ سے فرمایا کہ ''ہم نے ان لوگوں سے جو معاہدہ کیا ہے وہ تم کو معلوم ہے، ہمارے مذہب میں بدعہدی، فریب بہت بری چیز ہے، اس لیے اس وقت تم واپس چلے جاؤ، آئندہ خدا تمہاری اور دوسرے ناتواں اور مظلوم مسلمانوں کی رہائی کا کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا''، ابو بصیر مشرکین کے مظالم کا تجربہ کر چکے تھے، اس لیے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھ کو مشرکین کے حوالہ کرتے ہیں کہ وہ میرے مذہب میں مجھے فتنہ میں مبتلا کریں''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو بصیرؓ جاؤ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کوئی راہ نکال دے گا، اور مکرر حکم کے بعد چون و چرا کی گنجائش نہ تھی، اس لیے راضی برضا ہو کر قریش کے آدمیوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر ساتھ لے جانے والے آدمی کھجوریں کھانے کے لیے ٹھہر گئے، ابوبصیرؓ نے ان میں سے ایک سے کہا: "واللہ! تمہاری تلوار کتنی اچھی ہے"، دوسرے نے بھی اس کی تائید کی، تلوار میان سے کھینچ کر کہا: "ہاں واللہ! نہایت عمدہ تلوار ہے، میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے"، ابوبصیرؓ نے کہا: "لاؤ ذرا میں بھی دیکھوں اور تلوار لے کر اس شخص کو وہیں ڈھیر کر دیا"، دوسرا آدمی خوف سے بھاگ نکلا اور مدینہ جا کر مسجد نبوی میں پہنچا، آنحضرت ﷺ نے اسے بدحواس دیکھ کر فرمایا: "یہ خوف زدہ معلوم ہوتا ہے"، قریب جا کر اس شخص نے واقعہ بیان کیا کہ "میرا ایک ساتھی اس طرح سے مارڈالا گیا، اور میری جان بھی خطرہ میں ہے"، ابھی یہ شخص واقعہ بیان کر رہا تھا کہ ابو بصیر بھی پہنچ گئے اور عرض کی "یا نبی ﷺ! آپ کو خدا نے ذمہ داری سے سبک دوش کر دیا، آپ ﷺ نے مجھے معاہدہ کے مطابق واپس کر دیا تھا، خدا نے مجھے نجات دلادی"، آنحضرت ﷺ نے ان کی باتیں سن کر فرمایا: "یہ شخص بھی آتش جنگ بھڑکانے کا آلہ ہے، اگر اسے کچھ مددگار اور ساتھی مل جائیں"، ابوبصیرؓ نے یہ سنا تو سمجھے کہ آپ ﷺ پھر لوٹا دیں گے، اس لیے مدینہ سے ساحلی مقامات کی طرف نکل گئے، کچھ دنوں بعد اسی قسم کے ایک اور ستم رسیدہ بزرگ حضرت ابوجندلؓ بھی پہنچ گئے ان دونوں نے دوسرے بلاکشان ستم کے لیے راستہ کھول دیا، اور مظلوم مسلمان قریش کے پنجہ ظلم سے بھاگ بھاگ کر یہاں جمع ہونے لگے، چند دنوں میں ان کی خاصی جماعت ہوگئی، اتفاق سے قریش کے کاروان تجارت کا گذرگاہ یہی تھا، جب کوئی قافلہ گزرتا تو یہ لوگ اہل قافلہ کو قتل کر کے سامان لوٹ لیتے، اس سے قریش کی تجارت خطرہ میں پڑگئی، چنانچہ انہوں نے عاجز آکر آنحضرت ﷺ کے پاس آدمی بھیجا کہ خدا اور صلہ رحمی کا واسطہ اس مصیبت سے ہم کو نجات دلایئے، آئندہ سے جو مسلمان بھاگ جائے گا وہ آزاد ہے، اس پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿هو الذی کف أیدیهم عنکم وأیدیکم عنهم﴾ (وہی ہے جس

نے مشرکین کا ہاتھ تم سے اور تمہارا ہاتھ ان سے روک دیا)

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آزاد گروہ کے پاس لکھ بھیجا کہ ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ ہمارے پاس چلے آئیں، اور دوسرے لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں، یہ خط ایسے وقت پہنچا کہ حضرت ابو بصیرؓ بستر مرگ پر تھے، خط ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے، پڑھتے پڑھتے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، ابو جندلؓ نے نماز جنازہ پڑھا کر اسی ویرانہ میں سپرد خاک کیا اور یادگار کے طور پر قبر کے پاس ایک مسجد بنا دی۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابو جندل رضی اللہ عنہ اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب ان کا گھر اسلام دشمنی سے تیرہ و تار ہو رہا تھا، ان کے والد سہیل نے اسلام کے جرم میں ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا، اور وہ کئی برس تک قید محن میں گرفتار رہے، (۶ھ) میں صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کے والد سہیل قریش کی جانب سے معاہدۂ صلح لکھانے کے لیے آئے، جب معاہدہ کی کتابت شروع ہوئی اور یہ دفعہ زیر بحث تھی کہ قریش کا جو آدمی بھی خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو مسلمان اس کے واپس کرنے پر مجبور رہوں گے، ابھی اس پر بحث ہو رہی تھی اور قلم بند نہ ہوئی تھی کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ جو کسی طرح موقع پا کر نکل آئے تھے، بیڑیاں پہنے ہوئے پہنچ گئے، اور اپنے کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا، سہیل نے کہا: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم شرائط صلح پورا کرنے کا یہ پہلا موقع ہے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابھی صلح نامہ مکمل نہیں ہوا ہے اگر ابو جندل رضی اللہ عنہ واپس نہ کئے گئے تو پھر ہم کو کسی شرط پر صلح منظور نہیں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابو جندل رضی اللہ عنہ کو یہیں رہنے دو"، سہیل نے کہا: "یہ نہیں ہو سکتا"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اصرار کیا، لیکن سہیل کسی طرح ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے پاس چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاہدہ کی پابندی کا بڑا خیال تھا، اس لیے سہیل کے اصرار پر ابو جندل رضی اللہ عنہ کو حوالہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے، ابو جندل رضی اللہ عنہ کو کافروں نے اتنا مارا تھا کہ ان کے بدن پر نشان پڑ گئے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں واپس کر دیں گے تو مجمع کو مار کے نشانات دکھا کر فریاد کی کہ "مسلمانو! پھر مجھے کفار کا نشانہ ستم بنانے اور اس مصیبت میں

مبتلا رہنے کے لیے کافروں کے حوالے کیے دیتے ہو"، ان کی فریاد پر حضرت عمرؓ بہت متاثر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق نہیں ہیں"؟ فرمایا: "بے شک ہوں"، "پھر کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں"؟ فرمایا: "بیشک ہیں"، عرض کیا: "پھر ہم کیوں دب کر صلح کریں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا وہی میرا مددگار ہے"۔

غرض اس طرح ابو جندلؓ کو پابجولاں واپس کر دیا، ابو جندلؓ نے پھر فریاد کی کہ "مسلمانو! کیا میرے مذہب میں رخنہ ڈلوانے کے لیے مجھے قریش کے حوالہ کرتے ہو"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلدہی کی کہ "ابو جندلؓ صبر وضبط سے کام لو، خدا تمہارے اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کے لیے کوئی راستہ پیدا کرے گا، ہم صلح کر چکے اور صلح کے بعد ان سے بدعہدی نہیں کر سکتے"، اس ارشاد کے بعد مزید چوں وچرا کی گنجائش نہ تھی، چنانچہ ابو جندلؓ خاموشی کے ساتھ چلے گئے، اور کچھ دنوں کے بعد کسی طرح قید سے چھوٹ کر حضرت ابو بصیرؓ کی جماعت میں شریک ہو گئے، اور عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ (دیکھئے حالات ابو بصیرؓ)۔

حضرت ابو بکرہؓ کا قبول اسلام

ابو بکرہؓ طائف کے ایک رئیس کی غلامی میں تھے، جب آنحضرت ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو عام اعلان فرمایا کہ ''جو آزاد ہم سے مل جائے گا وہ مامون ہے، اور جو غلام چلا آئے گا وہ آزاد ہے''، یہ اعلان سن کر روسائے طائف کے بہت سے غلام اسلام کے دامن حریت میں آگئے، ان میں ایک ابو بکرہؓ بھی تھے، اعلان کے مطابق آپ ﷺ نے انہیں آزاد فرمایا، لیکن آزادی کے بعد ہی وہ اپنے کو آقائے دو عالم ﷺ کا غلام ہی کہتے تھے۔

لوگوں سے کہتے تھے ''میرے لیے یہ فخر کافی ہے کہ تمہارا دینی بھائی اور سرکار رسالت ﷺ کا غلام ہوں''، آزادی کے بعد قدیم آقا نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''میرا غلام میرے حوالے کیا جائے''، آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اللہ و رسول کے آزاد کردہ ہیں، اس لیے اب واپس نہیں کیے جا سکتے''۔

حضرت ابورفاعہ عدویؓ کا قبول اسلام

غالباً فتح مکہ کے بعد کسی زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، کہ ابورفاعہؓ پہنچے اور قریب جا کر عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک غریب الدیار اپنے دین کے بارے میں سوال کرنے آیا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس کا مذہب کیا ہے"۔

اس سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک کر اپنے پاس بلایا اور ایک کرسی پر جس میں لوہے کے پائے لگے ہوئے تھے بیٹھ کر ان کو ضروری تعلیم دی۔

حضرت ابوسفیانؓ بن حارث کا قبول اسلام

ابوسفیان کے والد حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے، اور ابوسفیان نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا دودھ پیا تھا اس لیے وہ نسبی اور رضاعی دونوں رشتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے، عمر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر تھے، اس لیے دونوں میں غایت درجہ الفت و محبت تھی۔

لیکن الفت و محبت کا یہ رشتہ ظہور اسلام کے بعد ٹوٹ گیا، دوسرے سرداران قریش کی طرح ابوسفیان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے مخالف ہوگئے کہ ان کی مخالفت دشمنی اور عناد کے درجہ تک پہنچ گئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور اسلام کے مٹانے کو انھوں نے اپنا مقصد حیات بنالیا تھا، چنانچہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان جس قدر معرکے ہوئے، ابوسفیان ان سب میں پیش پیش تھے، ان کی ساری قوتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف صرف ہوتی تھیں، شاعر تھے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کہہ کر کوچہ و بازار میں سناتے پھرتے تھے، طوطی اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان اشعار میں انہیں کی ہجو کا ذکر کیا ہے۔

ألا بلغ أبا سفيان عني
مغلغلة فقد برح الخفاء
هجوت محمدا فأجبت عنه
وعند الله في ذاك الجزاء

(ابوسفیان کو میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ پردہ اٹھ گیا تم نے محمد

ﷺ کی ہجو کی، میں نے اس کا جواب دیا اور اس جواب میں خدا کے پاس میرے لیے جزا ہے)

کامل بیس برس تک یہ معاندانہ روش قائم رہی، فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کی تیاریوں میں مصروف تھے، اور مکہ میں آپ ﷺ کی آمد آمد کی خبر پھیل رہی تھی، ابوسفیان نے ایک دن بیوی سے کہا: ''محمد ﷺ آنے والے ہیں، تم لوگ یہاں سے نکل چلو''، نیک خاتون نے جواب دیا: ''عرب وعجم محمد ﷺ کے مطیع ہوتے ہیں، لیکن تم اب تک اسی بغض وعداوت پر قائم ہو، حالانکہ تم پر ان کی امداد واعانت کا زیادہ حق ہے''، بیوی کی بات دل میں اثر کر گئی، اسی وقت سواری کا انتظام کیا، اور اپنے لڑکے جعفر کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کھڑے ہوئے، اس وقت مسلمان کا مقدمۃ الجیش مقام ابواء تک پہنچ چکا تھا، ابوسفیان اشتہاری مجرم تھے، ہر آن جان کا خطرہ لگا ہوا تھا، ڈرتے ڈرتے چھپتے چھپاتے کسی طرح مسلمانوں کے لشکر گاہ تک پہنچے اور دفعۃً رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے، آپ ﷺ کا دل ان کے گزشتہ اعمال کی وجہ سے سخت متنفر تھا، اس لیے نظر پڑتے ہی منہ پھیر لیا، ابوسفیان اس رخ پر آ گئے، تو آپ ﷺ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا، یہ دیکھ کر مسلمان انہیں پکڑنے کے لیے بڑھے، ابوسفیان سمجھے اب کام تمام ہوا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے رحم وکرم، عفو ودرگذر اور آپ ﷺ کے ساتھ اپنی گوناگوں رشتہ داریوں کا واسطہ دلا کر مسلمانوں کو روکا۔

ابوسفیان کی پوری زندگی آنحضرت ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں گذری تھی، انہوں نے آپ ﷺ کی تحقیر وتذلیل، مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کو ختم کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے دل میں ان کے لیے کوئی جگہ باقی نہ رہ گئی تھی، اور آپ ﷺ کسی طرح درگذر فرمانے پر آمادہ نہ تھے، آخر میں ابوسفیان نے ام المومنین حضرت ام سلمہ کو درمیان میں ڈالا، انہوں نے

سفارش کی کہ اپنے ابن عم کو مایوس مت کیجئے، فرمایا: "مجھے ایسے ابن عم کی ضرورت نہیں ہے، انہوں نے میری آبروریزی کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھا ہے"، ابوسفیان سے کچھ بن نہ پڑتا تھا، گزشتہ زندگی پر سخت نادم و شرمسار تھے، لیکن بارگاہ نبوی میں کوئی شنوائی نہ ہوئی، جب بالکل مایوس ہو گئے تو کہا: "خیر اگر عفو و کرم کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے تو

جان سے ہم بھی گذر جائیں گے سوچا ہے یہی

اور اس کمسن بچے کو ساتھ لے کر در بدر مارے مارے پھریں گے اور بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیں گے، ابوسفیان لاکھ مجرم سہی پھر بھی چچیرے بھائی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک اس عزم کی خبر پہنچی تو دل بھر آیا اور نفرت و حقارت کے سارے جذبات مہر و محبت سے بدل گئے۔

ابوسفیان کو سامنے آنے کی اجازت ملی، دونوں باپ بیٹے عمامہ باندھے ہوئے سامنے لائے گئے اور "السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ کر آگے بڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان کے چہروں سے ڈھاٹا ہٹاؤ صورت تو دکھائی دے"، لوگوں نے ڈھاٹا ہٹایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اثر پذیر کرنے کے لیے ان کا نسب بیان کیا، اس کے بعد باپ بیٹے دونوں کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک ہجو کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "ابوسفیان! تم نے مجھ کو کب نکالا تھا"، عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب زیادہ ملامت کر کے شرمندہ نہ کیجئے"، فرمایا: "اب کوئی ملامت نہیں"، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنے ابن عم کو لے جاؤ اور وضو اور سنت کی تعلیم دے کر میرے پاس لاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ لے گئے اور نہلا کر واپس لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اعلان کر دو کہ ابوسفیان سے خدا اور رسول راضی ہو گیا اس لیے تم بھی راضی ہو جاؤ۔

اسلام کے بعد تلافی مافات کی فکر ہوئی، غزوہ حنین میں جب مشرکین کے ریلے کی وجہ سے مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف سے منتشر ہو گئے، اور ایک عام

بے ترتیبی پھیل گئی، اس وقت بھی ابوسفیان اپنی جگہ پر جمے رہے، اور شمشیر برہنہ لے کر گھوڑے کی پیٹھ پر سے کود پڑے، حضرت عباسؓ نے یہ جانبازی دیکھ کر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ''اپنے بھائی کی خطاؤں کو معاف کردو''، فرمایا: ''میں نے معاف کردیا، خدا ان کی تمام عداوتوں کو جو انہوں نے میرے ساتھ کی ہیں معاف فرمائے''، اور شفقت برادرانہ میں ابوسفیان سے فرمایا: ''میری عمر کی قسم! تم میرے بھائی ہو''، اس برادرانہ اور شفقت آمیز خطاب پر ابوسفیان نے قدم مبارک چوم لیے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی لگام تھام کر مشرکین کے سامنے سینہ سپر ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فدویت وجاں نثاری پر ''اسد اللہ اور اسد الرسول'' کا معزز لقب عطا کیا۔

وفات کے وقت خود اپنی ہی قبر کھود کر اپنی پہلی منزل تیار کی، جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو رشتہ داروں نے رونا دھونا شروع کردیا ان کا رونا سن کر فرمایا: ''اسلام کے بعد سے آج تک کوئی گناہ نہیں ہوا اس لیے رونا دھونا بند کرو''، قبر کھودنے کے تیسرے دن وفات پاگئے۔

حضرت ابوسفیانؓ بن حرب کا قبول اسلام

ظہور اسلام کے وقت اس کی سب سے زیادہ مخالفت ان ہی لوگوں کی جانب سے عمل میں آئی جو قریش کے سب سے بااثر رئیس تھے، اور بنی ہاشم کے حریف تھے، اور اس لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ انہیں دوہری مخالفت تھی، چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی، مسلمانوں کی مخالفت، اور اسلام کو مٹانے میں سب سے پیش پیش رہتے تھے، اسلام مٹانے میں انہوں نے اپنی پوری قوتیں صرف کردیں، آغاز دعوت اسلام سے لے کر فتح مکہ تک اسلام کی مخالفت اور اسکی بیخ کنی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، دعوت اسلام کے آغاز میں قریش کا جو وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت لے کر گیا تھا اس کے ایک رکن ابوسفیان بھی تھے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کی جو سازش ہوئی تھی، جس کے سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی اس میں بھی ابوسفیان کا ہاتھ شامل تھا، کفر و اسلام کا سب سے پہلا مقابلہ بدر میں ہوا، اس میں ابوسفیان شریک نہ ہو سکے اس وقت وہ کاروان تجارت لے کر گئے ہوئے تھے۔

بدر میں بڑے بڑے معززین قریش مارے گئے تھے، اس لیے سارا قریش جذبہ انتقام میں دیوانہ ہو رہا تھا، ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ مارے جا چکے تھے، ان کے بعد قریش کی مسند ریاست پر ابوسفیان بیٹھے، اس لیے بحیثیت سردار قوم کے مقتولین بدر کا انتقام ان کا پہلا فرض تھا، اس کے علاوہ خود ان کا ایک لڑکا حنظلہ مارا گیا تھا، اس لیے یہ انتقام اور زیادہ موکد ہو گیا تھا، اور انہوں نے حلف لے لیا تھا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سے بدر کا انتقام نہ لے لیں گے، اس وقت تک عورتوں کو نہ چھوئیں گے، اس حلف کے بعد دوسو سواروں کا دستہ لے کر مدینہ پہنچے، یہاں کے یہود مسلمانوں کے خلاف تھے، اس لیے ابوسفیان ایک یہودی رئیس حیّ بن اخطب کے پاس گئے، رات کا وقت تھا، گھروں کے دروازے بند ہو چکے تھے، ابوسفیان نے حیّ کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر اس نے دشمن کے خوف سے نہ کھولا، اس لیے ابوسفیان اس کے دروازہ سے لوٹ آئے، اور ایک دوسرے ممتاز یہودی اور بنی نضیر کے سردار اور خزانچی سلام بن مشکم کے پاس پہنچے، اس نے نہایت پرتپاک استقبال کیا اور بڑی خاطر تواضع کی، کھانا کھلایا، شراب پلائی، اور ابوسفیان کی مہم کے متعلق بہت سی راز کی باتیں بتائیں، صبح کو ابوسفیان نے مدینہ کے قریب عریض پر حملہ کر کے کھجور کے باغوں کی ٹٹیاں جلا ڈالیں، اور ایک انصاری اور اس کے حلیف کو قتل کر کے لوٹ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعاقب کیا قرقرۃ الکدر میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابوسفیان بہت آگے نکل چکا ہے، اس لیے واپس تشریف لے آئے۔

اس واقعہ سے ایک حد تک ابوسفیان کی قسم پوری ہوگئی، لیکن ابھی مقتولین بدر کا انتقام باقی تھا، اور جن جن لوگوں کے اعزہ واقربا مارے گئے تھے، وہ انتقام کے لیے بے چین تھے، چنانچہ ابوجہل کا لڑکا عکرمہ، عبداللہ بن ربیعہ، صفوان بن امیہ، اور جن جن لوگوں کے اعزہ واقربا مارے گئے تھے ابوسفیان کے پاس پہنچے، اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگ اپنے کاروان تجارت کا نفع ہم کو دیدیجیے کہ اس کے ذریعہ ہم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کا سامان کریں، ابوسفیان نے کہا: ”میں اپنا حصہ سب سے پہلے دیتا ہوں اور اس کے علاوہ قریشی خاندان کے ہر ممبر نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ چندہ دیا“۔

غرض قریش تیاریاں کر کے بڑے سروسامان سے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے نکلے، اور مدینہ کے پاس کوہ احد پر فوجیں اتاریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سات سو جاں نثاروں کی مختصر جماعت لے کر مدافعت کے لیے تشریف لے گئے، احد پر دونوں کا

مقابلہ ہوا، مسلمانوں کی جاں فروشی نے کفر کی ٹڈی دل کو پسپا کر دیا، آنحضرت ﷺ نے صف بندی کے وقت مسلمانوں کا ایک دستہ پشت پر حفاظت کے لیے متعین کر دیا تھا کہ مخالفین پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکیں، مشرکین کی پسپائی کو دیکھ کر اس دستہ نے مال غنیمت کی طمع میں اپنا مرکز چھوڑ دیا، خالد بن ولید مشرکین کے دستہ کے لیے ہوئے منڈلا رہے تھے، انہوں نے میدان خالی پا کر پیچھے سے حملہ کر دیا، مسلمان اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور بہت بری طرح پیچھے ہٹے، بہت سے مسلمان اس پسپائی میں شہید ہو گئے، آنحضرت ﷺ کا چہرۂ انور زخمی اور دندان مبارک شہید ہوئے، آپ کے پاس چند جانثاروں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہ گیا تھا، ہر شخص اپنی جگہ بدحواس ہو رہا تھا، اس لیے آپ کی شہادت کی خبر اڑ گئی، ابوسفیان کامیابی کے نشہ میں مخمور تھا، بولا: ''آج کا دن بدر کا جواب ہے''۔

(۸ھ) میں جب آنحضرت ﷺ نے تطہیر کعبہ کے لیے مکہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا، تو گو مخفی رکھنے کا اہتمام کیا تھا، مگر مکہ میں آپ ﷺ کی آمد کی خبریں پہنچ گئیں، اس وقت وہ مشرکین قریش جنھوں نے آپ ﷺ کو نہایت بے کسی کی حالت میں اس ارض مقدس سے جلاوطن کیا تھا، اپنے انجام سے بہت گھبرائے کہ اب اسلام کے سیلاب کو روکنا ان کے بس سے باہر ہو چکا تھا، آنحضرت ﷺ نے مکہ کے قریب پہنچ کر مرالظہران میں قیام فرمایا، ابوسفیان، حکیم بن حزام، اور بدیل بن ورقاء تحقیقات کے لیے نکلے تھے، دور سے دیکھا کہ مرالظہران کا میدان رات کی تاریکی میں روشنی کی کثرت سے وادی ایمن بنا ہوا ہے، ابوسفیان نے کہا: ''یہاں عرفہ کی جیسی روشنی کیسے ہو رہی ہے''؟ بدیل نے کہا: ''بنی عمرو! آگ روشن کیے ہیں''، ابوسفیان نے اعتراض کیا کہ ''ان کی تعداد اتنی کہاں ہے''۔

گو قریش نے مسلمانوں پر بڑی ستم آرائیاں کی تھیں، پھر بھی وہ رسول اللہ ﷺ اور اکثر اکابر صحابہ کے ہم خاندان تھے، اور ان میں ان کے اعزہ واقربا بھی موجود تھے،

اس لیے حضرت عباسؓ کے دل میں خیال آیا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور قریش نے پہلے سے جان و مال کی امان نہ لے لی تو سب تباہ ہو جائیں گے، چنانچہ وہ اس تلاش میں نکلے کہ اگر مکہ جانے والا کوئی آدمی مل جائے، تو اس کی زبانی قریش سے کہلا بھیجیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہر ان تک پہنچ چکے ہیں، وہ لوگ آکر جان بخشی کرالیں، اتفاق سے حضرت عباسؓ اسی سمت گئے جدھر ابوسفیان اور بدیل تھے، ابوسفیان کی آواز سن کر حضرت عباسؓ نے ان کو پکارا انھوں نے آواز پہچان کر کہا: ''ابوالفضل''؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا: ''ہاں میں ہوں''، ابوسفیان بولے: ''میرے ماں باپ فدا ہوں، تم یہاں کہاں''؟ فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان آگئے ہیں''، ابوسفیان نے سراسیمہ ہو کر کہا: ''پھر کوئی تدبیر بتاؤ''، حضرت عباسؓ نے ان کے ساتھیوں کو لوٹا دیا اور انھیں عفو تقصیر کے لیے اپنے ساتھ سوار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلے۔

حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے تو چلے، مگر وہ اشتہاری مجرم تھے، اور تمام مسلمان ان سے خار کھاتے تھے، روشنی کی کثرت اور بھی راز فاش کیے دیتی تھی، قدم قدم پر لوگ سوال کرتے کہ کون ہے؟ لیکن پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ اور حضرت عباسؓ کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں، حضرت عباسؓ لوگوں کی نظریں بچاتے ہوئے آرہے تھے، لیکن وہ حضرت عمرؓ کی قیام گاہ کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے ابوسفیان کو پہچان لیا، اور جوش غضب میں بے تاب ہو کر چلائے، ''او دشمن خدا! خدا کا شکر ہے اس نے بلا کسی عہد و پیمان اور ذمہ داری کے تجھ پر قابو دے دیا''، مگر حضرت عباسؓ ساتھ تھے، اس لیے حضرت عمرؓ سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے، لیکن حضرت عباسؓ ان سے پہلے پہنچ چکے تھے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ابوسفیان ہے، خدا نے اس کو بغیر عہد و پیمان کے ہمارے حوالہ کر دیا ہے، اجازت دیجیے کہ اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں''،

حضرت عباسؓ نے فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ان کو امان دے دی ہے"، ابو سفیان کا سر پکڑ کے بیٹھ گئے، حضرت عمرؓ برابر ابوسفیان کے قتل پر مصر تھے ان کا اصرار دیکھ کر حضرت عباسؓ نے فرمایا: "عمرؓ! اگر تمہارے قبیلہ کا کوئی شخص ہوتا تو تم ہرگز اتنا اصرار نہ کرتے، لیکن تم کو بنی عبد مناف کی کیا پرواہ"، حضرت عمرؓ نے اس طنز کے جواب میں کہا: "عباسؓ! خدا کی قسم مجھ کو تمہارے اسلام کی اتنی خوشی ہوئی کہ اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے نہ ہوتی"، آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا: "اس وقت انہیں لے جا کر اپنے پاس سلاؤ صبح کو فیصلہ کیا جائے گا"۔

اس ارشاد پر حضرت عباسؓ ابوسفیانؓ کو ساتھ لے گئے، رات بھر پاس رکھا، اور صبح کو حسب ہدایت بارگاہ نبوی میں لا کر حاضر کیا، اور وقت اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن آنحضرت ﷺ کے خون کا پیاسا، جس نے آپ ﷺ کی تحقیر و تذلیل اور جان لینے تک میں کوئی تامل نہ کیا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح سے اذیتیں دی تھیں، اسلام کو مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، بے کس ولاچار اور بے حامی و مددگار بارگاہ رسالت میں حاضر تھا، اور رحمۃ للعالمین کے دامن عفو و کرم کے علاوہ دنیا میں اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی، بارگاہ رسالت سے اس سنگین مجرم کے لیے قتل کی سزا نہیں تجویز ہوتی، قید خانہ کی چار دیواری میں بند نہیں کیا جاتا، جلائے وطن کا حکم نہیں ملتا، بلکہ ﴿وما أرسلناك الا رحمة للعالمين﴾ کی عملی تفسیر ہوتی ہے، فرماتے ہیں: "ابو سفیان! افسوس کا مقام ہے کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرو"، اس سوال پر وہ زبان جو معلوم نہیں کتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے دل پر تیر و نشتر لگا چکی تھی یوں گویا ہوتی ہے "میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ ﷺ کتنے بڑے شریف اور کتنے بڑے صلہ رحم کرنے والے ہیں، خدا کی قسم! اگر خدا کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو آج میرے کام نہ آتا"، پھر ارشاد ہوتا ہے "ابوسفیان! تمہاری حالت قابل افسوس ہے، کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مجھے خدا کا رسول مانو"، جاہلی حمیت

اور قومی عصبیت اب بھی اعتراف رسالت کی اجازت نہیں دیتی تھی، جواب ملتا ہے "میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں، آپ کس قدر حلیم، کس قدر شریف، اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں، خدا کی قسم! ابھی تک مجھ کو اس میں شک ہے"، حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ جاہلی حمیت سن کر ڈانٹتے ہیں "ابوسفیان اس سے پہلے کہ تمہارا سرتن سے جدا ہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لو" حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ڈانٹ پر ابوسفیان کلمہ توحید پڑھتے ہیں، اور وہ سرکش جو جاہلی رعونت سے خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا آستان نبوی پر خم ہو جاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف ابوسفیان کی جاں بخشی کا اعلان فرماتے ہیں، بلکہ اس کے گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مشورہ ہو چکے تھے، "جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہے" کے اعلان کرم سے بیت الامن قرار دیتے ہیں۔

حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابو العاص حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے، وہ انہیں بہت محبوب رکھتی تھیں، اور اپنا لڑکا تصور کرتی تھیں، وہ نہایت مالدار آدمی تھے، زمانہ جاہلیت میں ان کا نہایت وسیع تجارتی کاروبار تھا، ان کی دیانت وامانت بھی بہت مشہور تھی، ان اوصاف کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی کہ ''حضرت فاطمہ زہراؓ کی بڑی بہن حضرت زینبؓ کو ان کے ساتھ بیاہ دیا جائے''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی سے پہلے کسی معاملہ میں حضرت خدیجہؓ کی مخالفت نہیں کرتے تھے، اس لیے ان کی خواہش کے مطابق زینبؓ کی شادی ابو العاص سے کردی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کی سب سے اول حضرت خدیجہؓ نے تصدیق کی، آپ کے ساتھ آپ کی تمام صاحبزادیاں جن میں حضرت زینبؓ بھی شامل تھیں نور اسلام سے مستنیر ہوئیں، لیکن زینبؓ کے شوہر ابو العاص اپنے آبائی دین پر قائم رہے، اسی لیے جب ہجرت کا حکم ملا تو وہ ہجرت نہ کرسکیں۔

غزوۂ بدر میں ابو العاص مشرکین مکہ کے ساتھ تھے، اور مشرکین کے شکست کھانے کے بعد وہ بھی دوسرے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوئے، جن جن لوگوں کے اعزہ گرفتار ہوئے تھے وہ سب فدیہ لے کر انہیں چھڑانے کے لیے آئے، گو حضرت زینبؓ مسلمان ہوچکی تھیں اور ابو العاص مشرک تھے، تاہم وہ اب تک شوہر کے ساتھ تھیں، اور ان کا دل ان کی محبت سے معمور تھا، شوہر کو قید وبند کی حالت میں نہ دیکھ سکیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام قانون سے انہیں الگ نہیں کرسکتے تھے، اس لیے حضرت زینبؓ نے کچھ نقدی اور ایک

ہار جو انہیں مرحومہ ماں نے دیا تھا، شوہر کے فدیہ میں بھیجا، آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ ہار پیش ہوا تو آپ ﷺ نے پہچان لیا اور حضرت خدیجہؓ کی یاد میں بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا: ''اگر تم لوگ بغیر اس ہار کو لیے ہوئے ابو العاص کو چھوڑ سکتے ہو تو چھوڑ دو اور ہار واپس کر دو''، مسلمانوں نے نہایت خوشی کے ساتھ منظور کر لیا، اور ابولعاص رہا کر دیئے گئے، مگر یہ وعدہ لے لیا گیا کہ وہ زینبؓ کو جو اب تک مکہ میں تھیں، مدینہ پہنچا دیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو چند انصاری بزرگوں کے ساتھ زینبؓ کو لانے کے لیے بھیجا، بالآخر بچھڑی ہوئی لخت جگر آغوش پدر میں پہنچ گئی۔

ابو العاص رہائی کے بعد پھر اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف ہو گئے تھے، فتح مکہ سے کچھ دنوں پہلے قریش کا سامان تجارت لے کر ملک شام گئے، وہاں سے واپسی میں راستہ میں مسلمانوں نے روک کر ان کا کل سامان چھین لیا، جب مسلمان لوٹ گئے، تو ابو العاص اپنا مال حاصل کرنے کے لیے خفیہ حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، حضرت زینبؓ کو ان سے اب تک وہی محبت تھی، انہوں نے ان کو اپنے دامن حمایت میں لے لیا، اور صبح کو جب مسلمان نماز پڑھنے کے لیے گئے، تو زینبؓ نے بآواز بلند اعلان کیا کہ ''مسلمانو! میں نے ابو العاص کو پناہ دے دی ہے''، آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا: ''لوگو! تم نے کچھ سنا''؟ سب نے عرض کیا: ''ہاں'' آپ ﷺ نے ان کی بدگمانی دور کرنے کے لیے فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس سے پہلے مجھے اس واقعہ کا کوئی علم نہ تھا، ابو العاص مسلمانوں سے پناہ کا خواہاں ہے''، اس کے بعد آپ ﷺ کا شانہ اقدس پر تشریف لائے، اور حضرت زینبؓ سے فرمایا: ''جان پدر! اپنے شوہر کی خاطر و مدارات میں کوئی کمی نہ کرو، مگر تم قانون اسلام کی رو سے ان پر حرام ہو''، حضرت زینبؓ کو یہ ہدایت دے کر پھر باہر تشریف لائے اور مسلمانوں سے فرمایا کہ ''تم لوگ میری اور ابو العاص

کی قرابت سے واقف ہو ان کا جو مال تمہارے قبضہ میں ہے، اگر اس کو احسان کر کے واپس کر دو تو زیادہ بہتر ہے، اور اگر نہ واپس کرو تو وہ خدا کا عطیہ اور تمہارا حق ہے، مجھ کو کوئی اعتراض و اصرار نہیں ہے"، اس کے جواب میں سب نے ایک زبان ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سب واپس کرنے کو تیار ہیں"، چنانچہ ابو العاص کو ان کا کل مال واپس مل گیا اور اس میں کوئی معمولی چیز بھی باقی نہ رہی وہ یہ مال لے کر مکہ گئے اور جن جن لوگوں کا جو جو سامان تھا، سب کو پہنچا دیا، اور حساب و کتاب چکانے کے بعد پوچھا: "اب تو کسی کا مال باقی نہیں ہے"؟ سب نے کہا: "نہیں، خدا تم کو جزائے خیر دے ہم نے تم کو وعدہ وفا کرنے والا اور کریم پایا"۔

سب کو مطمئن کرنے کے بعد کلمہ شہادت پڑھ کر بآنگ دہل اپنے اسلام کا اعلان کیا اور کہا: "میں مدینہ ہی میں مسلمان ہو گیا ہوتا، لیکن محض اس خیال سے کہ تم لوگوں کو یہ بدگمانی نہ ہو کہ میں نے تمہارا مال ہضم کرنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے اب تک رکا رہا، اب جب کہ خدا نے مجھ کو تمہارے حساب و کتاب اور تمہارے بار سے سبکدوش کر دیا، اس وقت میں نے اسلام کو ظاہر کیا"۔

مکہ میں اعلان کر کے مدینہ واپس آئے اور یہاں باقاعدہ مشرف باسلام ہوئے، ان کے قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے ساتھ ان کے نکاح کی تجدید نہیں کی بلکہ گزشتہ نکاح برقرار رکھا، لیکن بعض روایتوں کی رو سے تجدید فرمائی تھی۔

حضرت ابو محذورہؓ کا قبول اسلام

(۸ھ) میں مشرف باسلام ہوئے، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ ابو محذورہ چند مشرکین کے ساتھ کہیں جارہے تھے، ٹھیک اسی وقت آنحضرت ﷺ غزوۂ حنین سے واپس تشریف لارہے تھے، راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی، موذن نبوی نے نماز کے لیے اذان دی، ابو محذورہ کے ساتھیوں نے اذان کی آواز سنی تو بطور مذاق اس کی نقل اتارنے لگے، ابو محذورہ نے بھی نقل اتاری، ان کی آواز نہایت دلکش تھی، اس لیے مذاق میں بھی دلکشی باقی رہی، آنحضرت ﷺ نے آواز سن کر اذان دینے والوں کو بلا بھیجا، یہ لوگ آئے، آپ ﷺ نے پوچھا: ”ابھی کس نے بلند آواز سے اذان دی تھی“؟ ابو محذورہ کے ساتھیوں نے ان کی طرف اشارہ کردیا، آپ ﷺ نے سب کو واپس کردیا اور انہیں روک لیا، اور اذان دینے کی فرمائش کی، ابو محذورہ کو یہ فرمائش بہت گراں گزری لیکن انکار کی جراءت نہ تھی، ان کو اذان سے پوری واقفیت نہ تھی، اس لیے آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا، انہوں نے آپ ﷺ کی زبان سے سن کر اسی کو دہرایا، زبان نبی کا یہ اعجاز تھا کہ اس مرتبہ اذان دینے میں زبان کے ساتھ دل بھی ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پکار اٹھا، ابو محذورہ جو ابھی چند ساعت پہلے اذان کا مذاق اڑاتے تھے، اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، آنحضرت ﷺ نے انہیں ایک تھیلی میں تھوڑی سی چاندی مرحمت فرمائی، اور ان کی پیشانی سے لے کر ناف تک دست مبارک پھیر کر برکت کی دعا فرمائی۔

یا ابو محذورہ اذان کا مذاق اڑاتے تھے، یا دفعۃً یہ تبدیلی ہوئی کہ آنحضرت ﷺ

سے درخواست کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے مکہ میں اذان دینے کی اجازت مرحمت ہو"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا اور ابو محذورہؓ اجازت لے کر مکہ چلے گئے، اس وقت ان کا دل محبت نبوی سے معمور ہو چکا تھا، مکہ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل عتاب بن اسیدؓ کے یہاں اترے، اور مستقل اذان دینے کی خدمت انجام دینے لگے، فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ کا مستقل مؤذن بنادیا، مکہ کے مؤذن ہونے کی وجہ سے ہمیشہ یہیں رہے۔

حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ان کے اسلام کے متعلق یہ تو متعین طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب اور کہاں قبول کیا، مگر قرائن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے اور ان کو نجاشی کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی اور ان کے ذریعہ اہل حبشہ کو اسلام سے واقف ہونے کا موقع ملا، تو خود نجاشی اور ان کے ساتھ بہت سے علمائے نصاریٰ نے اسلام قبول کیا، غالباً انہیں اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابرہہؓ اور ان کے دوسرے رفقاء بھی تھے، جیسے حضرت ادریسؓ، حضرت اشرف حبشیؓ، حضرت بحیر حبشی، حضرت تمامؓ، حضرت تمیم حبشی، حضرت دریدالراہبؓ، حضرت ذودجنؓ، حضرت ذوتخمؓ، حضرت ذومناحبؓ، حضرت ذومہدمؓ، حضرت عامرؓ الشامی، حضرت نافعؓ وغیرہ، اہل حبشہ میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا، اتفاق سے اسی درمیان میں مہاجرین حبشہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ واپس آرہے تھے تو حبشہ کے ۷۲/ آدمی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے ان میں حضرت ابرہہ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

حضرت اسیدؓ بن سعید کا قبول اسلام

قبیلہ ہدل جو بنو قریظہ کی ایک شاخ تھی اس سے آپ کا نسبی تعلق تھا، حضرت عبد اللہ بن سلام بھی اسی قبیلہ کے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا ان میں بنی قریظہ کا قبیلہ بھی تھا، معاہدہ کی رو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، لیکن (۵ھ) میں انہوں نے معاہدہ شکنی کی، بنو قریظہ کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا، حضرت سعد بن معاذؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ کے جتنے بالغ مرد ہیں وہ سب قتل کئے جائیں اور عورتیں اور بچے اور لونڈی غلام بنا لیے جائیں، جب اس فیصلہ کی خبر حضرت اسید کو ہوئی تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن الھیبان کی بات یاد نہیں، (ابن الھیبان ایک یہودی عالم تھا جو ملک شام سے مدینہ آیا تھا، مدینہ کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے، جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے یہود کو جمع کیا اور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں شام جیسی سرسبز و شاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا، میں یہاں اس لیے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا جو یہاں ہجرت کر کے آئے گا، میں اگر زندہ رہتا تو اس کا اتباع کرتا، دیکھو، تم لوگ اس کی اطاعت سے گریز نہ کرنا، ورنہ یہ اعراض تمہارے قتل کا سبب بنے گا، چنانچہ بنو قریظہ نے اس سے وعدہ

کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کریں گے کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اس نبی برحق کا اتباع کرو، مگر یہود نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا، حضرت اسید نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جن میں ان کے بھائی اسدؓ بن عبید بھی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، اور اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بچالیا، چنانچہ جب اسلام لائے تو یہود نے مختلف طریقہ سے آپ کو ستانا شروع کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ليسوا سوآء من أهل الكتاب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون﴾ (سب اہل کتاب برابر نہیں، ان میں ایک جماعت ہے جو دین پر قائم ہے اور رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے اور وہ نمازی بھی ہیں)

حضرت بشیرؓ بن معاویہ کا قبول اسلام

حضرت بشیر اسقف (پادری) کے بھائی تھے، اہل نجران کے پاس جب آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا تو انہوں نے ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں دریافت حال کے لیے بھیجا، یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستہ میں اسقف رئیس وفد (پادری) نے آنحضرت ﷺ کے اس نامہ مبارک کو پڑھنا شروع کیا، اتفاق سے اسی درمیان میں بشیر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگی، اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کچھ نا ملائم الفاظ استعمال کیے، اسقف نے ڈانٹا اور کہا: ”وہ نبی صادق ہیں“، حضرت بشیرؓ کے دل میں یہ بات گھر کر گئی، انہوں نے فرمایا کہ ”جب وہ نبی صادق ہیں تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں، اونٹنی کا کجاوہ نہ کھولوں گا“، چنانچہ وہ شوق و وارفتگی میں اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے پھر مدینہ واپس ہوئے اور خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور ساری زندگی دربار رسالت کی غلامی میں گذاری۔

حضرت جبر کا قبول اسلام

جبر عبداللہ بن الحضرمی کے غلام اور مذہباً یہودی تھے، خدمت نبوی میں اکثر ان کی آمد ورفت رہا کرتی تھی، ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ یوسف تلاوت فرمائی، ان پر کلام الٰہی کا ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت مشرف باسلام ہو گئے۔

لیکن چونکہ وہ ابن حضرمی کے خاندان کے غلام تھے، اور اس خانوادہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس لیے ان کو ڈر تھا کہ اگر وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی جان کی خیر نہیں، اس بنا پر انہوں نے اسلام قبول کیا لیکن آنحضرت ﷺ کے یہاں آمد ورفت یا اور کسی ذریعہ سے جب انہیں ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان پر سختی شروع کی، اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر مجبور کیا، لیکن اسلام کی تاثیر ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک بار دل میں گھر کر جانے کے بعد زائل ہو سکے، چنانچہ ظاہری طور پر انہوں نے اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا، لیکن قلب کے سوز وگداز کا حال وہی تھا، چنانچہ قرآن نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿وقلبه مطمئن بالایمان﴾ (ان کو کفر کے اظہار پر مجبور کیا گیا) لیکن ان کا قلب ایمان پر مطمئن ہے)

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے اسی وقت انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپاتے رہے جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنی تکالیف اور گذشتہ مشقتوں کا اظہار کیا، آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا، آزادی کے بعد انہوں نے پوری زندگی بڑی فارغ البالی سے گزاری۔

حضرت حیر نجرہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حیر نجرہ نسباً اور عقیدۃً یہودی تھے، لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ یہود کے کس قبیلہ سے آپ کا تعلق تھا اور کہاں کے آپ باشندہ تھے، آگے جو واقعات آتے ہیں ان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہود مدینہ ہی کے کسی قبیلہ سے رہے ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیر نجرہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی، انہوں نے آپ سے اس کا تقاضا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت ادائیگی کے لیے رقم موجود نہیں تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہلت چاہی، مگر حیر نجرہ نہ مانے اور کہا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مجھے میرا قرض نہ ادا کردیں گے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑوں گا''، چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل چمٹ کر بیٹھ گئے، صحابہ کرام کو ان کا یہ طرز عمل برا معلوم ہوا، انہوں نے حیرہ نجرہ کو کچھ لعنت وملامت کرنی شروع کی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا اور فرمایا کہ ''میرے رب نے مجھے اس سے روکا ہے کہ میں اپنے کسی معاہد پر کسی قسم کا ظلم کروں''، پھر دن ڈھلتے ڈھلتے حیر نجرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حلیمانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا، اور اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ برضا ورغبت راہ خدا میں خرچ کر ڈالا۔

حضرت عداس نینوائی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

عداس شیبہ بن ربیعہ کے غلام تھے، نینوا کے مشہور مقام موصل کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے، مذہبا عیسائی تھے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدسلوکی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں شیبہ اور عتبہ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، عداس کو انگور کے کچھ خوشے دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، جب عداس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انگور لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ فرمایا اور لے لیا، عداس رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا کہ "یہ تو ایک نیا طرز کلام سن رہا ہوں"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہاں کے رہنے والے ہو"؟ عداس رضی اللہ عنہ نے بتایا: "نینوا کا رہنے والا ہوں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جہاں کے حضرت یونس علیہ السلام رہنے والے تھے"؟ عداس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام کون ہیں"؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں"۔

عداس رضی اللہ عنہ نے نبوت کے یہ آثار وصفات دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور پیروں کا بوسہ لیا اور کہہ اٹھے:

"أشهد أنك عبد الله و رسوله" (میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)

شیبہ وعتبہ دور سے حضرت عداس رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے، جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے کہا کہ "تم نے دست بوسی کیوں کی"؟ حضرت عداس رضی اللہ عنہ نے کہا: "یہ دنیا کے بہترین شخص ہیں"، یہ سن کر ان دونوں نے کہا کہ "کہیں وہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کردیں، تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے"۔

حضرت عمروؓ بن سعدی کا قبول اسلام

قبیلہ قریظہ سے نسبی تعلق تھا، بنو قریظہ جس روز جلا وطن کیے گئے، آپ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ "اے یہود! تم لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نقض عہد کیا، ان سے غداری کی، ان سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے دشمنوں کی مدد نہ کرو گے، مگر تم نے اس کی خلاف ورزی کی، میں نے اس وقت بھی اس سے گریز کیا تھا، اور اب بھی تم سے بالکل علاحدہ ہوں"، اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ "اے قوم! جو کچھ پیش آیا وہ تم دیکھ چکے، اب آؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں، خدا کی قسم تمہیں معلوم نہیں کہ ابن الہیبان اور ابن الحراش جو ہم سب سے بڑے عالم تھے ان کی آمد اور اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے"۔

اس کے بعد وہ مسجد آئے اور رات وہیں بسر کی اور اسلام قبول کیا، اور پھر دوسرے روز مدینہ سے باہر کہیں چلے گئے، ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس کی سچائی کی وجہ سے نجات دی"۔

حضرت عمیرؓ بن امیہ کا قبول اسلام

عمیر کا سلسلہ نسب معلوم نہیں، ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھے، ان کی ایک بہن تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طریقہ سے تکلیف دیتی تھی اور سخت و سست کہا کرتی تھی، حضرت عمیرؓ کو ایک روز غصہ آیا اور چپکے سے اسے قتل کر دیا، جب اس کے لڑکوں کو خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئے اور آپ کے بجائے ایک دوسرے شخص کو قاتل سمجھ کر اس سے بدلہ لینا چاہا، حضرت عمیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے قتل کیا ہے“، فرمایا: ”اپنی بہن کو قتل کر ڈالا“؟ کہا: ”ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکلیف دیا کرتی تھی“، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لڑکوں کو بلوایا اور واقعہ پوچھا، انہوں نے ایک دوسرے شخص کا نام لیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عمیرؓ کا نام بتلایا اور ان کو سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کر دیا، جس عورت کو انہوں نے قتل کیا تھا اس کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودیہ تھی، اور چونکہ وہ آپ کی بہن تھی اس لیے آپ بھی یہودی رہے ہوں گے۔

حضرت کرزؓ بن علقمہ کا قبول اسلام

آپ کا نسبی تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا، آپ نے اپنے بھائی ابو حارثہ کے ساتھ نصرانیت قبول کر لی تھی، اور نجران میں مقیم ہو گئے تھے۔

جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آیا تو اس میں آپ کا بھائی ابو حارثہ بن علقمہ بھی تھا، دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے، راستہ میں جب کہیں سواری کو ٹھوکر لگتی تو کرز کہتے کہ "تعس الابعد، دور رہنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برا ہو" ابو حارثہ نے یہ سنا تو کہا کہ "تمہارا برا ہو" کرز نے بھائی سے کہا: "ایسا کیوں کہتے ہو"، بھائی نے جواب دیا:

"قد واللہ النبی الذی کنا ننتظرہ" (خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے)

پھر کرز نے کہا کہ "تو تم ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے ہو"؟ ابو حارثہ نے کہا کہ "یہ مال و دولت اور عزت و عظمت جو کچھ حاصل ہے وہ سب چھن جائے گی"، ابو حارثہ کا یہ جملہ حضرت کرزؓ کے دل میں نور یقین پیدا کرنے کا سبب ہو گیا، اس وقت تو وہ خاموش رہے، مگر کچھ روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

حضرت میمونؓ بن یامین کا قبول اسلام

یہود کے مشہور قبیلہ قریظہ سے تھے، اسلام لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں بہت ممتاز تھے، اور آپ کا شمار احبار (علماء) یہود میں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میمونؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، لیکن دل میں یہ تڑپ تھی کہ ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی اس دولت سرمدی وسعادت ابدی سے بہرہ ور ہوتے تو اچھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کرلیں، جس کے فیصلہ پر دونوں فریق گردن جھکا دیں"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلوا بھیجا، اور میمون سے کہا کہ "تم مکان کے اندر چلے جاؤ"، یہود آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کرلو جس کی تصدیق وعدم تصدیق کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکا دیں"، سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ "ہم میمون بن یامین کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں، اگر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرلی تو ہم بھی تصدیق کریں گے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونؓ کو آواز دی، وہ مکان سے نکلے اور فرمایا: "أشهد أن محمدا رسول الله" (آپ بے شک اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں)

لیکن یہود نے قبول حق کے بجائے حضرت میمونؓ پر طعن وتشنیع شروع کردی، اور واپس چلے گئے، آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قل أرأيتم ان كان من عند الله و كفرتم به و شهد شاهد من بني اسرائيل﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن من جانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے)

حضرت مابورؓ کا قبول اسلام

(۶ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام (سفیر) بنا کر بھیجا، حضرت حاطبؓ مقوقس کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب لے کر اسکندریہ پہنچے تو اس نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو بڑی تعظیم سے آنکھوں سے لگایا، جب وہ وہاں سے چلنے لگے تو مقوقس نے انہیں عزت واحترام سے رخصت کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک خط کے علاوہ چند تحائف بھی بھیجے، دو کنیزیں ماریہ اور سیرین، یعفور نام کا ایک گدھا، ولدل نام کا ایک خچر، ایک نیزہ، ایک حریر کا حلہ، ایک ہزار مثقال سونا، مابور کو بھی شاہ مقوقس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا، یہ حضرت ماریہؓ کے چچازاد یا ماموں زاد بھائی تھے۔

حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا، حضرت ماریہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خدمت میں رکھا ان کے بطن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے، سیرینؓ حضرت حسان بن ثابتؓ کو عطا کی گئیں، ان کے بطن سے عبدالرحمان بن حسانؓ پیدا ہوئے، مابورؓ نے کچھ دنوں کے بعد اسلام قبول کیا، حضرت ماریہؓ سے وہ بہت زیادہ مانوس تھے اور ان کی کافی خدمت کیا کرتے تھے، ان کو لکڑی و پانی کی ضرورت ہوتی تو اکثر یہی مہیا کیا کرتے تھے۔

حضرت یامینؓ بن عمیر کا قبول اسلام

یہود مدینہ کی مسلسل سازشوں، شرارتوں، اور منافقتوں کے باوجود آنحضرت ﷺ عفو و درگذر سے کام لیتے تھے، مگر پانی جب سر سے اونچا ہو گیا تو ان کی یکے بعد دیگرے سر زنش شروع کر دی گئی، بنی قینقاع کے بعد جب بنو نضیر نے بد عہدی کی، اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش شروع کر دی تو ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا، امید تھی کہ وہ اس سزا کے بعد اپنے گذشتہ اعمال سے تائب ہو کر غلامان نبی میں شامل ہو جائیں گے، لیکن ان کج فطرتوں نے جس طرح پہلے روز قبول حق سے گریز کیا تھا، اسی طرح آخر وقت تک گریز کرتے رہے، لیکن ان ہی کج فطرتوں میں کچھ نیک فطرت بھی تھے جن کے دل میں قبول حق کی کسی قدر صلاحیت باقی تھی، انھوں نے جب دیکھ لیا کہ اسلام کی صداقت کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو فوراً اسلام قبول کر لیا، اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا ان ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت یامین بن عمیرؓ بھی تھے۔

عمرو بن حجاش یامین کا چچا زاد بھائی تھا، اس نے سازش کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے ایک مکان کے نیچے بلایا جائے اور اوپر سے کوئی وزنی چیز گرا کر کام تمام کر دیا جائے، (معاذ اللہ) لیکن کامیاب نہ ہو سکا، یامینؓ مسلمان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے یامینؓ سے فرمایا: ”اپنے چچا زاد بھائی کی حرکت دیکھتے ہو، وہ دھوکے سے مجھے قتل کر دینا چاہتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے ذریعہ مجھے اس کے ارادے سے آگاہ کر دیا“، یامینؓ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اس دشمن رسول ﷺ کی فکر میں لگ گئے اور ایک روز موقع پا کر اس کو واصل جہنم کر دیا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آدمی نے پوچھا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں" یا یہ پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں" پھر اس نے پوچھا: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس کو پکارتے ہیں"؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اکیلے اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہوں جس کی صفت یہ ہے کہ جب تم کو کوئی نقصان پہنچے اور تم اس کو پکارو تو وہ تمہارے نقصان کو دور کر دے اور جب تم پر قحط سالی آ جائے تو تم اس کو پکارو تو وہ تمہارے لیے غلہ اگا دے، اور جب تم چٹیل میدان میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے اور تم اس کو پکارو تو وہ تمہاری سواری تمہیں واپس کر دے"۔

یہ بات سن کر وہ آدمی فوراً مسلمان ہو گیا، پھر اس نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ وصیت فرمائیں"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی چیز کو بھی گالی نہ دینا"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت فرمانے کے بعد انہوں نے کبھی کسی اونٹ یا بکری کو بھی گالی نہیں دی۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

قبیلہ بلعدویہ کے ایک شخص کہتے ہیں کہ ”مجھے میرے دادا نے اپنے اسلام لانے کا قصہ اس طرح سنایا کہ میں مدینہ کے ارادے سے چلا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہیں جس نے (نعوذ باللہ) لوگوں کو گمراہ کیا اور انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے آباء واجداد جن خداؤں کی عبادت کرتے تھے ان سے روک دیا“، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ سارے کام تو اللہ نے کئے ہیں“، میں نے کہا: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز کی دعوت دیتے ہیں“؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں اللہ کے بندوں کو اللہ کی دعوت دیتا ہوں“، میں نے کہا: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوت میں کیا کہتے ہیں“؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ نے جو کچھ مجھ پر نازل فرمایا ہے اس پر ایمان لاؤ، اور لات وعزیٰ کا انکار کرو، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو“، میں نے کہا: ”زکوٰۃ کیا چیز ہے“؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہمارے مالدار اپنے مال میں سے کچھ ہمارے غریبوں کو دیں“، میں نے کہا: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم جن چیزوں کی دعوت دیتے ہیں وہ تو بہت اچھی ہیں“۔

میرے دادا کہتے ہیں کہ ”اس ملاقات اور گفتگو سے پہلے میرے دل کی یہ حالت تھی کہ روئے زمین کا کوئی انسان مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مبغوض نہیں تھا، لیکن اس گفتگو کے بعد میرے دل کی یہ حالت ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی اولاد، اور والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے اور ایک دم میری زبان سے نکلا کہ میں پہچان

گیا"، آپ ﷺ نے فرمایا: "تم پہچان گئے"؟ میں نے کہا: "جی ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور جو کچھ اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لاتے ہو"، میں نے کہا: "جی ہاں، یارسول اللہ! میرا خیال ہے کہ فلاں چشمہ پر جاؤں جس پر بہت سے لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں اور جن باتوں کی آپ ﷺ نے مجھ کو دعوت دی ہے میں جا کر ان کو ان باتوں کی دعوت دوں، مجھے امید ہے وہ سب آپ ﷺ کا اتباع کرلیں"، آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں جاؤ، ان کو دعوت دو" (چنانچہ انہوں نے وہاں جا کر سب کو دعوت دی) اور اس چشمے والے تمام مرد وعورت مسلمان ہوگئے، (خوش ہو کر) حضور ﷺ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔

ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے سامنے سے ایک دیہاتی آیا، جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: اپنے گھر جا رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بھلی بات لینا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: وہ بھلی بات کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کلمہ شہادت پڑھ لو، اس نے کہا: جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں کیا اس پر کوئی گواہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ درخت گواہ ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو بلایا اور وہ درخت وادی کے کنارے پر تھا، وہ درخت زمین کو پھاڑتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکھڑا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تین مرتبہ گواہی طلب فرمائی اس نے تین مرتبہ گواہی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا فرمار ہے ہیں بات ویسے ہی ہے، پھر وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا، وہ دیہاتی اپنی قوم کے پاس واپس چلا گیا اور جاتے ہوئے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ اگر میری قوم والوں نے میری بات مان لی تو میں ان سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آؤں گا ورنہ میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آجاؤں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کروں گا"۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ "ایک دیہاتی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: میں کیسے پہچانوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ آکر یہ گواہی دے دے کہ میں خدا کا رسول ہوں، (تو مانے گا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی وہ فوراً اترنے لگا اور اترتے اترتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپڑا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واپس چلا جا وہ چلا گیا، یہ دیکھ کر وہ دیہاتی مسلمان ہو گیا"۔

ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

حضرت عمرؓ ایک طویل قصہ میں روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا: ''جب تک یہ گوہ (ایک جانور کا نام ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے میں ایمان نہیں لا سکتا''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے گوہ! بتلا میں کون ہوں''، گوہ نے نہایت فصیح عربی میں جواب دیا جسے سب حاضرین نے سمجھا ''اے رب العالمین کے رسول! میں حاضر ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں بردار ہوں''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بتلا، تو کس کے نام کی تسبیح کرتی ہے''، وہ بولی ''جس کا عرش آسمان پر ہے اور جس کا حکم زمین پر نافذ ہے، جس نے سمندر میں راستے بنا دیئے، جس کے رحمت کی مظہر جنت، جس کے عذاب کا مظہر دوزخ''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں کون ہوں''؟ اس نے جواب دیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہان کے پروردگار کے رسول اور خاتم النبیین ہیں''۔

ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

ان کا نام ونسب تو معلوم نہیں ہو سکا، لیکن حاکم نے مستدرک میں حضرت انس ؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے یہودی خادم تھے، جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہو گئے تھے، پوری روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ''ایک یہودی غلام آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا تو آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، عیادت کے بعد آپ ﷺ نے قبول اسلام کی دعوت دی، اس کے باپ وہاں موجود تھے اس نے باپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا، باپ نے کہا: جو کچھ نبی امی فرما رہے ہیں اس کی تعمیل کرو، اس نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا''۔

غالباً اسی مرض میں ان کی وفات ہوئی، آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

اس روایت سے دو خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو ایک یہودی خادم کا مشرف بہ اسلام اور صحابی ہونا، اور دوسرے آنحضرت ﷺ کی وسعت قلب اور وسعت اخلاق کہ جن یہودیوں نے اسلام کی بیخ کنی اور آپ ﷺ کی بیخ کنی اور آپ ﷺ کی دشمنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ان ہی کے ایک فرد کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ سلوک تھا کہ اس نے پوری زندگی آپ ﷺ کے ساتھ گذاری، مگر آپ ﷺ نے ایک روز بھی اسلام لانے پر مجبور نہ کیا، حالانکہ اس وقت بڑی آسانی سے اسلام کا قلادہ اطاعت اس کی گردن میں ڈالا جا سکتا تھا:

﴿لا اکراہ فی الدین﴾ (دین میں کوئی زور وزبردستی نہیں)

کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

ایک صحابیؓ کا قبول اسلام

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ”رات کو ایک کافر آنحضرت ﷺ کا مہمان ہوا، آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا، پھر تیسری پھر چوتھی، یہاں تک کہ سات بکریاں دوہی گئیں اور وہ سب دودھ پیتا گیا، آنحضرت ﷺ نے کوئی نفرت ظاہر نہ فرمائی، اس حسن اخلاق کا یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا“۔

صحابیات کا قبول اسلام

صحابہؓ کے ساتھ صحابیاتؓ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق واقدم ہیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے بغیر کسی قسم کی کدو کاوش اور جبر واکراہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ ابن خمیس میں حضرت رافع سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علیؓ نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی اور اس کے بعد زید بن حارثہؓ اور ابوبکرؓ شریک نماز ہوئے“۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افق عالم پر چمکی وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینہ پرنور سے چھن کر نکلی۔

اعلان اسلام

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لیے ہمت، شجاعت، اور جسارت کی ضرورت تھی، لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور جور وستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیاتؓ نے بھی نہایت جرأت وبیباکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا، چنانچہ ابتدا میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہ تھیں۔

اشاعت اسلام

صحابیاتؓ نے اپنی نیک طینتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں

کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی دعوت پر حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تھا، حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں، قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔

حضرت ام حکیمؓ کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی وہ خود تو فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے، حضرت ام حکیمؓ نے یمن کا سفر کیا اور اپنے شوہر کو دعوت اسلام دی، وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔

حضرت ابو طلحہؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا، لیکن انہوں نے کہا: ”تم کافر ہو اور میں مسلمان، نکاح کیوں کر ہوسکتا ہے؟ اگر اسلام قبول کرلو تو وہی میرا مہر ہوگا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی“، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے، اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔

صحابہ کرامؓ نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہؓ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا تو اس کی قیمت ادا فرمائی اس کو آپ ﷺ کی اس دیانت سے اسی وقت نبوت کا یقین آگیا، اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

نومسلموں کا تکفل

ابتدائے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے ان کو مجبوراً اپنے گھر بار، اہل وعیال اور مال وجائداد سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا اس بنا پر اس وقت اشاعت اسلام کے ساتھ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ ان نومسلموں کی کفالت کی جائے اور صحابیاتؓ اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں، چنانچہ حضرت ام شریکؓ کا گھر ان نومسلموں کے لیے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ

بنت قیسؓ کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت درہ بنت لہب بھی نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔

اسلام کے لیے تحمل شدائد

صحابہ کرامؓ کے ساتھ صحابیاتؓ نے بھی اسلام کے لیے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔

حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا، تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں، سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کے تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں، ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا تو فرمایا: ”صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے“، لیکن کفار کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابوجہل نے ان کی ران میں برچھی مار کر ان کو شہید کر دیا، چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا، اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرف شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمر کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو اس قدر مارا کہ بدن لہولہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ”جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لا چکی“۔

لبینہؓ بے چاری ایک کنیز تھیں حضرت عمرؓ اس بے کس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ”میں تجھ پر رحم کی بنا پر نہیں، بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں“ وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ ”اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا“۔

حضرت زنیرہؓ حضرت عمرؓ کے گھرانے کی ایک کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت

عمرؓ اسلام سے پہلے ان کو جی کھول کر ستاتے ، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسؓ یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں۔

قطع علائق

صحابہ کرامؓ ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناطے منقطع ہو گئے ، لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا ، صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابہؓ سے بھی زیادہ نازک تھی ، انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ واقارب کی اعانت کا محتاج ہو جاتا ہے ، لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دارومدار اپنے شوہر کی اعانت وامداد پر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی ، باپ بیٹے سے ، بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بے کس وبیچارہ ہو جاتی ہے ، لیکن اس کے باوجود صحابیاتؓ نے اسلام کے لیے اس نازک رشتہ کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لیے علاحدہ ہو گئیں ، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی :

﴿ولا تمسكوا بعصم الكوافر﴾ (کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو)

تو جس طرح صحابہ کرامؓ نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دے دی ، اسی طرح بہت سی صحابیاتؓ بھی کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں :

"ما نعلم أن أحدا من المهاجرات ارتدت بعد ايمانها" (ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر مرتد ہوئی ہو)

توحید

کفار نے صحابیاتؓ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں ، لیکن ان کی زبان سے کلمہ

توحید کے سوا کلمہ شرک نہیں نکلا، حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں تو ان کے اعزہ و اقارب نے ان کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کر دیا اس حالت میں جب کہ وہ دھوپ میں جل رہی تھیں، روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی نہیں پلاتے تھے جب اس مصیبت میں تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ ''جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو''، وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں اب ان ظالموں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الٰہی کا انکار مقصود ہے، بولیں ''خدا کی قسم! میں تو اب تک اس پر قائم ہوں''۔

شرک سے علاحدگی

عورتیں قدیم رسم ورواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر دلوں میں راسخ ہو گئے تھے، لیکن صحابیاتؓ نے اسلام لانے کے ساتھ ہی شدت کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا، عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی برائی بیان کرتے ہیں وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لیے حضرت زنیرہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تو کفار نے کہنا شروع کیا ''ان کو لات وعزیٰ نے اندھا کر دیا''، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ''لات وعزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر یہ خدا کی طرف سے ہے''۔

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے، لیکن صحابیاتؓ نے ہر موقع پر ان سے تبری ظاہر کی، چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہؓ جب ایمان لائیں تو گھر میں بت نصب تھے اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ ''ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے''۔

حضرت ابوطلحہؓ نے جب ام سلیمؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا: ''ابو طلحہ! کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے یعنی لکڑی کا بت جو زمین سے اگا ہے اس کو فلاں حبشی نے گڑھ کر تیار کیا ہے''؟ بولے مجھے ''معلوم ہے''، بولیں ''کیا تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی''، چنانچہ جب تک انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا، انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔

حضرت خدیجہؓ کا قبول اسلام

ام المومنین حضرت خدیجہؓ جب حضور ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں، اس وقت ان کی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت ﷺ پچیس سال کے تھے، یہ بعثت نبوی سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے، پندرہ سال کے بعد جب آنحضرت ﷺ پیغمبر ہوئے اور فرائض نبوت کو ادا کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھیں، کیونکہ ان سے زیادہ آپ ﷺ کے صدق دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

پہلی وحی کے نزول کے بعد جب آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ جلال الٰہی سے لبریز تھے، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا: "مجھ کو کپڑا اڑھاؤ مجھ کو کپڑا اڑھاؤ"، لوگوں نے کپڑا اوڑھایا تو ہیبت کم ہوئی، پھر حضرت خدیجہؓ سے غار حرا کا تمام واقعہ بیان کیا اور کہا: "مجھ کو ڈر ہے"، حضرت خدیجہؓ نے کہا: "آپ ﷺ متردد نہ ہوں، خدا آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑے گا، کیونکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں، مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں"۔

اس وقت تک نماز پنج گانہ فرض نہ تھی آنحضرت نوافل پڑھا کرتے تھے، حضرت خدیجہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں، ابن سعد کہتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ اور خدیجہؓ ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھا کئے"۔

حضرت خدیجہؓ نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں

آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں، آنحضرت ﷺ کو جو چند سال تک کفار مکہ اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہؓ کا اثر کام کر رہا تھا، دعوت اسلام کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تو حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی اور تشفی دی، استیعاب میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ پہنچتا، حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا، کیونکہ وہ آپ ﷺ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ ﷺ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت ملتی تھی وہ سیرت نبوی کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے، ابن ہشام میں ہے کہ وہ اسلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی سچی مشیر کار تھیں۔

حضرت سودہؓ کا قبول اسلام

ام المومنین حضرت سودہؓ ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کے ساتھ ان کے شوہر سکران بن عمروؓ بھی اسلام لائے، اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے، حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے، لیکن جب مشرکین کے ظلم وستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لیے آمادہ ہوئی تو اس میں حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے، کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ کو واپس آئیں، اور سکرانؓ نے کچھ دنوں کے بعد وفات پائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا، ان سے بیان کیا تو بولے کہ "شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا"، چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔

حضرت ام سلمہؓ کا قبول اسلام

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ آغاز نبوت میں اپنے شوہر ابو سلمہؓ کے ساتھ اسلام لائیں، اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہیں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں، ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا، لیکن حضرت ام سلمہؓ کے قبیلہ نے مزاحمت کی تھی، اس لیے حضرت ابو سلمہؓ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے، اور یہ اپنے گھر واپس آگئی تھیں، ادھر سلمہ کو ابو سلمہؓ کے خاندان والے حضرت ام سلمہؓ کے پاس سے چھین لے گئے، اس لیے ام سلمہؓ کو اور بھی تکلیف تھی، چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں، ۷-۸/ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا، ایک دن ابطح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہؓ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا، گھر آ کر لوگوں سے کہا کہ ”اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو؟ اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اس کے حوالے کر دو“، روانگی کی اجازت ملی تو بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا۔

حضرت ام حبیبہؓ کا قبول اسلام

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ابو سفیان کی بیٹی تھیں، اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے بھائی عبید اللہ بن جحش سے نکاح ہوا اور انہیں کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ابوسفیان نے اپنی بیٹی اور داماد کو ان کے دین سے پھیر کر اپنے اور اپنے آباء و اجداد کے دین میں واپس لانے کی انتہائی کوشش کی، مگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا، کیونکہ ایمان جو ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا اس کی جڑیں اتنی گہرائی میں اتر چکی تھیں کہ ابوسفیان کے غیظ و غضب کی آندھیاں اسے اکھاڑ تو کیا سکتیں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ سکیں۔

ابوسفیان کو ان کے مسلمان ہونے کا شدید قلق تھا، جب قریش نے دیکھا کہ ابو سفیان اپنی بیٹی اور اس کے شوہر پر ناراض ہے تو وہ ان دونوں کے خلاف جری ہو گئے، وہ ان کو سخت اور اذیت ناک سزائیں دیتے، یہاں تک کہ ان کے لیے مکہ میں زندگی گذارنا دوبھر ہو گیا تو حبش کو ہجرت کی، حبش میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا، ام حبیبہؓ سے بھی کہا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں۔

اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا بھی شرف حاصل ہو، عبید اللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی، شراب نوشی کی عادت ہو گئی، آخر ان کا انتقال ہو گیا۔

عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہؓ کو اپنی

لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہے، یہ سن کر حضرت ام حبیبہؓ خوشی سے پھولی نہ سمائیں اور بے ساختہ بول پڑیں:

"بشرك الله بالخير بشرك الله بالخير" (اللہ تم کو خوش رکھے، اللہ تم کو خوشخبری سنائے)

پھر اپنے جسم سے ایک ایک کر کے تمام زیورات اتارنے لگیں، انہوں نے اپنے کنگن اتار کر ابرہہ کو دیدیئے، پھر پازیب، پھر دونوں کانوں کی بالیاں، اور انگوٹھیاں ان کو دیدیں، اور اگر اس وقت ان کے پاس دنیا کے سارے خزانے ہوتے تو وہ سب ابرہہ کو بخش دیتیں۔

پھر انہوں نے خالد بن سعید امویؓ کو وکیل مقرر کیا، جب شام ہوئی تو نجاشی نے وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا، نکاح کے بعد سبھی حضرات کو کھانا کھلایا کیونکہ ولیمہ انبیاء کی سنت ہے۔

حضرت ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ "جب میرے پاس مہر کی رقم پہنچی تو میں نے اس میں سے پچاس مثقال سونا ابرہہ کے یہاں بھیج دیا، تھوڑی دیر کے بعد ابرہہ میرے پاس آئی اور اس نے وہ سونا جو میں نے اس کے پاس بھیجا تھا واپس کر دیا، پھر اس نے ایک ڈبہ نکالا جس میں میرے دیئے ہوئے زیورات تھے اس نے سارے زیورات یہ کہتے ہوئے لوٹا دیئے کہ بادشاہ نے مجھے آپ سے کچھ لینے کو سختی سے منع کیا ہے، پھر اس نے کہا: مجھے ایک ضرورت ہے، میرے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میں نے اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے، تو آپ نبی ﷺ کو میرا اسلام پہنچا دیجئے گا اور ان کو بتا دیجئے گا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکی ہوں، اس کو بھولیے گا مت، پھر اس نے میری روانگی کا انتظام کیا اور میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کر دی گئی، جب میری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی تو میں نے نکاح کی پوری روداد آپ ﷺ کو سنائی اور جو کچھ میں نے ابرہہ کے ساتھ کیا تھا اس سے بھی

آپ ﷺ کو آگاہ کیا اور اس کا سلام بھی آپ ﷺ کو پہنچا دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی باتیں سن کر نہایت خوشی کا اظہار کیا اور اس کے سلام کے جواب میں فرمایا: وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“۔

حضرت ام حبیبہؓ کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب ان کے باپ ابوسفیان کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت ﷺ کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت ام حبیبہؓ نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ ”بچھونا اس قدر عزیز ہے“، بولیں ”یہ آنحضرت ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بنا پر ناپاک ہیں“، ابوسفیان نے کہا کہ ”تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی“۔

حضرت صفیہؓ کا قبول اسلام

حضرت صفیہؓ عبد المطلب کی بیٹی تھیں، ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو حضرت آمنہ کی بہن ہیں، اس بنا پر حضرت صفیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ زاد بہن بھی تھیں، حضرت حمزہؓ بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے اس لیے وہ اور حضرت صفیہ حقیقی بھائی بہن تھے۔

۴۰/ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہ کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا، اسد الغابہ میں ہے:

"والصحیح أنہ لم یسلم غیرھا" (یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں)

اپنے بیٹے حضرت زبیر بن العوامؓ کے ساتھ ہجرت کی، غزوۂ احد میں جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو وہ مدینہ سے نکلیں، صحابہؓ سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیئے"؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ "حمزہؓ کی لاش کو دیکھنے نہ پائیں"، حضرت زبیرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، بولیں کہ "میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں، لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے، لیکن انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہوگئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کی کنیز تھیں، بچپن سے حضرت عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ برس کی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مدینہ گئیں، اس سفر میں ام ایمن بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں، واپس آتے وقت جب مقام ابوا میں پہنچیں تو ان کا انتقال ہوگیا اور یہیں مدفون ہوئیں، ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ آئیں۔

حضرت آمنہ کی وفات کے بعد خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انہوں نے ہی پرورش و پرداخت کی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ جو کہ محبوب خاص تھے ان کا نکاح پڑھایا، یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے، حضرت زیدؓ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے، ام ایمنؓ نے بھی اسلام قبول کیا، جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے کہ "ام ایمن میری ماں ہیں"۔

حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کا قبول اسلام

ابو طالب بن عبد المطلب سے نکاح ہوا، جن سے حضرت علیؓ پیدا ہوئے، آغاز اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہوگئے تھے، حضرت فاطمہ بھی ان ہی لوگوں میں تھیں اور اگرچہ ان کے شوہر ابو طالب ایمان نہیں لائے پھر وہ اور ان کی بعض اولاد مشرف بہ اسلام ہوئی، جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دست و بازو رہیں۔

جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات پائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ "ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا، اس بنا پر میں نے ان کو قمیص پہنچایا کہ جنت میں ان کو جوڑا ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو"۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

حضرت عباسؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے نکاح ہوا، ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، باقی اور عورتیں ان کے بعد ایمان لائیں، اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج بھی کیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کے یہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔

حضرت عباسؓ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئیں اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے، اس لیے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں، ان میں حضرت عبداللہؓ اور عبیداللہؓ آسمان علم کے مہر و ماہ تھے۔

حضرت ام رومانؓ کا قبول اسلام

ان کا نکاح عبداللہ بن سنجرہ سے نکاح ہوا اور انہیں کے ہمراہ مکہ آ کر اقامت اختیار کی، عبداللہ حضرت ابوبکرؓ کے حلیف بن گئے تھے، اس بنا پر جب عبداللہ نے انتقال کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود ان سے نکاح کرلیا، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور عبدالرحمان بن ابوبکرؓ انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔

کچھ زمانہ کے بعد مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ انہوں نے بھی اس صدا کو لبیک کہا۔

ہجرت کے وقت ابوبکر تنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہو گئے تھے لیکن ان کا خاندان مکہ ہی میں مقیم تھا، مدینہ پہنچے تو وہاں سے حضرت زید بن حارثہؓ اور ابو رافعؓ مستورات کو لانے کے لیے بھیجے گئے، ام رومانؓ بھی انہیں کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ اصحاب صفہ میں سے ۳/ صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو واپسی میں دیر ہوگئی، گھر آئے تو ام رومان نے کہا کہ "مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے"؟ بولے "تم نے کھانا نہیں کھلایا"؟ جواب ملا "کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کیا" غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بچ رہا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ام رومانؓ سے پوچھا "اب کتنا ہے"؟ بولیں "۳/ گنے سے زیادہ"، چنانچہ سب اٹھوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔

حضرت ام رومانؓ نے (۹ ھ) یا اس کے بعد انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اترے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

حضرت سمیہؓ کا قبول اسلام

یہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ ہیں، ایام پیری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، تو حضرت سمیہؓ، ان کے شوہر یاسرؓ اور ان کے بیٹے عمارؓ تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا، تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیہؓ کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا، کچھ دن اطمینان سے گذرے تھے کہ قریش کا ظلم وستم شروع ہو گیا اور بتدریج بڑھتا گیا، چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا، حضرت سمیہ کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کردیا، لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں، جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے، لیکن ان کے عزم واستقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرتے تھے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے: ''آل یاسر! صبر کرو اس کے عوض تمہارے لیے جنت ہے''۔

دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی، ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہؓ جاں بحق تسلیم ہو گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عمار کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ ''اب حد ہو گئی''، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا: ''خداوندا! آل یاسر کو جہنم سے بچا''، یہ واقعہ ہجرت نبوی سے قبل کا ہے اس بنا پر حضرت سمیہؓ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں، غزوۂ بدر میں جب ابوجہل مارا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے فرمایا: ''دیکھو! تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا''۔

حضرت ام سلیمؓ کا قبول اسلام

حضرت ام سلیم سلمی بنت زید کی پوتی تھیں اور سلمی عبدالمطلب کی والدہ تھیں، اسی بنا پر ام سلیمؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ مشہور ہیں۔

مالک بن نضر سے نکاح ہوا جن سے حضرت انس بن مالکؓ پیدا ہوئے، مدینہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں، مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے، اور ام سلیمؓ تبدیل مذہب پر اصرار کرتی تھیں، اس لیے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔

ابوطلحہ جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا، لیکن ام سلیمؓ کو اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابوطلحہ مشرک تھے، اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں، غرض ابوطلحہ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیمؓ کے سامنے آکر کلمہ پڑھا، حضرت ام سلیمؓ نے حضرت انسؓ سے کہا: "اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو" ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا کہ "میرا مہر اسلام ہے"، حضرت انسؓ کہا کرتے تھے کہ "یہ نہایت عجیب و غریب مہر تھا"، نکاح کے بعد حضرت ابوطلحہؓ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، حضرت ام سلیمؓ اپنے صاحبزادے حضرت انسؓ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہا: "میں انیس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے پیش کرتی ہوں، یہ میرا بیٹا ہے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعا فرمائیں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

حضرت ام سلیمؓ میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے، ان کے جوش ایمان کا

یہ عالم تھا کہ اپنے شوہر سے صرف اس بنا پر علاحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے، حضرت ابوطلحہؓ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کردیا کہ وہ مشرک تھے، اس موقع پر انہوں نے ابوطلحہ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے، مسند احمد میں ہے کہ ام سلیمؓ نے کہا: "ابوطلحہؓ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے اگا ہے"؟ انہوں نے جواب دیا: "ہاں" حضرت ام سلیمؓ بولیں "تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی"، حضرت ابوطلحہؓ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ محبت کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کے مکان تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے، جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں، اور اسے اپنی خوشبو میں ملاتی تھیں، یہ ہر عطر سے زیادہ خوشبودار ہوتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، میں نے کہا: کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انس کی والدہ غمیصاء بنت ملحان (ام سلیمؓ) ہیں"، حضرت ام سلیمؓ کے فضائل ومناقب بہت ہیں۔

حضرت ام عمارہؓ کا قبول اسلام

قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، ان کا پہلا نکاح زید بن عاصمؓ سے ہوا، پھر عریہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں، اور انہیں کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکت کی، سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بیعت عقبہ میں ۷۳/ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں، حضرت ام عمارہؓ کا بھی ان ہی میں شمار ہے۔

غزوۂ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں، جب تک مسلمان فتحیاب تھے وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں، لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں، کفار جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بیان ہے کہ ”میں احد میں ان کو اپنے داہنے اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا“۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا، ارشاد ہوا: ”تم بھی کھاؤ“ بولیں ”میں روزہ سے ہوں“، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ ”روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں“۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

انصار کے قبیلہ ابی مالک بن النجار سے تھیں، ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لیے جمع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ ”شرک نہ کریں گی، چوری اور زنا سے بچیں گی، اولاد کو قتل نہ کریں گی، کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی“، عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی، اس کے بعد حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ ”اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں“؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”نوحہ اور بیان نہ کرنا“۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا عہد رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں، جن میں وہ مردوں کے لیے کھانا پکاتی، ان کے سامان کی حفاظت کرتی، مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے محبت کرتے تھے، احکام نبوی کی پوری پابندی کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت میں نوحہ کی ممانعت کی تھی اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا، ان کے ایک بیٹے کا انتقال بصرہ میں ہوا، انتقال کے تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگا کر ملی اور کہا کہ ”شوہر کے علاوہ اور کسی کے لیے ۳/ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت رُبیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

حضرت ربیع اور ان کے تمام بھائی عفراء کی اولاد میں مشہور ہیں، عفراء ان لوگوں کی دادی تھیں۔

حضرت ربیع ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، ان کا جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخربہ جو ابو ربیعہ مخزومی کی بیوی تھی اور عطر بیچتی تھی، چند عورتوں کے ساتھ ربیع کے گھر آئی اور ان کا نام ونسب دریافت کیا، چونکہ ربیع کے بھائی نے ابو جہل کو بدر میں قتل کیا تھا، اور اسماء قریش کے قبیلہ سے تھی، بولی "تم تو ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو"، حضرت ربیع کو ابو جہل کی نسبت سردار کا لفظ نہایت نا گوار ہوا، بولیں "سردار نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں"، اسماء کو ابو جہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی، جھنجھلا کر کہا کہ "مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے"، حضرت ربیع نے برجستہ کہا: "مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے، کیونکہ تمہارا عطر، عطر نہیں بلکہ گندگی ہے"۔

حضرت ام ہانیؓ کا قبول اسلام

ام ہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی بیٹی تھیں، حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ، اور ام ہانیؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔

(۸ھ) میں جب مکہ فتح ہوا، مسلمان ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ان کے مکان میں غسل کیا تھا، اور چاشت کی نماز پڑھی تھی، انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دے دی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو پناہ دی، ان کا شوہر ہبیرہ بن عمرو مخزومی فتح مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بڑی عقیدت تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بڑی محبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا: ''ام ہانی! بکری لے لو یہ بڑی خیر وبرکت کی چیز ہے''، ایک مرتبہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''اب میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے، اس لیے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وظیفہ بتلایا، فرمایا: ''سبحان اللہ ایک سو مرتبہ، الحمد للہ ایک سو مرتبہ، اللہ اکبر ایک سو مرتبہ، اور لا الہ الا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو''۔

حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کا قبول اسلام

فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی بہن ہیں، حضرت سعید بن زیدؓ سے نکاح ہوا اور انہیں کے ساتھ مسلمان ہوئیں، یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے، ان کے کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی یعنی حضرت عمر مسلمان ہوئے، اور ان ہی کے سبب سے ہوئے تھے، جب حضرت عمرؓ کو ان دونوں کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو سیدھا ان کے گھر گئے اور کہا: ''میں نے سنا ہے کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو''، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے، حضرت فاطمہؓ بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی، بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہان ہو گیا، اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا ''عمر! جو ہو سکے کرو، لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا''، ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا، یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا: ''تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ''، فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے، حضرت عمرؓ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر پکار اٹھے ''أشهد أن لا اله الا الله واشهد أن محمدا رسول الله'' حضرت فاطمہؓ نے اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفرؓ سے ان کا نکاح ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم کے گھر میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں، حضرت جعفرؓ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا، حبشہ کی ہجرت کی اور کئی سال تک مقیم رہیں، (۷ھ) میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں، حضرت حفصہؓ کے گھر گئیں، تو حضرت عمر بھی آگئے، پوچھا "یہ کون ہیں"؟ جواب ملا "اسماء" بولے "ہاں، وہ حبش والی وہ سمندر والی" حضرت اسماء نے کہا: "ہاں وہی" حضرت عمرؓ نے کہا: "ہم کو تم پر فضیلت ہے، اس لیے کہ ہم مہاجر ہیں"، حضرت اسماء کو یہ جملہ سن کر غصہ آیا، بولیں "کبھی نہیں! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے، لیکن ہماری حالت بالکل جداگانہ تھی، ہم نہایت دور دراز مقام میں صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا، ارشاد ہوا: "انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں، اس لیے تم کو زیادہ فضیلت ہے"، حضرت اسماء اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتیں ہیچ معلوم ہوتی تھیں، مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماء کے پاس آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے۔

(۸ھ) میں غزوۂ موتہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ "میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ تھے، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین کیوں

ہیں؟ کیا جعفرؓ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں"، بچوں کو نہلا دھلا کر ہمراہ لے گئی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اٹھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "جعفرؓ کے بچوں کے لیے کھانا پکاؤ، کیونکہ وہ رنج وغم میں مصروف ہیں"۔

غزوۂ حنین کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت ابوبکرؓ سے پڑھا دیا تھا جس کے دو برس بعد محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے، حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد اسماء حضرت علیؓ کے عقد نکاح میں آئیں، اور محمد بن ابوبکر بھی ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا قبول اسلام

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی ہیں، حضرت زبیر بن العوامؓ سے نکاح ہوا، اپنے شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی، ابن اسحاق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھارہواں نمبر تھا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی تو حضرت ابوبکرؓ رفیق صحبت تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو ان کے گھر تشریف لائے، اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا، حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کا "ذات النطاقین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے، ان کے والد ابو قحافہ کو معلوم ہوا تو بولے کہ "انہوں نے جانی و مالی دونوں قسم کی تکلیف دی"، حضرت اسماءؓ نے کہا: "وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں"، یہ کہہ کر اٹھیں اور جس جگہ حضرت ابوبکرؓ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا، پھر ابو قحافہ کو لے گئیں اور کہا: "ٹٹول لیجیے، دیکھئے یہ رکھا ہے"، ابو قحافہ نابینا ہو گئے تھے اس لیے مان گئے اور کہا: "کھانے کے لیے بہت ہے"، حضرت اسماء کا بیان ہے کہ "میں نے صرف ابو قحافہ کی تسکین کے لیے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہیں تھا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماءؓ بھی آئیں، قبا میں قیام کیا یہاں عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے ان کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ کو گود میں لیا، گھٹی دی اور ان کے لیے دعا فرمائی، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے گھٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن پیا تھا، اس بنا پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل واخلاق کے پیکر مجسم تھے۔

حضرت اسماءؓ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں، محنت ومشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا، چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیرؓ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا، وہ گھوڑے کو دانہ دیتیں، پانی بھرتیں اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی اس لیے آٹا گوندھ کر رکھتی تھیں اور انصار کی بعض عورتیں پکا دیتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر وہ کھجوروں کی گٹھلیاں چنتیں اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں، غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا، اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہوگئی اور پھر کبھی تنگ دست نہیں ہوئیں۔

حضرت اسماءؓ نہایت صابر تھیں حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت ایک قیامت تھی، جوان کے لیے قیامت کبریٰ بن گئی تھی، شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، ۳/دن گزرنے پر حضرت اسماءؓ کنیز کو ساتھ لے کر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں، لاش الٹی لٹکی تھی، دل تھام کر اس منظر کو دیکھا، اور نہایت استقلال سے کہا: "کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا"؟ حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی حضرت ابن زبیرؓ کا جوڑ جوڑ الگ تھا، نہلانے کے لیے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا، لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں میں نازل ہوتی ہے۔

حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ "جب تک میں عبد اللہؓ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے"، چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کی کہ ”مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں، خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرد وعورت سب کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے، ہم پردہ نشین ہیں اس لیے جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے، اور مرد جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں، لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتے ہیں، گھروں کی حفاظت کرتے ہیں، کپڑوں کے لیے چرخہ کاتتے ہیں، تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی ثواب ملے گا“، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ ”تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے“؟ لوگوں نے کہا: ”نہیں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماءؓ کو جواب دیا کہ ”عورت کے لیے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے، اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے، عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے“۔

حضرت اسماءؓ بہت بہادر تھیں (۱۵ھ) میں یرموک کا واقعہ پیش آیا، اس میں انہوں نے اپنے خیمہ کی لکڑی سے ۹/ رومیوں کو قتل کیا تھا۔

استیعاب میں ہے کہ ”وہ عقل ودین دونوں سے متصف تھیں“۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھیں اکثر اوقات کاشانہ نبوت میں حاضر ہوتیں، حضرت عائشہؓ کی جب رخصتی ہوئی اور وہ میکہ سے کاشانہ نبوت میں آئیں تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا ان میں حضرت اسماءؓ بھی داخل ہیں۔

حضرت ام حکیمؓ بنت حارث کا قبول اسلام

حضرت ام حکیمؓ نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ کفر وشرک کا گہوارہ تھا، ان کے والد حارث بن ہشام ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے اور دونوں بھائی اسلام کے سخت دشمن تھے اور یہی حال والدہ اور ماموں خالد بن ولید کا تھا، شادی بھی ہوئی تو اپنے چچا ابوجہل کے بیٹے عکرمہ سے جس کی رگوں میں بھی ابوجہل کا خون دوڑتا تھا، ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں ان کا اسلام کے نور سعادت سے بہرہ یاب ہونا محال تھا، لیکن فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں انہوں نے بہت عجلت کی، ان کے شوہر عکرمہ جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے، ام حکیمؓ نے ان کے لیے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن عفو نہایت کشادہ تھا، غرض یمن جا کر انہیں واپس لائیں اور عکرمہؓ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا، حضرت عکرمہؓ نے مسلمان ہو کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کیا، نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جانبازی سے لڑے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی، حضرت عکرمہؓ ام حکیمؓ کو ساتھ لے کر شام گئے اور اجنادین کے معرکہ میں داد شجاعت دے کر شہادت حاصل کی۔

حضرت خنساءؓ کا قبول اسلام

حضرت خنساءؓ نجد کی رہنے والی تھیں، شاعرہ تھیں، اقسام سخن میں سے مرثیہ میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں:

"ناقدان سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساءؓ کے برابر کوئی عورت شاعر نہیں پیدا ہوئی"۔

زمانہ جاہلیت میں بازار عکاظ میں جو عرب کا سب سے بڑا مرکز تھا حضرت خنساءؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازہ پر ایک جھنڈا نصب ہوتا تھا جس پر یہ الفاظ لکھے تھے

"أرثی العرب" (عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو)

ابتداء ایک دو شعر کہتی تھیں، لیکن اپنے بھائی صخر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا، اس نے ان کی طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا، چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں یہ شعر خاص طور پر مشہور ہے:

وان صخراً لتاتم الهدرلة بـه
كـانـه علم فى رأسـه نـار

(صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں، گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے)

لیکن اسلام کے بعد وہ اس قسم کے شعر پڑھا کرتی تھیں:

كـنـت أبـكـى لـه من الثـأر
وأنـا اليـوم أبـكـى لـه مـن الـنـار

(پہلے تو میں صخر کو بدلہ کی خاطر رویا کرتی تھی اور اب اس لیے روتی ہوں کہ وہ قتل ہو گیا اور اسلام نہ لا سکا اور اب جہنم کی آگ میں جلتا ہوگا)

حضرت خنساءؓ کا دیوان بہت ضخیم ہے ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے۔

پیری کا زمانہ تھا کہ مکہ کے افق سے ماہتاب رسالت طلوع ہوا، حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ میں آئیں اور مشرف بہ اسلام ہوئیں، آنحضرت دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے، وہ سناتی جاتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے "شاباش اے خنساء!" یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

قبول اسلام کے بعد وہ اپنے قبیلہ میں واپس تشریف لے گئیں اور لوگوں کو پیغام رسالت پہنچا کر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی، زبان میں بڑی تاثیر تھی چنانچہ بے شمار لوگوں نے ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قادسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساءؓ اپنے چار بیٹوں کو لے کر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی:

"پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا، اس کے باوجود تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد ہو میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفار سے جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ یاأیھا الذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا ﴾

اس بنا پر صبح اٹھ کر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو"۔

چنانچہ چاروں بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے ایک ساتھ میدان میں کود پڑے، بزرگ خاتون بارگاہ الٰہی میں عرض کرتی ہیں کہ ''خدایا! میری متاع عزیز یہی کچھ تھی اب تیرے سپرد ہے''، چاروں بیٹے لڑتے لڑتے شہید ہوگئے، جب حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا کہ ''اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے فرزندوں کی شہادت سے مشرف کیا، باری تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن مجھے ان بچوں کے ساتھ اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا''، اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساءؓ نے وفات پائی۔

حضرت ہندؓ کا قبول اسلام

ہند کا باپ عتبہ قریش کا سب سے معزز رئیس تھا، اور ابوسفیان بن حرب کی بیوی تھیں، عتبہ، ابوسفیان، اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے، اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا، چنانچہ غزوۂ احد میں ابوسفیان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی ساتھ آئی تھیں، جنھوں نے اپنے باپ کے انتقام میں سنگ دلی اور خونخواری کا ایسا خوفناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے بھی جسم لرز اٹھتا ہے، چنانچہ انہوں نے وحشی کو حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے بدلہ میں وہ آزاد کردیئے جائیں گے، چنانچہ حضرت حمزہؓ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہوگیا، حضرت حمزہؓ نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کرگئی۔

خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا، ان کے ناک کان کاٹ لیے، ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کرکے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں، لیکن گلے سے اتر نہ سکا اس لیے اگل دینا پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فعل سے جتنا صدمہ ہوا تھا اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبین رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی، چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

لوگوں سے بیعت لینے کے لیے بیٹھے تو مستورات میں ہند بھی آئیں، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں، ہند بھی نقاب پہن کر آئیں، جس سے اس وقت یہ غرض تھی کہ کوئی ان کو پہچاننے نہ پائے، بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں، جو حسب ذیل ہیں:

"ہند: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں سے تو نہیں لیا؟ لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: چوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں، معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: ہم نے اپنے بچوں کو پالا تھا بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مار ڈالا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ باہم سمجھ لیں"۔

اس دیدہ دلیری کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند کو معاف کر دیا، ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہیں، انہوں نے کہا یا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی خیمہ مبغوض نہیں تھا لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے"، حضرت ہند مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں، ابن سعد نے لکھا کہ "انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا کہ ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے"۔

حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ کا قبول اسلام

ام کلثوم کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا، اس کو رسول اللہ ﷺ اور اسلام سے سخت عداوت تھی۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے اپنی چادر کو لپیٹ دے کر رسی جیسا بنایا اور جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے تو چادر کو حضور ﷺ کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کیے، گردن مبارک بہت بھینچ گئی تھی تاہم حضور ﷺ اسی اطمینان قلب سے سجدہ میں پڑے ہوئے تھے، اتنے حضرت ابوبکرؓ نے دھکے دے کر عقبہ کو ہٹایا اور زبان سے یہ آیت پڑھ کر سنائی،

﴿أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله وقد جاء كم بالبينات﴾

(کیا تم ایک بزرگ آدمی کو مارتے ہو اور صرف اس جرم میں کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتا ہے اور تمہارے پاس روشن دلائل لے کر آیا ہے)

چند شریر ابوبکرؓ سے لپٹ گئے اور ان کو بہت زدوکوب کیا۔

ایک دوسری دفعہ کا ذکر ہے نبی ﷺ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے، قریش بھی صحن کعبہ میں جا بیٹھے، ابوجہل بولا کہ "آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے، اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، کوئی جائے اٹھالائے اور اس نبی (ﷺ) کے اوپر دھر دے"، بدبخت عقبہ بن ابی معیط پھر اٹھا اور نجاست بھری اوجھڑی اٹھالایا، جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے تو پشت مبارک پر رکھ دی، آنحضرت ﷺ تو رب العزت کی جانب متوجہ تھے، کچھ

خبر بھی نہ ہوئی، کفار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے، ابن مسعودؓ صحابی بھی موجود تھے، کافروں کا ہجوم دیکھ کران کا صلہ نہ پڑا، مگر معصوم سیدہ زہرا آ گئیں، انہوں نے باپ کی پشت سے اوجھڑی کو پرے پھینک دیا اور ان سنگ دلوں کو سخت سست بھی کہا۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کو اسلام اور پیغمبر اسلام سے کتنی سخت دشمنی تھی، لیکن خدا کی قدرت دیکھو اس نے اسی ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا، یعنی اس کی صاحبزادی ام کلثومؓ شرف بہ اسلام ہوئیں۔

(۷ھ) میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ام کلثومؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پیدل روانہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلی تھیں، اس لیے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے، حضرت ام کلثومؓ نے فریاد کی کہ "مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے، میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر ہوئی، لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہیں تھیں اس لیے ان کے متعلق خاص یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یاأیہا الذین آمنوا اذا جاء کم المومنات مہاجرات فامتحنوھن اللہ أعلم بایمانہن فان علمتموھن مومنات فلاترجعوھن الی الکفار﴾ (مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے یہاں واپس نہ بھیجو)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے مطابق حضرت ام کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت امیمہؓ کا قبول اسلام

حضرت امیمہؓ مشہور صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ ہیں، اگر چہ ان کے صاحبزادے ابو ہریرہؓ مسلمان ہو چکے تھے لیکن وہ مشرک تھیں، ایک دن انہوں نے آنحضرت کی شان میں گستاخی کی تو حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت ناگوار ہوا، روتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچے، اور کہا: ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اب میری ماں کے مسلمان ہونے کے لیے دعا فرمایئے“، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، ادھر ان کی حالت میں دفعۃً انقلاب پیدا ہو گیا، غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کلمہ پڑھا، حضرت ابو ہریرہؓ مارے خوشی کے آبدیدہ ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت امیمہؓ نہایت خوش قسمت تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابو ہریرہؓ جیسا سعادت مند بیٹا عطا فرمایا تھا، وہ گھر آتے تو کہتے ”السلام علیکم یا أمتاہ ورحمة اللہ وبرکاتہ“ وہ جواب میں کہتیں ”وعلیك السلام یابنی ورحمة اللہ وبرکاتہ“ پھر حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ”اللہ تعالیٰ آپ پر اسی طرح رحمت نازل فرمائے جس طرح آپ نے بچپن میں میری پرورش کی“ وہ جواب دیتیں ”اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تم پر بھی اسی طرح رحمت نازل فرمائے جس طرح تم نے جوان ہو کر مجھ سے برتاؤ کیا“۔

حضرت ام شریکؓ کا قبول اسلام

حضرت ام شریکؓ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد دعوت حق کا آغاز فرمایا تو وہ مکہ میں قیام پذیر تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، انہوں نے کسی تامل کے بغیر دعوت توحید پر لبیک کہا اور اس طرح ''السابقون الاولون'' کی مقدس جماعت کی رکن بن گئیں۔

علامہ سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ حضرت ام شریکؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کے مشرک اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا اور اس حالت میں ان کو روٹی کے ساتھ شہد کھلاتے تھے جس کی تاثیر نہایت گرم ہوتی ہے، پانی پلانا بھی بند کر دیا، جب اس طرح تین دن گذر گئے تو مشرکین نے کہا کہ ''جو دین تم نے اختیار کیا ہے اس کو چھوڑ دو''، وہ تین شب و روز کی تکلیف سے بدحواس ہوگئی تھیں، مشرکین کی بات کا مطلب نہ سمجھ سکیں، جب ان لوگوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو وہ سمجھ گئیں کہ یہ لوگ مجھ سے توحید کا انکار کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، فوراً بولیں: ''خدا کی قسم! میں تو اسی عقیدہ پر قائم ہوں''۔

حضرت ام شریکؓ نے خود ہی اسلام قبول کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ نہایت سرگرمی سے قریش کی عورتوں کو بھی اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی، علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ ''ام شریکؓ آغاز اسلام میں قریش کی عورتوں میں اسلام کی تبلیغ کیا کرتی تھیں، مشرکین قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا''۔

حضرت صعبہؓ کا قبول اسلام

حضرت صعبہؓ مشہور صحابی حضرت علاء بن الحضرمیؓ کی بہن ہیں اور حضرت طلحہؓ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ان کی والدہ ہیں۔

دعوت حق کے بالکل ابتدائی زمانہ میں اپنے فرزند کے ہمراہ سعادت اندوز اسلام ہوئیں، اور چند سال کے بعد اپنے فرزند کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئیں۔

حضرت شفاءؓ بنت عوف کا قبول اسلام

حضرت شفاءؓ مشہور صحابی رسول یکے از عشرہ مبشرہ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی والدہ تھیں۔

حضرت شفاءؓ نے بعثت نبوی کے ابتدائی تین سالوں میں کسی وقت اسلام قبول کیا، اس طرح وہ سابقین اولین کی مقدس جماعت میں بھی امتیاز رکھتی ہیں۔

ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت چند دوسری عورتوں کے علاوہ وہ بھی حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں۔

حضرت شفاءؓ بنت عبد اللہ کا قبول اسلام

حضرت شفاءؓ کے قبول اسلام کے زمانہ کی تخصیص نہیں کی گئی، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ہجرت سے قبل کسی وقت بڑے ناسازگار حالات میں سعادت اندوز اسلام ہوئیں، اور پھر جب بارگاہ رسالت سے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی تو انہوں نے بھی ہجرت کا شرف حاصل کیا، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ ''وہ ان چند خواتین میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ارشاد نبوی پر لبیک کہا اور ارض مکہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی''۔

حضرت رملہؓ بنت ابی عوف کا قبول اسلام

حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ کے چچازاد بھائی حضرت مطلب بن ازہر زہری سے نکاح ہوا، دونوں میاں بیوی دعوت حق کے ابتدائی سالوں میں مشرف بہ اسلام ہوئے، دوسری ہجرت حبشہ میں حضرت رملہؓ اور ان کے شوہر دونوں نے راہ حق میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی، وہیں ان کے فرزند عبد اللہ بن مطلب پیدا ہوئے، حضرت مطلبؓ نے حبشہ ہی میں وفات پائی، اور حضرت رملہؓ پر غریب الوطنی کے علاوہ بیوگی کی مصیبت بھی آن پڑی، لیکن وہ بڑے صبر واستقامت کے ساتھ اپنا وقت گزارتی رہیں، غزوہ خیبر کے موقع پر اپنے فرزند عبد اللہ اور دوسرے مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ منورہ آئیں اور باقی زندگی یہیں گزاری۔

حضرت زنیرہؓ کا قبول اسلام

حضرت زنیرہؓ قریش کے خاندان بنو مخزوم کی لونڈی تھیں، دعوت حق کے ابتدائی زمانہ میں نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہوئیں، اور اسی جرم کی وجہ سے مشرکین کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئیں، ابو جہل ان پر نت نئے ظلم ڈھاتا تھا اور انہیں شرک پر مجبور کرتا تھا، لیکن انہیں جان دینا منظور تھا، خدائے واحد سے منہ موڑنا کسی صورت میں گوارہ نہ تھا۔

علامہ بلازری کا بیان ہے کہ راہ حق میں بے پناہ مظالم سہتے سہتے ان کی بینائی جاتی رہی، اس پر ابو جہل نے انہیں طعنہ دیا کہ لات وعزیٰ نے تجھے اندھا کر دیا، انہوں نے بے دھڑک جواب دیا، لات وعزیٰ پتھر کے بت ہیں وہ کیا جانیں کہ انہیں کون پوج رہا ہے اور کون نہیں پوجتا، اگر میری بینائی زائل ہوگئی ہے تو یہ مصیبت میرے اللہ کی طرف سے ہے اگر وہ چاہے تو میری بینائی واپس بھی دے سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کی شان استقامت اتنی پسند آئی کہ دوسرے دن وہ سو کر اٹھیں تو ان کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔

ابن اثیر کے بیان کے مطابق حضرت زنیرہؓ بنو عدی کی لونڈی تھیں اور حضرت عمر بن خطاب قبول اسلام سے پہلے ان پر سختیاں کیا کرتے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت لبینہؓ کا قبول اسلام

قریش کے خاندان بنوعدی کی ایک شاخ بنی مؤمل کی لونڈی تھیں، بعثت نبوی کے ابتدائی سالوں میں سعادت اندوز اسلام ہوگئیں، اس پر حضرت عمرؓ اپنے زمانہ کفر میں اتنا ناراض ہوئے کہ ان کو روزانہ مارا کرتے تھے، جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے "میں تجھ پر رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں، اب بھی اس نئے دین اسلام کو ترک کردے"، وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ "ہرگز نہیں! تو جتنا ظلم ڈھا سکتا ہے، ڈھالے میں یہی کہوں گی کہ اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا تم سے اس کا انتقام لے گا"، بالآخر حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ام عبیسؓ کا قبول اسلام

قریش کے خاندان بنوزہرہ کی لونڈی تھیں، دعوت حق پر لبیک کہنے والے ابتدائی مسلمانوں میں سے تھیں۔

حق پرستی کے جرم میں مکہ کا مشہور مشرک رئیس اسود بن عبدیغوث ان پر بے پناہ ظلم کرتا تھا، لیکن وہ کسی صورت میں اسلام سے منحرف نہ ہوتی تھیں، حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا۔

حضرت حمامہؓ کو قبول اسلام

حضرت حمامہؓ موذن رسول ﷺ حضرت بلالؓ کی والدہ تھیں، حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ وہ بھی اپنے بیٹے کی طرح دعوت حق کے اوائل میں مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں، مشرکین نے جہاں ان کے فرزند حضرت بلالؓ کو لرزہ خیز مظالم کا نشانہ بنایا، وہاں ان کو بھی طرح طرح کے عذاب دیئے، لیکن وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں، ماں اور بیٹا دونوں حضرت صدیق اکبرؓ نے خرید کر آزاد کر دیئے۔

حضرت نہدیہؓ کا قبول اسلام

حضرت نہدیہؓ بنو عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈی تھیں، بعثت نبوی کے ابتدائی زمانے میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں، اس پر ان کی مالکہ نے سخت ظلم ڈھائے، بالآخر حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ام معبدؓ خزاعیہ کا قبول اسلام

حضرت ام معبدؓ قوم خزاعہ سے تھیں، مسافروں کی خبر گیری اوران کی تواضع کے لیے مشہور تھیں، سر راہ پانی پلایا کرتی تھیں اور مسافر وہاں ٹھہر کر سستایا کرتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ ہجرت کی نیت سے مکہ سے روانہ ہوئے اور تین راتیں غار ثور میں گزار کر مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو ام معبد کے خیمہ پر گزر ہوا، پوچھا گیا کہ "اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے"؟ وہ بولیں "نہیں، اگر کوئی چیز موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کردیتی"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ کے گوشہ میں ایک بکری دیکھی، پوچھا: "یہ بکری کیوں کھڑی ہے"؟ ام معبد نے کہا کہ "کمزور ہے، ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اجازت ہے کہ ہم اسے دوہ لیں"؟ ام معبد نے کہا کہ "اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دوہ لیجیے"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا، برتن مانگا وہ ایسا بھر گیا کہ دودھ اچھل کر زمین پر بھی گر گیا، یہ دودھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمراہیوں نے پی لیا، دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا گیا، برتن پھر بھر گیا یہ بھی ہمراہیوں نے پیا، تیسری دفعہ برتن پھر بھر گیا، اور وہ ام معبد کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

حضرت ام معبد کے قبول اسلام کے متعلق دو مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ ان کانوں میں صاحب قریش کی بھنک پہلے سے پڑ چکی تھی، چنانچہ جب پہلے پہل ان کی نظر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر پڑی تو ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ وہی صاحب قریش ہیں جو توحید کے داعی اور نیکی وہدایت کا سرچشمہ ہیں، بکری کا واقعہ دیکھا

تو انہیں قطعی یقین ہو گیا کہ مہمان عزیز اللہ کے سچے رسول ہیں چنانچہ وہ اسی وقت صدق دل سے مسلمان ہو گئیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعائے خیر و برکت مانگی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد ابو معبد اور ام معبد دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادت ایمانی سے بہرہ مند ہوئے۔

حضرت لیلیٰؓ کا قبول اسلام

حضرت لیلیٰ کا نکاح حضرت عامر بن ربیعہؓ سے ہوا، جن کو حضرت عمرؓ کے والد خطاب نے فرط محبت سے اپنا بیٹا بنا رکھا تھا۔

دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، انہوں نے دعوت حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبول اسلام کا شرف حاصل کیا، اور قریش کے ظلم وستم کا نشانہ بن گئے، جب کفار مکہ کا ظلم وستم حد سے بڑھ گیا تو میاں بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر ہجرت حبشہ کا قصد کیا، حضرت لیلیٰ اونٹ پر سوار ہونے کو تھیں کہ حضرت عمرؓ وہاں آ گئے، وہ ابھی تک کفر وشرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے، انہوں نے حضرت لیلیٰ سے پوچھا کہ ''کدھر کی تیاری ہے''؟ انہوں نے جواب دیا: ''تم لوگوں نے ہم کو بہت ستایا ہے اس لیے ہم گھر بار کو خیر باد کہہ رہے ہیں، خدا کا ملک تنگ نہیں ہے جہاں چاہیں گے چلیں جائیں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی خلاصی کی کوئی صورت پیدا نہ کر دے وطن سے دور ہی رہیں گے''۔

حضرت عمرؓ کو ان پر بہت ترس آیا اور کہا:

''صَحِبَكُمُ اللّٰهُ'' (اللہ تمہارے ساتھ ہو)

جب وہ چلے گئے تو حضرت لیلیٰ کے شوہر عامر بن ربیعہ بھی آ پہنچے، حضرت لیلیٰ نے ان کو یہ واقعہ سنایا تو بولے: ''عمر اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک خطاب کا گدھا ایمان نہ لائے گا''، گویا ان کے نزدیک جس طرح گدھے کا قبول اسلام ناممکنات میں سے ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کا شرف ایمان سے بہرہ ور ہونا

بھی ناممکن تھا، لیکن حضرت لیلیٰ نے کہا کہ ”مجھے دیکھ کر عمرؓ پر سخت رقت طاری ہوگئی تھی کیا خبر اللہ ان کا دل پھیر دے“۔

حضرت عامرؓ نے فرمایا: ”کیا تم چاہتی ہو کہ عمرؓ ایمان لے آئیں“؟ حضرت لیلیٰ نے کہا: ”ہاں“ اللہ تعالیٰ نے حضرت لیلیٰ کی تمنایوں پوری کی کہ اگلے ہی سال حضرت عمرؓ سعادت اندوزِ ایمان ہوگئے اور اسلام کے قوی دست و بازو بن گئے۔

دونوں میاں بیوی حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے اور چند سال غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد حضرت عامرؓ اور حضرت لیلیٰ کچھ دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ واپس آگئے اور پھر چند دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اذن پا کر مدینہ منورہ کی طرف مستقل ہجرت کر گئے۔

حضرت فاطمہؓ بنت صفوان کا قبول اسلام

حضرت فاطمہ بنت صفوان کا نکاح حضرت عمرو بن سعیدؓ سے ہوا، دونوں میاں بیوی بعثت نبوی کے ابتدائی سالوں میں اسلام لائے اور سابقین اولین میں شمار ہوئے، اگرچہ حضرت عمرو بن سعیدؓ کا شمار بنو امیہ کے ذی وجاہت لوگوں میں ہوتا تھا، لیکن مشرکین نے انہیں بھی اسلام لانے کے جرم میں مکہ میں چین سے نہ بیٹھنے دیا اور اپنی اہلیہ سمیت حبش کی طرف ہجرت کر گئے، حضرت فاطمہؓ نے قیام حبشہ کے دوران میں قضائے الٰہی سے وفات پائی اور دار الہجرت ہی میں پیوند خاک ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ عامریہ کا قبول اسلام

حضرت فاطمہؓ عامریہ ان جلیل القدر صحابیات میں سے ہیں جو بعثت نبوی کے پہلے تین سالوں کے دوران میں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں، ان کا نکاح حضرت حاطب بن حارث جمحی سے ہوا، جو انہیں کی طرح سابقین اسلام میں سے تھے، جب کفار مکہ نے انہیں بہت ستایا تو دونوں میاں بیوی اپنے دو بیٹوں محمد بن حاطبؓ اور حارث بن حاطبؓ کو لے کر ہجرت ثانیہ میں دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ حبش چلے گئے، قیام حبشہ کے دوران میں حضرت حاطبؓ نے وفات پائی اور سرزمین حبش ہی ان کی ابدی آرام گاہ بنی، حضرت فاطمہؓ اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ (۷ھ) میں مدینہ منورہ واپس آئیں۔

حضرت عمرہؓ بنت السعدی کا قبول اسلام

ان کا نکاح ام المومنین حضرت سودہؓ کے حقیقی بھائی حضرت مالک بن زمعہ سے ہوا، دونوں میاں بیوی سابقین اولین میں سے ہیں اور دونوں کو ہجرت حبشہ کا شرف حاصل ہے، ابن ہشام کے بیان کے مطابق حضرت عمرہؓ اپنے خاوند حضرت مالکؓ کے ہمراہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حبش سے مدینہ منورہ واپس آئیں۔

حضرت زینب بنت مظعون رضؓ کا قبول اسلام

حضرت زینب رضؓ کا نکاح حضرت عمرؓ بن خطاب سے ہوا، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ام المومنین حضرت حفصہ رضؓ ان ہی کے بطن سے تھے۔

غالباً حضرت عمرؓ کے ساتھ نہایت نا مساعد حالات میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں، اور اپنے جلیل القدر شوہر کے ساتھ ہی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اس کا ثبوت حضرت عمرؓ کی اس روایت سے ملتا ہے جس میں وہ اپنے فرزند حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی نسبت فرماتے ہیں کہ "ان کو تو ان کے والدین نے اپنے ساتھ لے کر ہجرت کی تھی"۔

حضرت زینبؓ کے تین بھائیوں حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ بن مظعونؓ، اور حضرت قدامہ بن مظعونؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ رضؓ میں ہوتا ہے، تینوں سابقین اولین اور اصحاب بدر میں سے ہیں۔

حضرت ریطہؓ بنت الحارث کا قبول اسلام

حضرت ریطہؓ کا نکاح حضرت صدیق اکبرؓ کے ماموں زاد بھائی حضرت حارثؓ بن خالد تیمی سے ہوا، دونوں میاں بیوی دعوت حق کے ابتدائی زمانے میں اسلام لائے، اور سابقین اولین میں شمار ہوئے۔

جب اسلام کے جرم میں مشرکین قریش نے اہل حق کا جینا دوبھر کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر مسلمانوں نے حبشہ کی ہجرت کرنا شروع کر دیا، حضرت ریطہؓ اور ان کے شوہر حضرت حارثؓ بھی دوسری ہجرت حبشہ میں حبش چلے گئے، حبشہ میں حضرت ریطہؓ کے بطن سے حضرت حارثؓ کا ایک لڑکا موسیٰ اور تین لڑکیاں عائشہ، زینت، اور فاطمہ پیدا ہوئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت حارثؓ نے بھی اپنے اہل وعیال کے ہمراہ حبش سے مدینہ منورہ کا قصد کیا، راستہ میں ایک جگہ سارے خاندان نے پانی پیا، اس پانی میں زہر کا اثر تھا، حضرت ریطہؓ اور ان کے چاروں بچے اس سے جاں بحق ہوگئے، البتہ حضرت حارثؓ بچ گئے اور راہ خدا میں سارے گھر کو دفنا کر تن تنہا مدینہ منورہ پہنچے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی روداد غم بیان کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور ایک دوسری جگہ ان کا نکاح کر دیا۔

حضرت حسنہ ؓ کا قبول اسلام

حضرت حسنہ جلیل القدر صحابی حضرت شرحبیل بن حسنہ ؓ کی والدہ تھیں، اور خود بھی عظیم المرتبت صحابیات میں شمار ہوتی ہیں، زمانہ جاہلیت میں ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو کندی سے ہوا، ان کے صلب سے حضرت شرحبیل ؓ پیدا ہوئے، عبداللہ کے انتقال کے بعد سفیان بن معمر سے نکاح کر لیا، حضرت سفیان بن معمر ؓ کے صلب سے حضرت حسنہ ؓ کے دو بیٹے جابر ؓ، اور جنادہ ؓ پیدا ہوئے، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد دعوت حق کا آغاز فرمایا تو حضرت سفیان بن معمر ؓ، حضرت حسنہ ؓ، حضرت شرحبیل ؓ، حضرت جابر ؓ، اور حضرت جنادہ ؓ سب نے بغیر کسی تامل کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا، گویا کہ پورے کا پورا کنبہ اسلام کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہو گیا، اس شرف میں بہت کم خاندان ان کے شریک ہیں، چند سال بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام ؓ کو کفار کے مظالم سے بچنے کے لیے حبش جانے کا مشورہ دیا تو حضرت حسنہ ؓ نے بھی اپنے شوہر اور بیٹوں کے ساتھ حبش کی غریب الوطنی اختیار کی، اس طرح پورے گھرانے نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا، حضرت حسنہ تقریباً تیرہ سال تک حبش میں مقیم رہیں اور غزوۂ خیبر کے موقع پر اپنے اہل خاندان کے ہمراہ مدینہ منورہ واپس آئیں۔

حضرت امینہؓ خزاعیہ کا قبول اسلام

حضرت امینہ کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت خالد بن سعیدؓ سے ہوا، دونوں میاں بیوی سابقین اولین میں سے ہیں، حضرت امینہؓ نے اسلام لانے کے بعد اپنے شوہر کے ہمراہ حبش کی طرف ہجرت کی، وہیں ان کے صاحبزادے سعیدؓ اور صاحبزادی ام خالد پیدا ہوئیں، ان دونوں کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے، حضرت امینہؓ غزوۂ خیبر کے زمانے میں اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ مدینہ منورہ آئیں اور باقی زندگی یہیں گزاری۔

حضرت سہلہؓ بنت سہیل کا قبول اسلام

حضرت سہلہؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے، ان کے والد سہیل قریش کے سرداروں میں سے تھے اور اپنی فصاحت وبلاغت سے بڑے بڑے مجمعوں کو متحرک کر دیتے تھے لیکن بدقسمتی سے ان کا سارا زور بیان فتح مکہ تک اسلام کے خلاف صرف ہوتا رہا، خدا کی قدرت کہ سہیل جس قدر اسلام کی مخالفت میں سرگرم تھے ان کی اولاد اسی قدر اسلام کی شیدائی تھی، ان کی دو بیٹیاں حضرت سہلہؓ اور ام کلثومؓ، اور دو بیٹے عبداللہؓ اور ابوجندلؓ ان سعادت مند لوگوں میں سے تھے جنھوں نے بعثت نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں دعوت توحید پر لبیک کہا، حضرت سہلہؓ کی شادی قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ابوحذیفہ سے ہوئی وہ بھی سابقین اولین

کی مقدس جماعت میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے، دونوں میاں بیوی قریش کے مقتدر خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود کفار کے دست ظلم سے محفوظ نہ رہ سکے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر حبش کی ہجرت کر گئے، وہاں دو تین مہینے ہی گذرے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح ہو جانے کی خبر سنی، یہ خبر سن کر وہ چند دوسرے مہاجرین کے ہمراہ مکہ روانہ ہو گئے، ابھی مکہ کے راستہ ہی میں تھے کہ انہیں اس خبر کے غلط ہونے کی اطلاع ملی لیکن اب انہوں نے واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور امیہ بن خلف کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہو گئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا تو حضرت سہلہؓ اپنے شوہر ابو حذیفہؓ اور فرزند محمدؓ، اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ جو سالم مولی ابو حذیفہؓ کے نام سے مشہور ہیں کے ہمراہ مکہ سے مستقل مدینہ منورہ چلی گئیں اور پھر ساری زندگی وہیں گذاری۔

حضرت ام کلثومؓ بنت سہیل کا قبول اسلام

حضرت ام کلثومؓ حضرت سہلہؓ کی حقیقی بہن تھیں، ان کا شمار بھی نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے، بعثت نبوی کے بالکل ابتدائی زمانہ میں شرف اسلام سے مشرف ہوئیں، ان کی شادی حضرت ابو سبرہؓ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبد المطلب کے فرزند تھے سے ہوئی، انہیں بھی سابقین اولین کی مقدس جماعت کا ایک معزز رکن ہونے کا شرف حاصل ہے، حبشہ کی دوسری ہجرت میں اپنے شوہر حضرت ابو سبرہؓ کے ساتھ حبش چلی گئیں، تقریباً چھ سات سال تک غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد دونوں میاں بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے مکہ واپس آ گئے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر ہجرت مدینہ کی سعادت حاصل کی۔

حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

حضرت ام قیس مشہور صحابی رسول حضرت عکاشہ بن محصن کی حقیقی بہن تھیں، انہوں نے اپنے دونوں بھائی عکاشہ بن محصن اور عمرو بن محصن کے ساتھ ہی ہجرت نبوی سے پہلے اسلام قبول کیا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو حضرت ام قیس بھی اپنے بھائیوں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ پہنچیں۔

حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری کی اہلیہ تھیں، ہجرت نبوی سے قبل اپنے شوہر کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سات ماہ تک حضرت ابوایوب کے گھر میں قیام فرمایا، اس دوران میں حضرت ام ایوب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا تیار کیا کرتی تھیں، ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ایوب کے مکان کی زیریں منزل میں قیام فرمایا، حضرت ابوایوب اور ام ایوب اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق بالاخانہ میں منتقل ہو گئے تھے مگر دونوں میاں بیوی کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا تھا کہ وہ تو بالائی منزل میں مقیم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نچلی منزل میں، ابن ہشام کا بیان ہے کہ ایک روز بالاخانہ پر پانی سے بھرا ہوا برتن پھوٹ

گیا، میاں بیوی اس خیال سے بے قرار ہو گئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور حضور ﷺ کو تکلیف ہوگی، گھر میں اوڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا، انہوں نے فی الفور یہ لحاف گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا تا کہ بہتا ہوا پانی لحاف میں جذب ہو جائے، جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔

ایک دن اپنے بالائی منزل میں مقیم ہونے کا احساس اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور ساری رات اسی حالت میں جاگ کر گزار دی، صبح ہوئی تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے"، حضور ﷺ نے سبب دریافت کیا تو عرض کیا کہ "ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، ہر لمحہ یہ خیال سوہان روح بنا رہتا ہے کہ آپ ﷺ تو نچلی منزل میں تشریف رکھتے ہیں اور ہم بالا خانہ میں مقیم ہیں، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ بالا خانہ پر تشریف لے چلیے، حضور ﷺ کے غلاموں کے لیے آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعث سعادت ہے"۔

سرور کونین ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور حضرت ابو ایوبؓ اور حضرت ام ایوبؓ نے مسرت کے ساتھ نچلی منزل میں اقامت اختیار کر لی۔

سرور دو عالم ﷺ اپنے خانہ اقدس میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی کبھی کبھی حضرت ابو ایوبؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے، دونوں میاں بیوی حضور ﷺ کا پر تپاک خیر مقدم کرتے تھے اور جو کچھ میسر ہوتا حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔

حضرت ام فروہؓ کا قبول اسلام

حضرت ام فروہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بہن تھیں، اہل سیر نے ان کے قبول اسلام کا زمانہ نہیں لکھا لیکن ان کے شرف ایمان وصحابیت پر سب کا اتفاق ہے، ان کی شادی حضرت اشعث بن قیس سے ہوئی تھی، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ اشعث بن قیسؓ یمن کے علاقہ کندہ کے حکمراں تھے وہ (۱۰ھ) میں ایک وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا لیکن بدقسمتی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ فتنہ ردہ میں مبتلا ہو گئے، آخر انہیں گرفتار کر کے خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں لایا گیا، انہوں نے خلیفۃ الرسول کے سامنے سچے دل سے توبہ کر لی اور اپنی لغزش پر سخت ندامت کا اظہار کیا، اس پر صدیق اکبرؓ نے انہیں نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اپنی بہن ام فروہؓ کا نکاح بھی ان سے کر دیا۔

حضرت تماضرؓ بنت الاصبغ کا قبول اسلام

حضرت تماضر قبیلہ کلب کے سردار اصبغ بن عمرو الکلبی کی بیٹی تھیں جو دین مسیح کے ماننے والے تھے، شعبان (۶ھ) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ کو دومۃ الجندل کی مہم پر مامور فرمایا اور جب وہ چلنے لگے تو ان کو ہدایت فرمائی کہ دومۃ

الجندل پہنچ کر قبیلہ کلب کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول کریں تو ان کے سردار کی لڑکی سے نکاح کر لینا، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کی، رئیس قبیلہ اصبغ اور ان کی قوم کے بہت سے لوگوں نے برضا ورغبت اسلام قبول کر لیا، حضرت عبدالرحمانؓ نے حسب ارشاد اصبغؓ کی بیٹی تماضرؓ سے نکاح کر لیا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ آئے، تماضرؓ ان کے عقد نکاح میں آخر تک رہیں، بعض اہل سیر نے حضرت تماضرؓ کو تابعات میں شمار کیا ہے لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ایک مسلم خاتون جنھوں نے عہد رسالت کے کئی سال مدینہ منورہ میں گزارے ہوں اور پھر ایک جلیل القدر صحابیؓ کی اہلیہ بھی ہوں وہ شرف صحابیت سے محروم رہیں۔

حضرت عاتکہؓ بنت زید کا قبول اسلام

جلیل القدر صحابی رسول حضرت سعید بن زیدؓ ان کے حقیقی بھائی تھے، اور ان کے والد زید ان لوگوں میں سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں ہی توحید کے قائل تھے اور جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "وہ قیامت کے دن ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے"۔

زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چند سال قبل کسی دشمن نے قتل کر ڈالا اور عاتکہؓ یتیم رہ گئیں، سن شعور کو پہنچ کر انہوں نے قبول اسلام کی سعادت حاصل کی اور صحابیت کا شرف حاصل کیا، ان کی شادی حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے ہوئی تھی، ان کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

حضرت فاطمہؓ بنت ولید کا قبول اسلام

حضرت فاطمہؓ کا دادا عتبہ بن ربیعہ قریش کا نامور رئیس تھا اور ان کے والد ولید کا شمار بھی قریش کے شجاع اور مالدار جوانوں میں ہوتا تھا، دادا اور والد دونوں آخری دم تک کفر وشرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے اور غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

البتہ ان کے چچا حضرت ابو حذیفہؓ اور خود ان کو اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام کی توفیق دی اور دونوں نے شرف صحابیت حاصل کیا۔

حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنی سعادت مند بھتیجی کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ سے جو سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ کے نام سے مشہور ہیں کر دیا، حضرت فاطمہؓ کو ہجرت کا شرف بھی حاصل ہے۔

حضرت سہلہؓ بنت عاصم کا قبول اسلام

حضرت سہلہ ؓ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے یا بعد اسلام قبول کیا اور شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں، ان کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ سے ہوا، صحیح بخاری کتاب النکاح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمانؓ پر مراسم شادی کی علامات دیکھیں تو پوچھا:

''نکاح کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ''جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس سے؟

حضرت عبدالرحمانؓ نے کہا: ایک انصاریہ سے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا مہر ہے؟

عرض کیا: سونے کی ایک گٹھلی یا کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ یہ شادی تمہارے لیے مبارک کرے، ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی۔

حضرت ام اوس رضی اللہ عنہا انصاریہ کا قبول اسلام

حضرت ام اوس رضی اللہ عنہا نے ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا اور شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں، قبول اسلام کے بعد انہوں نے ایک کپی میں گھی بھر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھی قبول فرما لیا اور ان کے لیے برکت کی دعا کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کپی حضرت ام اوس رضی اللہ عنہا کو واپس بھجوا دی، وہ یہ دیکھ کر پریشان ہوئیں کہ کپی بدستور گھی سے بھری ہوئی تھی، روتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ ناچیز کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی کہ "میں نے تمہارا ہدیہ قبول کر لیا ہے، اب اس کپی میں جو گھی ہے اسے تم اپنے استعمال میں لاؤ"، اس واقعہ کے بعد حضرت ام اوس رضی اللہ عنہا سالہا سال تک اس کپی میں سے گھی لے کر استعمال کرتی رہیں وہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام اوس رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہیں اور اسی کپی سے گھی لے کر استعمال کیا کرتی تھیں۔

حضرت ام الخیرؓ کا قبول اسلام

ان کی شادی ابوقحافہ سے ہوئی اور ان کے صلب سے ملت اسلامیہ کی وہ مایہ ناز ہستی پیدا ہوئی جن کو دنیا افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے نام سے جانتی ہے۔

صدیق اکبرؓ کے قبول اسلام کے بعد حضرت ام الخیرؓ کچھ عرصہ تک اپنے آبائی مذہب ہی پر قائم رہیں، ادھر سعادت مند فرزند نے اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر دی، ان کا طرز عمل کفار کو ایک آنکھ نہ بھایا اور وہ ان کے درپے آزار ہو گئے، ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور وہاں پر موجود مشرکین کو دعوت حق دی، مشرکین ان کی باتیں سن کر مشتعل ہو گئے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پیچھے ڈھکیل دیا اور حضرت ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے، اور اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے، اسی درمیان میں بنو تیم کے کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے، انہوں نے مشتعل مشرکین کو پرے ہٹایا اور حضرت ابوبکرؓ کو گھر لے گئے، گھر پہنچ کر حضرت صدیق اکبرؓ کو ذرا ہوش آیا تو سب سے پہلے ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے"؟ گھر والے جو ابھی شرف اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے، ان کو ملامت کرنے لگے کہ "اس حالت میں بھی آپ کو اپنے ساتھی کا خیال ہے، اور اپنی کچھ پرواہ نہیں"، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ برابر یہی پوچھتے رہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ مجھے ان کی خبر لا دو"۔

ایک روایت کے مطابق رات کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبرؓ کے گھر تشریف

لائے، انہیں اس حال میں دیکھا تو آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور فرط محبت سے ان کی پیشانی چوم لی، اس موقع پر صدیق اکبرؓ نے نہایت لجاجت سے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! یہ میری والدہ ہیں ان کے لیے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نعمت اسلام سے بہرہ ور کرے اور عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے''۔ حضور ﷺ نے حضرت ام الخیرؓ کے لیے دعا فرمائی جو فوراً قبول ہوئی اور وہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔

حضرت ام حرملہؓ کا قبول اسلام

حضرت ام حرملہؓ بنت عبدالاسد کی شادی حضرت جہمؓ بن قیس سے ہوئی، دونوں میاں بیوی نہایت سعید الفطرت تھے اور دعوت اسلام کے آغاز ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، (۶ ھ) میں اپنے دونوں فرزندوں عمرو بن جہم اور خزیمہ بن جہم کو ساتھ لے کر حبش کی طرف ہجرت کرنے والے دوسرے قافلے میں شامل ہو گئے، حضرت حرملہؓ نے قیام حبش کے دوران میں ہی وفات پائی اور سرزمین حبش ہی کو ان کی آخری آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت برکہؓ بنت یسار کا قبول اسلام

حضرت برکہؓ ابوسفیان کی آزاد کردہ لونڈی تھیں اور دعوت توحید کے ابتدائی زمانے میں دولت ایمان سے بہرہ یاب ہوگئی تھیں، ان کا نکاح حضرت قیسؓ بن عبداللہ سے ہوا، وہ بھی سابقین اولین میں سے تھے، دوسری ہجرت حبشہ میں دونوں میاں بیوی نے حبش کی غریب الوطنی اختیار کی اور وہاں سے غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ منورہ آئے۔

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ان کی لڑکی آمنہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی دایہ تھیں اور حضرت قیس ان کے پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش کے خدمت گار تھے عبیداللہ نے حبش جا کر عیسائی مذہب اختیار کرلیا، لیکن قیسؓ اور برکہؓ بدستور اسلام پر قائم رہے۔

حضرت فکیہہؓ بنت یسار کا قبول اسلام

نہایت قدیم الاسلام صحابیات میں سے ہیں، تمام اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ انہوں نے بعثت نبوی کے ابتدائی تین سالوں میں اسلام قبول کیا، ان کا نکاح حضرت حطابؓ، یا خطاب بن حارث سے ہوا جو انہی کی طرح سابقین اولین میں سے تھے، جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا کردی تو دونوں میاں بیوی (۶ ھ) میں مہاجرین حبشہ کے دوسرے قافلے میں شامل ہو گئے اور حبش کو اپنا وطن ثانی بنالیا، حضرت خطاب بن حارث قیام حبشہ کے دوران میں ہی انتقال کر گئے اور حضرت فکیہہؓ بیوگی کے عالم میں غزوۂ خیبر کے موقع پر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آئیں۔

حضرت اسماءؓ بنت سلامہ کا قبول اسلام

حضرت اسماءؓ دعوت توحید کے بالکل ابتدائی دور میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں، ان کا نکاح حضرت عیاش بن ربیعہؓ سے ہوا، وہ ابو جہل جیسے دشمن اسلام کے ماں جائے بھائی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے عیاشؓ کو فطرت سعید عطا کی تھی چنانچہ بعثت نبوی کے ابتدائی زمانے میں اس وقت اسلام لائے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم کے گھر تشریف نہیں لائے تھے۔

ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے حضرت عیاشؓ اور حضرت اسماءؓ پر اسلام کے جرم میں جینا دو بھر کر دیا تو دونوں میاں بیوی مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے اور ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے مکہ واپس آ گئے اور حضرت عیاشؓ نے حضرت عمرؓ کے ہمراہ ہجرت مدینہ کا شرف حاصل کیا، قیاس یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ نے ہجرت نبوی کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور سارا خاندان مدینہ میں یکجا ہو گیا۔

حضرت یقظہؓ بنت علقمہ کا قبول اسلام

حضرت یقظہؓ سابقین اولین کے اس طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں جس کو بعثت نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، ان کے شوہر حضرت سلیطؓ بن عمرو بھی اسی سعادت مند گروہ میں سے تھے، دوسری ہجرت حبشہ میں دونوں میاں بیوی نے راہ حق میں گھر بار کو خیر باد کہا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی، تقریباً تیرہ برس پردیس میں گزارنے کے بعد غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ منورہ کو واپسی ہوئی۔

حضرت اروی رضؓ بنت عبدالمطلب کا قبول اسلام

حضرت اروی رضؓ کے حسب ونسب کے بارے میں اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں، اوران کے قبول اسلام پر بہت سے اہل سیر کا اتفاق ہے۔

حضرت ارویؓ کا نکاح عمیر بن وہب سے ہوا، ان کے صلب سے طلیبؓ پیدا ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت اسلام کا آغاز فرمایا تو جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کرنے میں اولیت کا شرف حاصل کیا حضرت طلیبؓ بھی ان میں شامل تھے، حضرت طلیبؓ دار ارقم سے مسلمان ہو کر گھر آئے اور والدہ سے کہا: ”اماں جان! میں اپنے ماموں زاد بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لایا ہوں، وہ خدا کے سچے رسول ہیں“۔

حضرت اروی نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن بڑے اخلاص و دردمندی کے ساتھ اپنے فرزند سے کہا: "بیٹے! تمہارا بھائی آج مخالفتوں کے طوفان میں گھرا ہوا ہے، بے کس و مظلوم ہے، اور واقعی تمہاری امداد کا مستحق ہے، اے کاش کہ مجھ میں مردوں جیسی طاقت ہوتی تو اپنے یتیم بھتیجے کو ظالموں کے ظلم سے بچاتی"۔

طلیبؓ نے کہا: "اماں! تو پھر آپ بھی اسلام قبول کیوں نہیں کر لیتیں"؟ حضرت اروی نے کہا: "مجھے دوسری بہنوں کا انتظار ہے"۔

حضرت طلیبؓ نے کہا: "اماں! اب انتظار کا وقت نہیں، خدا کے لیے میرے ساتھ بھائی کے پاس چلیں اور دولت اسلام سے بہرہ یاب ہو جائیں"، حضرت اروی مزید عذر نہ کر سکیں، اسی وقت اپنے سعادت مند بیٹے کے ساتھ حضرت ارقم کے گھر میں حاضر ہوئیں اور مشرف بہ اسلام ہوئیں، حضرت اروی اور حضرت طلیبؓ قبول اسلام سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر اندیش تھے، حضرت اروی اپنے فرزند کو ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کی ترغیب دیتی رہتی تھیں۔

حضرت اروی کا بھائی ابولہب اسلام کا بدترین دشمن تھا، ایک دفعہ اس نے چند مسلمانوں کو قبول حق کے جرم میں قید کیا تو حضرت طلیبؓ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اپنے ماموں کو خوب پیٹا، اپنے سرغنہ کو پٹتے دیکھ کر بہت سے مشرکین حضرت طلیبؓ کو لپٹ گئے اور ابولہب کو چھڑا کر طلیبؓ کو باندھ دیا، چونکہ معزز خاندان کے فرد تھے اس لیے کچھ دیر کے بعد چھوڑ دیا، ابولہب نے ان کے خلاف اپنی بہن سے شکایت کی، حضرت اروی نے جواب دیا: "طلیبؓ کی زندگی کا بہترین وقت وہی ہے جب وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے"۔

ایک دفعہ حضرت طلیبؓ کو معلوم ہوا کہ ابواہاب بن عزیز دارمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، انہوں نے چپکے سے جا کر اس کا سر قلم کر ڈالا، حضرت اروی کو معلوم ہوا تو انہوں نے اظہار خوشنودی کیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت ربیعہ کا قبول اسلام

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت ربیعہ قریش کے نامور رئیس عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کی بہن تھیں، یہ دونوں غزوہ بدر میں ہلاک ہوئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان بن الشرید مخزومی سے ہوا ان کے صلب سے حضرت شماس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، جن کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے، بعثت نبوی کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت توحید کا آغاز کیا تو حضرت شماس رضی اللہ عنہ نے کسی تامل کے بغیر دعوت حق پر لبیک کہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی بھائیوں کی اسلام دشمنی کے باوجود بیٹے کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوئیں، اور جب مشرکین نے مکہ میں مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا کردی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی، چنانچہ بہت سے مظلوم مسلمان حبش کی طرف ہجرت کر گئے، ان میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت شماس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، کچھ عرصہ بعد دونوں ماں بیٹے وہاں سے مکہ آئے اور پھر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

حضرت حلیمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں تھیں اور پانچ برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پرورش پائی تھی۔

ابن سعد نے طبقات میں محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہیں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں میری ماں کہتے ہوئے اٹھے اور اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ غزوۂ حنین کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں تشریف فرما تھے تو حضرت حلیمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بہت تعظیم وتکریم کی اور اپنی چادر مبارک بچھا کر انہیں بٹھایا۔

بہت سی کتب سیر حضرت حلیمہؓ کے قبول اسلام اور شرف صحابیت کے بارے میں خاموش ہیں، لیکن قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرف اسلام اور صحابیت سے ضرور بہرہ ور ہوئیں، اس لیے کہ حضرت حلیمہؓ کے شوہر حارث بن عبد العزیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک دفعہ مکہ آئے اور مشرکین کے بہکانے کے باوجود انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس پر خوب ثابت قدم رہے، ظاہر ہے کہ اپنے شوہر کے قبول حق کے بعد حضرت حلیمہؓ بھی یقیناً سعادت اندوزِ اسلام ہوئی ہوں گی، اور اس طرح ان کے شرف صحابیت میں بھی کوئی شک نہیں۔

حضرت شیماءؓ بنت حارث کا قبول اسلام

حضرت شیماءؓ کے باپ کا نام حارث بن عبد العزیٰ تھا اور ماں حضرت حلیمہؓ سعدیہ تھیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

(۸ھ) میں غزوۂ حنین پیش آیا جس میں دشمنوں کو شکست فاش ہوئی، اور ایک بڑی تعداد قید ہو کر مدینہ آئی، انہیں قیدیوں میں حضرت شیماءؓ بھی تھیں، جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئیں تو عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضائی بہن ہوں''، اس کے بعد انہوں نے ایک نشان بتلایا کہ ان کی بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہ رہی، ایک دن بچپن میں حضرت شیماءؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلا رہی تھیں، کسی بات پر ناراض ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شیماءؓ کے کندھے یا پشت پر اس زور سے دانت کاٹا کہ عمر بھر اس کا نشان رہ گیا، اس موقع پر یہی نشان شیماءؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلایا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بچپن یاد کر کے رونے لگے، اور اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھا کر شیماءؓ کو نہایت عزت سے بٹھایا، پھر ان سے فرمایا: ''بہن! اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت آرام سے رہو اور اگر اپنے قبیلہ میں واپس جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے''۔

حضرت شیماءؓ کی زندگی اپنے قبیلہ ہی میں گذری تھی انہوں نے واپس جانا پسند کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کرلیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت عزت واکرام کے ساتھ انہیں اپنے قبیلہ میں بھیج دیا اور کچھ روپئے، ایک بکری، تین غلام اور ایک لونڈی ان کو عنایت فرمائے۔

حضرت درہؓ کا قبول اسلام

حضرت درہؓ مشہور دشمن اسلام ابولہب کی بیٹی تھیں، باپ کی اسلام دشمنی کی یہ کیفیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نام لے کر اس کی مذمت کی ہے ﴿ تبت یدا أبی لهب ﴾ لیکن بیٹی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا کیا کہ اسلام قبول کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات میں شمار ہوئیں۔

حضرت درہؓ کے بارے میں بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ وہ شرف ہجرت سے بہرہ ور ہوئیں، علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ وہ مدینہ پہنچ کر حضرت رافع بن معلیٰ کے گھر اتریں، بنوزریق کی عورتیں ان سے ملنے آئیں اور کہا "تم ابولہب کی بیٹی ہو جس کے بارے میں سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی، تم کو ہجرت کا کیا ثواب ملے گا"؟

حضرت درہؓ کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور کچھ دیر ٹھہرنے کا حکم دیا، پھر ظہر کی نماز پڑھ کر منبر پر رونق افروز ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: "لوگو! تم میں سے بعض میرے خاندان کے بارے میں میری دل آزاری کرتے ہیں، حالانکہ خدا کی قسم میرے اقرباء کو میری شفاعت ضرور پہنچے گی"۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت درہ نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔

حضرت امیمہؓ بنت غنم کا قبول اسلام

حضرت امیمہؓ مشہور صحابی رسول یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کی والدہ ماجدہ تھیں، اور ان کا نکاح عبداللہ بن جراح سے ہوا، انہیں کی صلب سے حضرت ابوعبیدہ پیدا ہوئے، عبداللہ بن جراح کو اللہ تعالیٰ نے قبول اسلام کی توفیق نہیں دی، اور بحالت کفر وہ جنگ بدر میں خود اپنے بیٹے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کے ہاتھوں قتل ہوئے، لیکن ان کی بیوی امیمہؓ کے قبول اسلام اور شرف صحابیت پر ارباب سیر کا اتفاق ہے۔

حضرت عاتکہؓ بنت عوف کا قبول اسلام

حضرت عاتکہ جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی بہن تھیں، اور ان کا نکاح مخرمہ بن نوفل سے ہوا تھا، حضرت عاتکہؓ دعوت اسلام کے ابتدائی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، اور ہجرت کی بھی سعادت حاصل کی۔

مشہور صحابی حضرت مسور بن مخرمہؓ حضرت عاتکہؓ ہی کے فرزند ہیں، وہ (۲ھ) میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور فتح مکہ کے بعد چھ برس کی عمر میں مدینہ آئے، حضرت عاتکہؓ ان کو اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت حمنہؓ بنت جحش کا قبول اسلام

والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب تھا جو سرور دو عالم ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں، اس لحاظ سے حضرت حمنہ حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں، ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش ان کی حقیقی بہن اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ ان کے حقیقی بھائی تھے۔

بعثت نبوی کے ابتداء میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ سے ہوا اور ان کے ساتھ ہی مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور مہاجرین وانصار کی دوسری خواتین کے ساتھ سرور دو عالم ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا، غزوۂ احد میں دوسری خواتین کے ساتھ مل کر نمایاں خدمات انجام دیں، وہ مجاہدین کو پانی پلاتیں، اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، اسی غزوہ میں ان کے شوہر حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی، حضرت حمنہؓ کو ان سے بہت محبت تھی جب ان کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار چیخ نکل گئی، اسی غزوہ میں ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ بھی شہید ہوئے اور مشرکین نے ان کی لاش کا مثلہ کیا تھا (یعنی ان کے ناک کان ہونٹ وغیرہ کاٹے گئے تھے) اور انہوں نے شہادت سے پہلے خود اپنی لاش کے مثلہ کئے جانے کی خواہش کی تھی، محض اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے پاس پیش ہوں تو یہ کہہ سکیں کہ الٰہی میرے ہونٹ ناک کان تیری راہ میں کاٹے گئے، اسی لیے وہ المجدع فی اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت اروی ؓ بنت کریز کا قبول اسلام

حضرت اروی حضور ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں، اور ان کا نکاح پہلے عفان بن ابی العاص سے ہوا، ان کے صلب سے حضرت عثمان بن عفان ؓ پیدا ہوئے، ان کے انتقال کے بعد حضرت اروی عقبہ بن ابی معیط کے نکاح میں آئیں، اسی کی صلب سے ام کلثوم ؓ پیدا ہوئیں جو مشہور صحابیات میں سے ہیں۔

عقبہ بن ابی معیط قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کا آغاز کیا تو وہ آپ ﷺ کا جانی دشمن بن گیا اور آپ ؐ ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن حضرت اروی کو اللہ تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی اور وہ ہجرت سے پہلے ہی اسلام میں داخل ہو گئیں، علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ اروی اسلام لائیں اور اپنی لڑکی ام کلثوم ؓ کے بعد ہجرت کی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور ہمیشہ مدینہ میں رہیں۔

بعض روایتوں کے مطابق حضرت اروی نے بعثت نبوی کے ابتدائی تین سالوں کے اندر اسلام قبول کیا، ان کے فرزند حضرت عثمان ؓ بن عفان بھی اسی زمانہ میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت سُعدیٰؓ بنت کریز کا قبول اسلام

یہ حضرت اروی کی بہن تھیں، زمانہ جاہلیت میں کہانت سے شغف تھا، اور اس میں بڑی ماہر تھیں، شعر وشاعری میں بھی خاصی درک رکھتی تھیں، حافظ ابن حجرؒ اور بعض دوسرے اہل سیر نے اپنی کتابوں میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں، ان کے قبول اسلام کے زمانہ کے بارے میں حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت حق کی ابتدا ہی میں شرف ایمان سے بہرہ ور ہو گئی تھیں، حافظ ابن حجرؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے اپنے بھانجے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اسلام کی طرف راغب کیا تھا، اور وہ ان کی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس جا کر ان کا تذکرہ کیا، انہوں نے فرمایا: ''خدا کی قسم! جو کچھ تمہاری خالہ نے کہا وہ سچ ہے''، اس کے فوراً ہی بعد حضرت عثمان مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت ہالہؓ بنت خویلد کا قبول اسلام

حضرت ہالہؓ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی حقیقی بہن تھیں، جمہور اہل سیر کا بیان ہے کہ وہ شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور حضرت خدیجہؓ کی وفات تک زندہ رہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گئیں، اور آستانہ رسالت پر پہنچ کر انہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی، ان کی آواز ام المومنین خدیجہ الکبریٰ کی آواز سے ملتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک آواز پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہؓ کی یاد آ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ”خدیجہؓ کی بہن ہالہؓ ہوں گی“، جب وہ اندر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم فرمائی۔

حضرت ہالہؓ کا نکاح ربیع بن عبدالعزیٰ سے ہوا تھا، ان کی صلب سے ابوالعاصؓ پیدا ہوئے جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کی شادی ہوئی تھی، اس طرح حضرت ہالہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سمدھن بننے کا شرف بھی حاصل ہوا، حضرت خدیجہ اپنے بھانجے ابوالعاصؓ سے بہت محبت کرتی تھیں اور ان کو اپنا فرزند سمجھتی تھیں۔

حضرت ام حرامؓ بنت ملحان کا قبول اسلام

حضرت ام حرامؓ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے، ان کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بنونجار سے تھا، حضرت انس بن مالکؓ کی حقیقی خالہ تھیں۔

بنونجار کو دعوت حق قبول کرنے میں سبقت کی بنا پر انصار میں خاص امتیاز حاصل تھا، حضرت ام حرامؓ بھی اپنی بہن حضرت ام سلیمؓ اور بھائی حضرت حرام بن ملحانؓ کے ساتھ مدینہ منورہ میں اوائل اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوئیں، ان کی شادی حضرت عمرو بن قیسؓ سے ہوئی تھی، وہ بھی اوائل اسلام میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے، گویا اسلام کے نور نے سارے گھرانے کو منور کر دیا اور سب کے سب شمع رسالت کے پروانے بن گئے، جب حضرت عمرو بن قیسؓ نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادہ بن صامتؓ کے عقد نکاح میں آئیں جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی قبا کی طرف جاتے تو حضرت ام حرامؓ کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے، حجۃ الوداع کے بعد ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام فرمایا تو حضرت ام حرامؓ نے جوئیں دیکھنا شروع کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آ گئی، لیکن تھوڑی دیر بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا: ”میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادے سے سوار ہیں“، حضرت ام حرامؓ نے کہا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا کیجیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں“، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، یہ خواب کی تعبیر اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ نے جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کے لیے ایک بیڑا تیار کیا اس میں بہت سے صحابہ شریک تھے، حضرت ام حرامؓ بھی انہیں میں داخل تھیں، بیڑا حمص کی ساحل سے روانہ ہوا اور قبرص فتح ہو گیا، واپسی میں حضرت ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جاں بحق تسلیم ہوئیں، لوگوں نے ان کو وہیں دفن کر دیا۔

حضرت خولہؓ بنت قیس کا قبول اسلام

حضرت خولہؓ مدینہ منورہ کی رہنے والی تھیں، اور خزرج کے خاندان بنونجار سے تھیں، ان کا نکاح زمانہ جاہلیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ سے ہوا، اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی تھیں۔

حضرت حمزہؓ نے جب نبوت کے چھٹے سال میں اسلام قبول کیا تو خیال یہ ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ ہی شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور پھر چند سال بعد ان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں۔

غزوۂ احد میں حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے حضرت نعمان بن عجلانؓ سے نکاح کر لیا، اور عرصہ تک زندہ رہیں، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت و محبت تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان پر بڑا ناز و اعتماد تھا، حضرت خولہؓ خاصی آسودہ حال تھیں اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے وقت کسی تکلف کے بغیر ان سے قرض لے لیا کرتے تھے، حضرت خولہؓ کے بطن سے حضرت حمزہؓ کے ایک صاحبزادے عمارہ پیدا ہوئے، انہی کے نام کی نسبت سے حضرت حمزہؓ کی کنیت ابو عمارہ تھی۔

حضرت رُبیعؓ بنت نضر کا قبول اسلام

حضرت ربیع کا تعلق انصار کے معزز ترین خاندان بنو نجار سے تھا، جلیل القدر صحابی حضرت انس بن نضر شہید احد ان کے حقیقی بھائی اور خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ ان کے حقیقی بھتیجے تھے، ان کا نکاح اپنے ہی خاندان کے ایک شخص سراقہ بن حارث سے ہوا، ان کے صلب سے ایک صاحبزادے حارثہؓ پیدا ہوئے، سراقہ ہجرت نبوی سے پہلے ہی وفات پا گئے، اور شرف اسلام سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔

البتہ حضرت ربیع اور ان کے فرزند حارثہ نے ہجرت نبوی سے کچھ عرصہ قبل یا ہجرت کے فوراً بعد قبول اسلام کی سعادت حاصل کی۔

حضرت ربیع نے نہایت دلسوزی کے ساتھ اپنے یتیم فرزند کی پرورش کی اور ان کو باپ کی کمی نہ محسوس ہونے دی، حارثہ اپنی ماں کے نہایت فرمانبردار اور خدمت گزار تھے، اور ماں بھی ان سے والہانہ محبت کرتی تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو حارثہ بھی گھوڑے پر سوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، میدان جنگ میں حوض کے کنارے پانی پینے کے لیے کھڑے تھے کہ ایک مشرک نے تاک کر ایک تیر ان کی طرف چلایا جو ان کے گلے میں پیوست ہو گیا اور اسی کے صدمہ سے جام شہادت نوش کر کے جنت میں پہنچ گئے۔

حضرت حارثہ کی شہادت کی خبر سن کر حضرت ربیع کو سخت صدمہ پہنچا، لیکن انہوں نے بڑے صبر و استقلال سے کام لیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے مدینہ کی طرف لوٹے تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حارثہ

میرا نہایت اطاعت گزار اور محبوب فرزند تھا، اس کی جدائی کا جس قدر صدمہ میرے دل پر ہے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں، میں نے چاہا تھا کہ اس کے غم میں گریہ و زاری کروں، لیکن پھر سوچا کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نہ پوچھ لوں کہ حارثہ اب کس حال میں ہے خاموش رہوں گی، اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی اور اگر وہ جہنم میں ہے تو اللہ دیکھے گا کہ میں اس کے غم میں اپنا کیا حال کرتی ہوں"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ حارثہ تو جنت الفردوس میں ہے"، یہ سن کر حضرت ربیع خوش ہوگئیں اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا: "واہ واہ اے حارثہ" اس کے بعد انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب میں حارثہ کے لیے کبھی نہ روؤں گی۔

حضرت بریرہؓ کا قبول اسلام

حضرت بریرہؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں، ان کے شرف اسلام اور صحابیت پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے۔

ام المومنین کی خدمت میں آنے سے پہلے وہ کسی شخص کی لونڈی تھیں، اور ان کی شادی حضرت مغیثؓ سے ہوئی تھی جو ایک حبشی غلام تھے، اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، حضرت بریرہؓ کو کسی وجہ سے ان سے نفرت ہوگئی، جب غلامی سے آزاد ہوئیں تو ان سے قطع تعلق کرنا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے روکنا چاہا، حضرت بریرہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے"؟ فرمایا: "نہیں، میں سفاش کرتا ہوں"، حضرت بریرہؓ نے مغیثؓ کے ساتھ رہنے سے معذرت کردی، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی علاحدگی کرادی اور حکم دیا کہ "بریرہؓ ایک

مطلقہ عورت کی طرح عدت پوری کریں''، حضرت مغیثؓ کو بریرہؓ سے بڑی محبت تھی، اس علاحدگی سے وہ اتنے پریشان ہوئے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت عباسؓ سے فرمایا: ''چچا جان! مغیثؓ کی محبت اور بریرہؓ کی نفرت آپ کو عجیب نہیں معلوم ہوتی''۔

حضرت بریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور دوسرے متعلقین کا بے حد احترام کرتی تھیں، عبادت الٰہی سے بڑا شغف تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرنے لگتیں تو فرط عقیدت واحترام سے ان پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھیں نم ہو جاتیں، بعض روایات میں حضرت بریرہؓ کے متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں، ان سے ان کی مومنانہ بصیرت اور فراست کا ثبوت ملتا ہے، ان میں سے چند اقوال یہ ہیں:

☆ کسی کو نیکی کی بات بتانے میں بخل کرنا امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔

☆ ہمیشہ رزق حلال سے اپنا پیٹ بھرو کہ اس میں بے شمار برکتیں ہیں۔

☆ لغو باتیں کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، پرہیزگار وہی ہے جو اپنی زبان کو قابو میں رکھے، ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے والا جھوٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

☆ کسی کے ساتھ نیکی کرو تو اس کا بدلہ نہ چاہو۔

☆ بہادر وہ ہے جو کمزور وناتواں پر وار نہیں کرتا اور نہ کمزور سے انتقام لیتا ہے۔

☆ غنی وہ ہے جو حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

☆ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے احتراز کرو کہ ایسا کرنا بعض اوقات ذلت کا باعث بن جاتا ہے۔

☆ دنیا کے فائدے چند روزہ ہیں ان کے حصول کے لیے زیادہ دوڑ دھوپ نہ کرو۔

☆ جھوٹ بولنا بہت بڑا فتنہ ہے، ہمیشہ سچائی سے کام لو۔

☆ اپنا کام خود کرو اور دوسروں کے محتاج نہ بنو۔

☆ بات ہمیشہ سیدھی اور صاف کرو اور کسی کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اپنا مطلب نہ نکالو۔

حضرت ام اسحاق رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

حضرت ام اسحاق کو ہجرت سے قبل قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا، لیکن انہوں نے ہجرت نبوی کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، خود ان سے روایت ہے کہ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، راستے میں ایک جگہ میرے بھائی نے مجھ سے کہا: "ام اسحاق! تم یہاں ٹھہرو میں اپنا نفقہ مکہ میں بھول آیا ہوں، اسے جا کر واپس لے آؤں"، میں نے کہا کہ "مجھے اپنے مشرک شوہر کا خوف ہے کہ وہ تمہیں نقصان نہ پہنچائے" میرے بھائی نے کہا: "اللہ نے چاہا تو میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا"۔

ام اسحاق کہتی ہیں کہ "میں کئی دن تک وہاں ٹھہری رہی لیکن میرا بھائی واپس نہ آیا، ایک دن ایک شخص وہاں سے گزرا جس کو میں نے پہچان لیا، اس نے مجھ سے پوچھا: ام اسحاق! تم یہاں کس لیے بیٹھی ہو؟ میں نے کہا کہ میں اپنے بھائی کے انتظار میں ہوں جو کئی دن ہوئے مجھے یہاں بٹھا کر مکہ اپنا نفقہ لینے گیا تھا، اس شخص نے کہا کہ افسوس تیرے بھائی کو تیرے شوہر نے قتل کر دیا اور اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے"، اس کے بعد وہ طویل سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہو گئی اور روتے ہوئے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بھائی کو قتل کر دیا گیا"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات سن کر ایک مٹھی پانی لیا اور میرے چہرے پر چھڑک دیا۔

حضرت ام حکیم کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت ام اسحاق کو ایسی تسکین حاصل ہوئی کہ ان پر کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی پڑتی تو وہ روتی نہیں تھیں اگرچہ ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

حضرت حواؓ کا قبول اسلام

حضرت حوا مدینہ منورہ کی رہنے والی تھیں اور اوس کے خاندان بنو عبد الاشہل سے تعلق تھا، ان کا نکاح قیس بن حطیم سے ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، ہجرت نبوی سے پہلے بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے درمیانی عرصہ میں ان کے کان دعوت اسلام سے آشنا ہوئے تو بلا تامل اسلام قبول کر لیا۔

حالانکہ ان کے شوہر ابھی کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے، وہ حضرت حوا کے قبول اسلام پر سخت ناراض ہوئے اور ان کو طرح طرح سے ستانے لگے، نماز پڑھنا چاہتیں تو اس سے روکتے، سجدہ کرنے لگتیں تو گرا دیتے، یہاں تک کہ مار پیٹ سے بھی گریز نہ کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کے بعض اہل حق کے ذریعہ حضرت حوا کی مظلومی کا حال معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت آزردہ خاطر ہوئے، اتفاق سے اسی زمانہ میں ان کے شوہر قیس کسی ضرورت سے مکہ آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے یہ کہہ کر مہلت چاہی کہ "ابھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر غور کرنا چاہتا ہوں"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک تم خوب غور کر لو لیکن اپنی بیوی پر اسلام لانے کی وجہ سے ظلم نہ کرو اور اس سے اچھا سلوک کرو"۔

قیس نے وعدہ کیا کہ "اب میں حوا کو نہیں ستاؤں گا"، مدینہ پہنچ کر انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور حوا سے اچھا سلوک کرنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کی وعدہ ایفائی پر مسرت کا اظہار فرمایا، قیاس یہ ہے کہ قیس بھی بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت ہندؓ بنت عمرو بن حرام کا قبول اسلام

حضرت ہند کا تعلق خزرج کی شاخ بنو سلمہ سے تھا، اوران کی شادی عمرو بن جموح سے ہوئی جن کا شمار انصار کے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے، لیکن حضرت ہند کو تقدم فی الاسلام میں ان پر فضیلت حاصل ہے، حضرت عمرو بن جموح ہجرت نبوی کے بعد غزوۂ بدر سے کچھ پہلے اسلام لائے جب کہ ان کے فرزند حضرت معاذ اوران کی اہلیہ ہند نے ہجرت نبوی سے پہلے اسلام قبول کیا۔

حضرت ہند بڑی راسخ العقیدہ مسلمان تھیں، اوران کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی، غزوۂ احد کے موقع پر انہوں نے صبر واستقامت، جوش ایمان، اور حب رسول کا ایسا تحیر خیز مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں شاذ ونادر ہی اس کی کوئی مثال ملتی ہے، غزوۂ احد میں حضرت ہند کے شوہر حضرت عمرو بن جموح، فرزند حضرت خلاد بن عمرو، اور بھائی حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام تینوں نے مردانہ وار لڑ کر شہادت پائی، حضرت ہند نے شوہر، فرزند، اور بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو کسی غم واندوہ کا اظہار کرنے کے بجائے لوگوں سے پوچھا: ”مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ خدانخواستہ ان کو تو کوئی زخم نہیں پہنچا“، جب لوگوں نے بتایا کہ ”خدا کے فضل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بخیر ہیں“ تو ان کا چہرہ کھل اٹھا، آہستہ آہستہ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بے اختیار عرض کیا

”کل مصیبة بعدك جلل“ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں)

حضرت کبشہؓ بنت رافع کا قبول اسلام

حضرت کبشہ جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن معاذؓ کی والدہ تھیں، اہل سیر کا ان کے اسلام پر اتفاق ہے، یہ شرف انہیں ہجرت نبوی سے قبل حاصل ہوا، بڑی باوقار خاتون تھیں، اور شعروشاعری میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔

غزوۂ احزاب میں بنوحارثہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ رجز پڑھتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرے، حضرت کبشہؓ نے پکار کر کہا: ”بیٹے! دوڑ کر جا تو نے بڑی دیر کر دی“۔

اس غزوہ میں حضرت سعدؓ بن معاذ کو کاری زخم لگا، جس کی وجہ سے چند دن بعد رتبہ شہادت پر فائز ہوئے، حضرت کبشہ کو اپنے سعادت مند بیٹے کی وفات کا سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے ان کی یاد میں رو رو کر بہت سے ماتمی اشعار پڑھے جن میں حضرت سعدؓ کی بے انتہا تعریف کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو فرمایا: ”جتنی رونے والی عورتیں ہیں جھوٹ بولتی ہیں، لیکن ام سعدؓ سچ کہتی ہیں“۔

حضرت خالدہؓ بنت حارث کا قبول اسلام

حضرت خالدہؓ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی پھوپھی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا تو اس وقت عبداللہ بن سلامؓ اپنے باغ میں تھے، ان کی پھوپھی خالدہؓ بھی وہیں تھیں، کسی نے باغ میں جا کر عبداللہ بن سلامؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع دی تو وہ فرط عقیدت سے بے خود ہوگئے، اور بے اختیار اللہ اکبر کہہ اٹھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تورات کے بہت بڑے عالم تھے اور اس میں نبی آخر الزماں کی علامات پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نادیدہ عاشق بن گئے تھے، ان کی مسرت اور بے تابی دیکھ کر خالدہؓ بڑی حیران ہوئیں اور کہنے لگیں "حصین! (حضرت عبداللہ بن سلام کا اصل نام) ان صاحب کے آنے سے تمہیں اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شاید موسیٰ بن عمران بھی تشریف لاتے تو تم اتنے خوش نہ ہوتے"۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: "پھوپھی جان! خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور اسی دین کی تبلیغ کے لیے دنیا میں تشریف لائے جس کے موسیٰ علیہ السلام مبلغ تھے"۔

حضرت خالدہؓ نے پوچھا: "برادر زادے! کیا واقعی یہ وہی نبی ہیں، جن کی تورات اور دوسرے آسمانی صحائف میں خبر دی گئی ہے"؟ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے جواب دیا: "بے شک یہ وہی نبی ہیں"، حضرت خالدہؓ نے کہا: "پھر تو ہماری بڑی خوش بختی ہے کہ وہ ہمارے شہر میں تشریف لائے"۔

اس سوال وجواب کے بعد حضرت عبداللہ نے بارگاہ نبوت کا قصد کیا حضرت خالدہؓ بھی ان کے پیچھے گئیں اور مشرف بہ اسلام ہو کر لوٹیں، پھر اپنے گھر پہنچ کر سب اہل خانہ کو اسلام کی تلقین کی، چنانچہ گھر کے سب چھوٹے بڑے اسلام میں داخل ہوگئے۔

حضرت غزیہؓ کا قبول اسلام

حضرت غزیہؓ نواح مکہ کے صحرائی علاقے کی رہنے والی ایک بدویہ خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، بعثت نبوی کے ابتدائی زمانے میں ان کے کانوں میں جوں ہی دعوت اسلام کی آواز پڑی انہوں نے اس پر لبیک کہا۔

حضرت غزیہؓ مسلمان ہونے کے بعد قریش کی عورتوں میں تبلیغ کرنے لگیں، چونکہ یہ اصل میں قریشی نہ تھیں بلکہ صحرا نشین بدویہ تھیں اس لیے انہوں نے ان کو خارج البلد کرنا کافی سمجھا، چنانچہ ان کو ایک قافلہ کے سپرد کیا گیا کہ قید و بند کی حالت میں ان کے قبیلے میں پہنچا دیا جائے، قافلے والوں نے انہیں ایک اونٹ کی ننگی پیٹھ پر رسیوں سے باندھ دیا، حضرت غزیہؓ کا بیان ہے کہ "انہوں نے مجھے ایک بار بھی کھانا پانی نہ دیا، بلکہ منزل میں اترتے تو ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیتے، تین دن رات اسی حالت میں گزرے تو میری حالت غیر ہوگئی، اور مجھے کسی چیز کا ہوش نہ رہا، ایک رات میں اسی حالت میں پڑی تھی کہ یکایک غیب سے کوئی چیز آ کر منہ کو لگی، میں نے محسوس کیا کہ یہ پانی ہے اور واقعی یہ پانی تھا میں نے سیر ہو کر پیا اور ہوش میں آ گئی، صبح لوگ اٹھے اور میری حالت کو بدلا ہوا اور بہتر پایا تو سمجھے کہ شاید رات کو میں نے قید و بند کو کسی طرح کھول کر قافلے کا پانی چوری سے پی لیا ہے، لیکن نہ تو میری رسیاں کھلی تھیں اور نہ مشکیزوں کے منہ، جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ کوئی چوری نہیں ہوئی بلکہ محض خدا کا فضل اور تائید غیبی ہوئی تو وہ سخت متاثر اور تائب ہوئے اور سب کے سب اسلام لائے"۔

حضرت سارہؓ کا قبول اسلام

بعض اہل سیر نے ان کا نام سائرہ بھی لکھا ہے، گانا بجانا، نوحہ خوانی ان کا پیشہ تھا، ابن خطل شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی ہجو بنا کر ان کو یاد کرا دیتا تھا اور یہ اس کو گا گا کر مشرکین سے داد وتحسین اور انعام واکرام لیا کرتی تھیں۔

جب مکہ فتح ہوا تو سارہ ان چند آدمیوں میں سے تھیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا تھا، وہ کہیں روپوش ہو گئیں، چند دن بعد کسی کی سفارش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سزائے موت منسوخ کر دی، اور وہ اس کرم وعنایت سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوئیں، لیکن بعض دوسرے اہل سیر نے صراحت سے لکھا ہے کہ سارہؓ فتح مکہ کے بعد امان پا کر مسلمان ہوئیں اور یہی صحیح ہے۔

حضرت سفانہؓ بنت حاتم طائی کا قبول اسلام

عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کی بیٹی اور مشہور صحابی حضرت عدی بن حاتم کی بہن تھیں، حاتم طائی قبیلہ طے کا سردار تھا اس نے اپنے قبیلے سمیت عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چند سال پہلے حاتم طائی نے وفات پائی تو قبیلہ کی سرداری اس کے فرزند عدی کو ملی۔

(۹ھ) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر حضرت علیؓ کی قیادت میں بنو طے کی طرف بھیجا جو یمن میں آباد تھا، عدی نے اس لشکر کی آمد کی خبر سنی تو وہ اپنے اہل وعیال کو لے کر ملک شام چلے گئے، گھر سے روانہ ہوتے وقت جو بھگدڑ مچی اس میں عدی کی بہن سفانہ ان سے بچھڑ گئیں اور اسلامی لشکر کے ہاتھ اسیر ہوگئیں۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت عدی بن حاتمؓ کا قبول اسلام)

بہر حال جب بھائی کے پاس واپس گئیں تو انہوں نے پوچھا کہ ''تم عاقلہ اور ہوشیار ہو، صاحب قریش سے مل کر تم نے کیا رائے قائم کی''؟ بہن نے جواب دیا: ''جس قدر جلد ہوسکے تم ان سے ملو''، بہن کے مشورہ کے مطابق حضرت عدیؓ مدینہ پہنچ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور شرف اسلام سے بہرہ ور ہوگئے، ان کے بعد سفانہ بھی سعادت اندوز اسلام ہوگئیں، حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

''وكانت أسلمت وأحسنت اسلامها'' (وہ اسلام لائیں اور اسے حسن وخوبی سے نباہا)

حضرت معاذہؓ بنت عبداللہ کا قبول اسلام

حضرت معاذہؓ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی کنیز تھیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت صالح عطا کی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ شرف اسلام سے بہرہ ور ہوگئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی سعادت بھی حاصل کی، عبداللہ بن ابی ان پر طرح طرح کے ظلم کرتا تھا اور ان کو بدکاری پر مجبور کرتا تھا لیکن وہ پاکدامنی کی زندگی گزارنے پر مصر تھیں، بالآخر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ولا تكرهوا فتياتكم على البغاء ان أردن تحصنا لتبتغوا عرض الحيوة الدنيا﴾ (اور اپنی لونڈیوں کو جو پاکدامن رہنا چاہتی ہیں، دنیا کے عارضی فائدہ کے لیے حرام کاری پر مجبور نہ کرو)

اس آیت کے نزول کے بعد حضرت معاذہؓ کو عبداللہ بن ابی کے ظلم سے رہائی نصیب ہوئی۔

ایک صحابیہؓ کا قبول اسلام

حضور ﷺ ایک مرتبہ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ کی ایک کثیر جمعیت کے ہمراہ سفر میں تھے، اثنائے سفر آپ ﷺ ایک ایسے علاقہ سے گذرے جہاں دور دور تک پانی کا نام ونشان تک نہ تھا، اہل لشکر نے پیاس کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ سے فرمایا: "تم دونوں ادھر ادھر گشت کر کے پانی کا سراغ لگاؤ"، دونوں حسب ارشاد پانی کی تلاش میں نکلے، کچھ دور جا کر انہوں نے ایک بدویہ خاتون کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھیں اور اپنے پاؤں پانی کے دو مشکوں پر لٹکا رکھے تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عمرانؓ نے ان سے دریافت کیا: "پانی کہاں سے لا رہی ہو"؟ انہوں نے جواب دیا: "پانی یہاں سے بہت دور ہے"، دونوں نے کہا: "تم ہمارے ساتھ چلو"، خاتون نے پوچھا: "کہاں چلوں"؟ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کے پاس"، بولیں: "وہ شخص جسے لوگ صابی (معاذ اللہ بے دین) کہتے ہیں"، انہوں نے کہا: "ہاں، جن کو مشرکین ایسا سمجھتے ہیں"۔

اب وہ دونوں ان خاتون کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے، آپ ﷺ نے خاتون سے فرمایا: "اگر اجازت دو تو تمہاری مشکوں سے تھوڑا سا پانی لے لیں"، انہوں نے کہا: "لے لیں لیکن تھوڑا سا لینا، میں اسے بہت دور سے لائی ہوں، اور یہاں تک پہنچنے میں بڑی مشقت اٹھائی ہے"۔

حضور ﷺ نے پہلے تو مشکوں کے بالائی منہ کھولے اور برتن میں تھوڑا سا پانی لے کر منہ بند کر دیئے، پھر نیچے کی طرف منہ کر کے تھوڑا سا پانی نکالا اور حکم دیا کہ تمام لوگ یہاں آ کر خود بھی پانی پئیں اور جانوروں کو بھی پلائیں، چنانچہ تمام صحابہ نے خود

بھی سیر ہو کر پیا اور سواریوں کو بھی خوب پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس پانی میں اتنی برکت دی کہ کثیر التعداد آدمیوں اور جانوروں کے سیراب ہونے کے باوجود دونوں مشکیں پہلے سے بھی زیادہ لبریز معلوم ہوتی تھیں، وہ خاتون یہ منظر دیکھ کر انگشت بدنداں ہو گئیں۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس عورت کے لیے کچھ کھانے کا سامان لاؤ، صحابہ کرامؓ نے فوراً بہت سا سامان جمع کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ایک کپڑے میں باندھ کر خاتون کے اونٹ پر رکھ دیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون سے فرمایا: ''تم اب جاؤ اور یہ چیزیں اپنے گھر والوں کو کھلاؤ''، جب وہ چلنے لگیں تو مزید ارشاد فرمایا: ''دیکھ لو تمہاری مشکیں پانی سے بدستور لبریز ہیں، لشکر نے جو پانی پیا ہے وہ اللہ نے پلایا ہے''۔

وہ خاتون گھر پہنچیں تو گھر والوں نے پوچھا: ''تم نے معمول کے خلاف پانی لانے میں اتنی دیر کیوں کی''، انہوں نے کہا: ''راستے میں مجھے دو آدمی ملے جو مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں، اس نے مشکوں کا منہ کھول کر جانوروں سمیت اپنے سارے لشکر کو پانی پلایا، لیکن میرے پانی میں کوئی کمی نہیں آئی، خدا کی قسم! دنیا میں اس شخص سے بڑھ کر کوئی جادوگر (معاذ اللہ) نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہی ہو جیسا کہ اس کے ساتھی اس کو کہتے ہیں''۔

اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس کے پانی کا صلہ دے دیا تھا پھر بھی صحابہ کرام پر ان کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب کبھی اس علاقہ کے مشرکین سے جنگ آزما ہوتے تو ان خاتون کے قبیلہ کو چھوڑ دیتے تھے، وہ صحابہ کرام کی اس منت پذیری سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے تمام اہل قبیلہ کو جمع کیا اور ان سے کہا: ''تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ ہمارے ساتھ کس قدر رعایت کرتے ہیں، یہ محض اس بنا پر ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کو تھوڑا سا پانی پلایا تھا، ان کی یہ احسان شناسی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نہایت اچھے لوگ ہیں اور ان کا سردار خدا کا سچا رسول ہے، میری مانو تو ہم سب بھی ان میں شامل ہو جائیں اور ان کے رسول پر ایمان لے آئیں''، تمام اہل قبیلہ نے ان کی رائے کو قبول کیا اور سب کے سب اسلام میں داخل ہو گئے۔

اسلام کی وسعت

(۷ ھ) کے ماہ محرم کی پہلی تاریخ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہان عالم کے نام دعوتی خطوط مبارک اپنے سفیروں کے ہاتھ روانہ فرمائے جو سفیر جس قوم کے پاس بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان جانتا تھا تاکہ تبلیغ بخوبی کر سکے۔

اصحم بن ابجر بادشاہ حبش الملقب بہ نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ الضمری " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر گئے، یہ بادشاہ عیسائی تھا، نجاشی اس فرمان مبارک پر مسلمان ہو گیا۔

منذر بن ساوی شاہ بحرین تھا، شہنشاہ فارس کا خراج گزار تھا، علاء حضرمیؓ اس کے پاس نامہ مبارک لے کر گئے تھے، یہ مسلمان ہو گیا، اور اس کی رعایا کا اکثر حصہ بھی مسلمان ہوا، اس نے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا تھا کہ بعض لوگوں نے تو اسلام کو از حد پسند کیا، بعض نے کراہت کا اظہار کیا، بعض نے مخالفت کی ہے، میرے علاقہ میں یہودی اور مجوسی بہت ہیں، ان کے لیے جو ارشاد ہو کیا جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا جو نصیحت کرتا ہے وہ اپنے لیے اور جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے وہ جزیہ (خراج) دیا کرے۔

جیفر و عبد فرزندان جلندی ملک عمان کے نام عمرو بن العاصؓ کے بدست خط بھیجا گیا اور دونوں بھائی مسلمان ہو گئے اور رعایا کا اکثر حصہ بھی اسلام لے آیا۔

منذر بن حارث بن ابو شمر دمشق کا حاکم اور شام کا گورنر تھا، شجاع بن وہب الاسدی اس کے پاس بطور سفارت بھیجے گئے، یہ خط پڑھ کر بہت بگڑا، کہا: "میں خود

مدینہ پر حملہ کروں گا"، بالآخر سفیر کو باعزاز رخصت کیا مگر مسلمان نہ ہوا۔

ہوذہ بن علی حاکم یمامہ عیسائی المذہب تھا، سلیط بن عمروؓ نامہ مبارک اس کے پاس لے گئے، اس نے کہا کہ "اگر اسلام پر میری آدھی حکومت تسلیم کرلی جائے تو میں مسلمان ہوجاؤں گا"، ہوذہ اس جواب سے تھوڑے دنوں بعد ہلاک ہوگیا۔

جریج بن متیٰ الملقب بہ مقوقس شاہ اسکندریہ و مصر عیسائی المذہب تھا، حاطب بن ابی بلتعہؓ اس کے پاس سفیر ہو کے گئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خط کے آخر میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر تم نے اسلام سے انکار کیا تو تمام مصریوں کے مسلمان نہ ہونے کا گناہ تمہاری گردن پر ہوگا۔

مقوقس نے کہا: "ان میں تو نبوت ہی کی علامت پائی جاتی ہے، بہر حال میں اس نبی کے بارے میں غور کروں گا"، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو ہاتھی کے دانت کے ڈبے میں رکھوا کر مہر لگوا کر خزانہ میں رکھوا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف بھیجے اور خط کے جواب میں یہ لکھا کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی کا ظہور باقی ہے مگر میں یہ سمجھتا رہا کہ وہ رسول ملک شام میں ہوں گے۔

ہرقل شاہ قسطنطنیہ یا روما کی مشرقی شاخ سلطنت کا نامور شہنشاہ عیسائی المذہب تھا، حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ اس کے پاس نامہ مبارک لے کر گئے تھے، یہ بادشاہ سے بیت المقدس کے مقام پر ملے، ہرقل نے سفیر کے اعزاز میں بڑا شاندار دربار کیا اور سفیر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کرتا رہا، اس نے کہا: "وہ ایک روز اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں (شام و بیت المقدس) کا ضرور مالک ہوجائے گا، کاش میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں دھویا کرتا"۔

خسرو پرویز کسریٰ ایران (نصف مشرقی دنیا) کا شہنشاہ تھا، زرتشتی مذہب رکھتا تھا، عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ اس کے پاس نامہ مبارک لے گئے تھے، خسرو نے خط غصہ سے چاک کر ڈالا اور زبان سے کہا کہ "میری رعایا کا ادنیٰ شخص مجھ کو خط لکھتا ہے اور اپنا

نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے"۔

اور اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ اس شخص کے پاس جس نے حجاز میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے اپنے دو قوی اور بہادر آدمیوں کو بھیجو اور انہیں حکم دو کہ اسے پکڑ لائیں اور میرے سامنے پیش کریں، حسب حکم باذان نے اپنے دو بہترین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ کیے اور ان دونوں کے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط بھی بھیجا جس میں اس نے لکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا تاخیر ان کے ساتھ کسریٰ کے سامنے پیش ہونے کے لیے چلے جائیں، اس نے ان دونوں سے یہ بھی کہا کہ "وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے مکمل آگاہی حاصل کر کے اس کو آگاہ کریں"۔

وہ دونوں مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور باذان کا خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آج تو تم لوگ اپنی قیام گاہ پر واپس جاؤ کل پھر آنا"، جب دوسرے دن وہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "آج کے بعد تم کسریٰ سے نہیں مل سکو گے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے شیرویہ کو فلاں مہینے کی فلاں رات اس کے اوپر مسلط کر کے اسے ہلاک کر دیا ہے"، یہ سنا تو ان کے چہروں پر دہشت و حیرانی کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ ٹکٹکی باندھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنے لگے، پھر وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر باذان کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر سے اس کو مطلع کیا، باذان نے کہا: "اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات درست ہے تو وہ یقیناً اللہ کے نبی ہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو سوچوں گا کہ مجھے ان کے ساتھ کیا رویہ اپنانا چاہیے"، پھر اس کے چند ہی روز بعد شیرویہ کا خط باذان کے پاس پہنچا جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا۔

باذان نے اس خط کو پڑھتے ہی ایک طرف پھینک کر اپنے دخول اسلام کا اعلان کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یمن میں رہنے والے سارے ایرانیوں نے اسلام قبول کیا۔

اس طرح سے اسلام کا اثر ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان اور دوسری طرف

عراق وشام کی حدود تک وسیع ہوگیا، یہ عرب کے وہ صوبے ہیں جہاں اسلام سے پہلے عربوں کی بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں اور اس وقت بھی وہ روم وفارس دنیا کی دو عظیم الشان طاقتوں کے زیر سایہ تھیں، تاہم اسلام بغیر تلوار کی زور کے صلح وامن کے سایہ میں اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا اور ہر گوشے سے لبیک کی صدائیں خود بخود آنے لگیں۔

یمن میں اسلام

عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز وسیر حاصل اور تہذیب و تمدن کا نہایت قدیم مرکز تھا، حمیر اور سبا کی عظیم الشان حکومتیں یہیں تھیں، ہجرت سے پہلے یہاں اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی، اور قبیلہ دوس میں اسلام پھیل چکا تھا، لیکن یہاں کا سب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ ہمدان تھا، (۸ھ) کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ہمدان میں دعوت اسلام کے لیے یمن بھیجا یہ چھ مہینے تک دعوت دیتے رہے، لیکن کامیاب نہ ہوئے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس بلا لیا اور حضرت علیؓ کو ان کی جگہ بھیجا، آپ کی کوششوں سے پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا، حضرت علیؓ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہ رسالت میں دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا: "السلام علی همدان" (ہمدان پر سلام متی ہو)

یمن ہی میں ایک دوسرا ممتاز قبیلہ مذحج تھا (۱۰ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تبلیغ اسلام کی خدمت بھی حضرت علیؓ کے سپرد کی، انہوں نے جا کر اسلام کی دعوت دی لیکن اس کا جواب تیر اور پتھروں سے ملا، حضرت علیؓ نے بھی مدافعت کی اس مدافعت میں بیس مذحجی کام آئے باقی بھاگ نکلے، اس کے بعد خود روسائے قبائل نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، اور دوسروں کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا۔

حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی دعوت اسلام کے لیے یمن کے اضلاع میں بھیجے گئے، چلتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں وہ در حقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سہولت سے کام لینا، سخت گیری نہ کرنا، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا، دونوں مل کر کام کرنا“۔

نجران میں اسلام

یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے، نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا، عیسائیوں کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی، ان میں ایک قبیلہ بنو حارث بن زیاد تھا جو مدان نام ایک بت کو پوجتا تھا اور اس لیے عبد المدان کے نام سے مشہور تھا، (۱۰ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو وہاں دعوت اسلام کے لیے بھیجا، حضرت خالد وہاں پہنچے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

بحرین میں اسلام

بحرین ایران کے حدود حکومت میں داخل تھا، یہاں عرب قبائل بھی آباد تھے ان میں عبد القیس بکر بن وائل اور تمیم مشہور خاندان تھے، عبد القیس کے قبیلہ کے ایک شخص منقذ بن حبان ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں مدینہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مسلمان ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک فرمان عطا کیا، وطن واپس جانے کے بعد منقذ نے اسلام کو مخفی رکھا، لیکن ان کی بیوی نے ایک دن ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی، انہوں نے منقذ سے دریافت کیا اور خود مسلمان ہو گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لوگوں کو پڑھ کر سنایا اسے سن کر پورے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا، صحیح بخاری میں روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی، (۸ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء حضرمیؓ کو بحرین بھیجا اس زمانہ میں یہاں حکومت ایران کی جانب سے منذر بن ساوی گورنر تھا، اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے، بحرین کے علاقہ ہجر کا حاکم سیبخت آنحضرت کی دعوت پر ایمان لایا۔

عمان میں اسلام

عمان میں قبیلہ ازد تھا، عبید اور جعفر یہاں کے حاکم تھے، (۸ ھ) میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو زید انصاریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو دعوت اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا، اس دعوت پر دونوں سرداروں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی ترغیب سے یہاں کے تمام عرب مشرف باسلام ہوئے۔

حدود شام میں اسلام

شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے ان میں متعدد ریاستیں تھیں ان میں سے معان اور اس کے اضلاع فروہ بن عمرو کے زیر حکومت تھے، لیکن خود فروہ رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے، انہوں نے اسلام سے واقفیت حاصل کی تو مسلمان ہو گئے، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اظہار اسلام کے ساتھ ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا، رومیوں کو ان کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو ان کو گرفتار کر کے سولی دے دی، اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا:

بلغ سرلة المسلمين بانن
مسلم لربی اعظمی و مقامی

(مسلمان سرداروں کو میرا پیغام پہنچا دو کہ میرا جسم اور میری عزت سب اپنے پروردگار کے نام پر نثار ہے)

ان مقامات کے علاوہ عرب کے مختلف حصوں میں آنحضرت ﷺ نے مبلغین روانہ فرمائے، جنہوں نے عرب کے گوشے گوشے میں اسلام کی روشنی پھیلائی، اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی تو بہت سے قبائل کے وفود نے مدینہ آ کر اسلام قبول کیا، یا اپنے اپنے مقامات پر قبول کر چکے تھے، پھر آنحضرت ﷺ سے گفتگو کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے، یا محض معاہدہ کر کے واپس چلے جاتے تھے، اس قسم کے وفود کی تعداد باختلاف روایت پندرہ سے لے کر سو سے اوپر تک ہے، یہ وفود مختلف اوقات میں آتے رہے، اور چند کے سوا اکثر دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔

وفد دوس

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ اسلام کے بعد جب وطن کو جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمایئے کہ میری قوم بھی میری دعوت پر مسلمان ہو جائے''، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ''خدایا طفیل کو تو ایک نشان بنا دے''، طفیل نے اپنی قوم میں اسلام کی منادی شروع کر دی، لیکن کچھ لوگ مسلمان نہ ہوئے، طفیل پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، عرض کیا: ''میری قوم میں زنا کی کثرت ہے (چونکہ اسلام زنا کو سختی سے حرام ٹھہراتا ہے) اس لیے لوگ مسلمان نہیں ہوتے''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمادی ''اَللّٰھم اھد دوسا'' (اے اللہ! دوس کو سیدھا راستہ دکھا) پھر طفیلؓ سے فرمایا: ''جاؤ، لوگوں کو دین کی طرف بلاؤ، ان سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرو''، اس دفعہ طفیلؓ کو اچھی کامیابی حاصل ہوئی، اور وہ (۵ھ) میں دوس کے ستر، اسی (۸۰) خاندانوں کو جو مسلمان ہو چکے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے، معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر گئے ہوئے ہیں، اس لیے خیبر ہی پہنچ کر انھوں نے شرف حضوری حاصل کی، اور یہ سب لوگ بھی خیبر ہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے۔

وفد صداء

یہ وفد (۸ھ) میں حاضر خدمت ہوا تھا، سب سے پہلے اس قوم کا ایک شخص زیاد بن حارث صدائی حاضر ہوا، پھر دوبارہ وہی زیاد قوم کے پندرہ سرکردہ لوگوں کو لے کر آیا، سعد بن عبادہؓ ان کی تواضع کے لیے مامور ہوئے، ان کے واپس جانے کے بعد ان کے قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔

زیاد نے عرض کیا: "ہمارے یہاں ایک کنواں ہے، سرما میں اس کا پانی کافی ہوتا ہے لیکن گرما میں وہ خشک ہو جاتا ہے اس لیے تمام قوم متفرق ہو کر یہ موسم پورا کرتی ہے، ہمارا ابھی جدید الاسلام ہے، تعلیم و تعلم کی بہت زیادہ ضرورت ہے، دعا فرمائیے کہ کنویں کا پانی ختم نہ ہوا کرے"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سات کنکریاں اٹھا لاؤ"، زیاد لے آئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر پھر واپس دے دیا، فرمایا: "ایک ایک کنکری اس کنویں میں گرا دینا ہر ایک کنکری پر اللہ اللہ پڑھتے چلے جانا"، زیاد کا بیان ہے کہ "پھر اس کنویں میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ اس کی گہرائی کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا"۔

وفد ثقیف

یہ وفد (۹ھ) میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا، وفد کا سردار عبد یالیل تھا، جس کے سمجھانے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف گئے تھے، اس نے وعظ کے سننے سے انکار کر کے آبادی کے لڑکوں اور اوباشوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک و تحقیر کے لیے مقرر کر دیا تھا، اور جس کے اشارہ سے طائف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے گئے، کیچڑ پھینکی گئی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے آتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ ”میں ان کی بربادی کے لیے دعا نہیں کروں گا، کیونکہ اگر یہ خود ایمان نہ لائیں گے تو ان کی آئندہ نسلوں کو خدا ایمان عطا کرے گا“، اب وہی دشمن اسلام خود بخود اسلام کے لیے اپنے دل میں جگہ پاتے اور دلی شوق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ”یہ (اہل ثقیف) میری قوم کے لوگ ہیں، کیا میں انہیں اپنے پاس اتار لوں اور ان کی تواضع کروں“؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لا أمنعك أن تكرم قومك“ (میں منع نہیں کرتا کہ تم اپنی قوم کی عزت کرو) لیکن ان کو ایسی جگہ اتارو جہاں قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑے“۔

الغرض ان کے خیمے مسجد کے صحن میں لگا دیئے گئے، جہاں سے قرآن بھی سنتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھتے بھی دیکھتے تھے، اس تدبیر سے ان کے دلوں پر اسلام کی صداقت کا اثر پڑا، اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت اسلام کر لی، انہوں نے بیعت سے پہلے یہ اجازت چاہی کہ ہم کو ترک نماز کی اجازت دے

دی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا خير في دين ليس فيه ركوع" (جس مذہب میں نماز نہیں اس میں کوئی بھی خوبی نہیں)

پھر انہوں نے کہا: "اچھا ہمیں جہاد کے لیے نہ بلایا جائے اور نہ ہم سے زکوۃ لی جائے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط قبول فرمالی اور صحابہ سے فرمایا کہ "اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں کام کرنے لگیں گے"۔

عبد یالیل جو ان کا سردار تھا، مختلف اوقات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل مسائل پر بھی گفتگو کی۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! زنا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ ہماری قوم کے لوگ اکثر وطن سے دور رہتے ہیں، اس لیے زنا کے بغیر کچھ چارہ ہی نہیں"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زنا تو حرام ہے اور اللہ پاک کا اس کے لیے یہ حکم ہے:

﴿لا تقربوا الزنىٰ انه كان فاحشة وساء سبيلا﴾ (تم زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یہ تو سخت بے حیائی اور بہت برا طریق ہے)

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سود کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ یہ تو بالکل ہمارا ہی مال ہوتا ہے"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنا اصل روپیہ لے سکتے ہو، دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يا أيها الذين آمنوا اتقو الله وذروا مابقى من الربٰوا﴾ (اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سود میں سے جو لینا رہ گیا ہے وہ بھی چھوڑ دو)

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شراب کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں؟ یہ تو ہمارے ہی ملک کا عرق ہے اور اس کے بغیر تو ہم رہ نہیں سکتے"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شراب کو خدا نے حرام کر دیا ہے، دیکھو اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

﴿یا أیھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون﴾ (اے ایمان والو! شراب، جوا، انصاب واز لام ناپاک اور گندے ہیں، شیطان کے کام ہیں ان سے بچا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ)

دوسرے روز اس نے آ کر خیر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں مان لیں گے، لیکن "ربّہ" کو کیا کریں، ربّہ مؤنث ہے لفظ رب کا، جس دیوی کے بت کو یہ پوجا کرتے تھے اسے ربّہ کہا کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے گرادو"، وفد کے لوگوں نے کہا: "ہائے ہائے! اگر ربّہ کو خبر ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے گرادینا چاہتے ہیں تو وہ ہم لوگوں کو تباہ ہی کر ڈالے گی"۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: "افسوس ابن عبد یالیل! تم اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ تو صرف پتھر ہی ہے"، ابن عبد یالیل نے کھسیانا ہو کر کہا: "عمر رضی اللہ عنہ! ہم تجھ سے بات کرنے نہیں آئے"، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "اسے گرانے کی ذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود لیں، کیونکہ ہم تو اسے کبھی نہیں گرانے کے"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خیر میں گرانے والے کو بھیج دوں گا"، ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ "اس شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بعد روانہ کیجئے گا، وہ ہمارے ساتھ نہ جائے۔

الغرض یہ لوگ جتنے حاضر ہوئے تھے وہ مسلمان ہو کر وطن کو واپس چلے گئے، انہوں نے چلتے وقت کہا: "ہمارے لیے کوئی امام مقرر کر دیجئے"، ان میں ایک شخص عثمان بن ابو العاص تھا، جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا، وہ قوم سے خفیہ خفیہ قرآن مجید اور احکام شریعت سیکھتا رہا تھا، کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیکھ لیا کرتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو ان کا امام مقرر فرما دیا۔

وفد نے راستہ میں یہ مشورہ کیا کہ اپنا اسلام چھپا کر پہلے قوم کو مایوس کر دینا چاہیے، جب یہ وطن پہنچ گئے تو قوم نے پوچھا: "کہو کیا حال ہوا"؟ وفد نے کہا: "ہمیں ایک سخت خو، درشت گو شخص سے سابقہ پڑا جو ہمیں انہونی باتوں کا حکم دیتا ہے، مثلاً: لات وعزیٰ

کو توڑ دینا، تمام سودی روپیہ چھوڑ دینا، شراب، زنا کو حرام سمجھنا"، قوم نے قسم کھا کر کہا: "ہم ان باتوں کو کبھی نہیں ماننے کے"، وفد نے کہا: "اچھا ہتھیاروں کو درست کرو اور جنگ کی تیاری کرو، قلعوں کی مرمت کرلو"، دو دن تک ثقیف اسی ارادہ پر جمے رہے، تیسرے روز خود بخود ہی کہنے لگے "بھلا محمد ﷺ کے ساتھ ہم کیوں کر لڑ سکیں گے، سارا عرب تو ان کی اطاعت کر رہا ہے"، پھر وفد کے لوگوں سے کہا: "جاؤ جو کچھ بھی کہتا ہے قبول کرلو"، وفد نے کہا: "اب ہم تم کو صحیح صحیح بتاتے ہیں، ہم نے محمد ﷺ کو تقویٰ میں اور وفا میں، رحم میں اور صدق میں سب ہی سے بڑھ کر پایا، ہم تم سب کو اس سفر سے بڑی برکت حاصل ہوئی"، قوم نے کہا: "تم نے ہم سے یہ راز کیوں پوشیدہ رکھا اور ہم کو ایسے سخت غم والم میں کیوں ڈالا"، وفد نے کہا: "ہمارا مدعا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطانی غرور نکال دے" اس کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

چند روز کے بعد وہاں رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے اشخاص حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں پہنچ گئے، انہوں نے لات کے گرا دینے کی کارروائی کا آغاز کرنا چاہا، ثقیف کے سب مرد و زن بوڑھے بچے اس کام کو دشوار سمجھے ہوئے تھے، پردہ نشین عورتیں بھی یہ تماشا دیکھنے نکل آئی تھیں، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس کے توڑنے کے لیے تیر چلایا، مگر اپنے زور میں خود ہی گر پڑے، یہ دیکھ کر ثقیف والے پکار اٹھے "خدا نے مغیرہ رضی اللہ عنہ کو دھتکار دیا اور ربہ نے اسے قتل کر ڈالا" اب خوش ہو ہو کر کہنے لگے "تم کچھ ہی کوشش کرو مگر اسے نہیں گرا سکتے"۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خفا ہو کر کہا: "ثقیف والو! تم بہت ہی بیوقوف ہو، یہ پتھر کا ٹکڑا کر ہی کیا سکتا ہے؟ لوگو! خدا کی عافیت کو قبول کرو، اور اسی کی بندگی کرو"۔

پھر مندر کا دروازہ بند کر کے مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اول اس بت کو توڑا اور پھر مندر کی دیواروں پر چڑھ گئے اور انہیں گرانا شروع کر دیا، باقی مسلمان بھی دیواروں پر جا چڑھے اور اس عمارت کا ایک ایک پتھر گرا کے چھوڑا، مندر کا پجاری کہنے لگا کہ "مندر کی بنیاد انہیں ضرور غرق کر دے گی"، مغیرہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو بنیاد بھی ساری کھود ڈالی اور اس طرح اس قوم کے دلوں میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔

وفد عبدالقیس

قبیلہ عبدالقیس کا وفد خدمت نبوی میں حاضر ہوا، نبی ﷺ نے پوچھا: ”تم کس قوم سے ہو“؟ عرض کیا: ”قوم ربیعہ سے“، نبی ﷺ نے انہیں خوش آمدید فرمایا، انہوں نے عرض کیا: ”یارسول اللہ ﷺ! ہمارے اور حضور ﷺ کے درمیان قبیلہ مضر کے کافر آباد ہیں، ہم شہر حرام ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں، اس لیے صاف واضح طور پر سمجھا دیا جائے، جس پر ہم بھی عمل کرتے رہیں اور قوم کے باقی ماندہ اشخاص بھی“۔

فرمایا: ”میں چار چیزوں پر عمل کرنے کا اور چار چیزوں سے بچتے رہنے کا حکم دیتا ہوں، جن چیزوں کے کرنے کا حکم ہے وہ یہ ہیں:

(۱) اکیلے خدا پر ایمان لانا، اس سے مراد یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت ادا کرنا (۲) نماز (۳) زکوۃ (۴) رمضان کے روزے اور مال غنیمت میں سے خمس نکالنا۔

چار چیزیں جن سے بچنے کا حکم ہے، یہ ہیں:

(۱) دبّا (کدو کے چھلکے کو کہتے ہیں جس کو سکھا لیا جاتا ہے)

(۲) حنتم (سبز گھڑے کو کہتے ہیں)

(۳) نقیر (درخت کی جڑ کو اندر سے کھود لیا کرتے تھے اس برتن کو نقیر کہتے ہیں)

(۴) مزفت (تارکول کو برتن میں لگا لیا کرتے تھے)

(چونکہ اس قوم میں شراب بکثرت پی جاتی، بنائی جاتی، ذخیرہ رکھی جاتی تھی، اور وہ لوگ ان سب برتنوں کو نشہ آور چیزوں کے لیے استعمال کرتے تھے، اس لیے آپ

ﷺ نے حرمت شراب کا حکم دیتے وقت ان برتنوں کا استعمال بھی منع فرما دیا جن میں شراب پی جاتی یا رکھی جاتی تھی)

ان باتوں کو یاد رکھو، اور پچھلوں کو بھی بتا دو"۔

انھوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! حضور کو کیا معلوم ہے کہ نقیر کیا ہوتی ہے"؟ فرمایا: "جانتا ہوں، کھجور کے درخت میں زخم لگا کر عرق نکالتے ہو اور اس میں کھجوریں ڈالا کرتے ہو اور اس پر پانی ڈالتے ہو اس میں جوش پیدا ہوتا ہے، جب جوش بیٹھ جاتا ہے تب پیا کرتے ہو، ممکن ہے تم سے کوئی اس نشہ میں اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر ڈالے" (یہ عجیب بات ہے کہ اسی وفد میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس نے نقیر کے نشہ میں اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر دیا تھا)

ان لوگوں نے پوچھا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہم کیسے برتن میں پانی پیا کریں"؟ فرمایا: "مشکوں میں، جن کا منہ باندھ دیا جاتا ہے"، انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے یہاں چوہے بکثرت ہوتے ہیں، اس لیے وہاں چمڑے کی مشکیں سالم نہیں رہ سکتیں"، فرمایا: "خواہ سالم ہی نہ رہیں"۔

اسی وفد کے ساتھ جارود بن العلاء بھی آیا تھا، یہ مسیحی المذہب تھا، اس نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! میں اس وقت بھی ایک مذہب رکھتا ہوں، اگر ہم اسے چھوڑ کر آپ ﷺ کے دین میں داخل ہو جائیں، تو کیا آپ ﷺ ہمارے ضامن بن سکتے ہیں"؟ فرمایا: "ہاں، میں ضامن بنتا ہوں، کیونکہ جس مذہب کی میں دعوت دے رہا ہوں، یہ اس سے بہتر ہے جس پر تم اب ہو"، جارود کے ساتھ اور عیسائی بھی مسلمان ہو گئے۔

وفد بنی حنیفہ

بنو حنیفہ کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت ثمامہ بن اثال ؓ کی کوشش سے اس علاقہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی تھی، یہ وفد مدینہ آ کر مسلمان ہوا تھا، اسی وفد کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی تھا، وہ مدینہ آ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ ”اگر محمد ﷺ صاحب یہ اقرار کریں کہ ان کا جانشین مجھے بنایا جائے گا تو میں بیعت کروں گا“، نبی ﷺ نے یہ سنا، حضور ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی، فرمایا: ”میں تو اس چھڑی کے دینے کی شرط پر بھی بیعت لینا نہیں چاہتا“۔

اگر وہ بیعت نہ کرے گا تو خدا اسے تباہ فرمائے گا، اس کا انجام خدا تعالیٰ نے مجھے دکھایا ہے، یعنی میں نے خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہیں، وہ مجھے ناگوار معلوم ہوئے، خواب ہی میں وحی سے معلوم ہوا کہ انہیں پھونک سے اڑا دو، میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، میں خیال کرتا ہوں کہ ان سے مراد مسیلمہ صاحب یمامہ اور عنسی صاحب صنعا ہے۔

وفد طے

قبیلہ بنو طے کا وفد جس کا سردار زید الخیل تھا، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عرب کے جس شخص کی تعریف میرے سامنے ہوئی وہ دیکھنے کے وقت اس سے کم ہی نکلا، ایک زید الخیل اس سے مستثنیٰ ہے''، پھر اس کا نام زید الخیر رکھ دیا، یہ سب لوگ ضروری گفتگو کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔

وفد اشعریین

قبیلہ اشعریہ (جو اہل یمن تھے) کا وفد حاضر ہوا، ان کے آنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اہل یمن آئے، جن کے دل نہایت نرم اور ضعیف ہیں، ایمان یمنیوں کا ہے اور حکمت یمنیوں کی، مسکنت بکریوں والوں میں، فخر وغرور اونٹ والوں میں ہے، جو مشرق کی طرف رہتے ہیں''۔

جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہوئے تو یہ شعر پڑھ رہے تھے:

غداً نلاقی الأحبة

محمداً وحزبه

(کل ہم اپنے دوستوں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ والوں سے ملیں گے)

وفد ازد

یہ وفد سات شخصوں کا تھا، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان کی وضع قطع کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، پوچھا: ''تم کون ہو''؟ انہوں نے کہا: ''ہم مومن ہیں''، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر ایک قول کی حقیقت ہوتی ہے، بتاؤ کہ تمہارے قول اور ایمان کی حقیقت کیا ہے''؟ انہوں نے عرض کیا: ''ہم پندرہ خصلتیں رکھتے ہیں، پانچ وہ ہیں جن پر اعتقاد رکھنے کا ذکر آپ ﷺ کے قاصدوں نے کیا اور پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم آپ ﷺ نے فرمایا، پانچ وہ ہیں جن پر ہم پہلے سے پابند ہیں''۔

پانچ باتیں جن پر حضور ﷺ کے مبلغین نے ایمان لانے کا حکم دیا، یہ ہیں:

☆ ایمان خدا پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے پر۔

پانچ باتیں عمل کرنے کی ہم کو یہ بتائی گئی ہیں:

☆ لا الہ الا اللہ کہنا، پانچ وقت کی نمازوں کا قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت الحرام کا حج کرنا جسے راہ کی استطاعت ہو۔

پانچ باتیں جو پہلے سے معلوم ہیں، یہ ہیں:

☆ آسودگی کے وقت شکر کرنا، مصیبت کے وقت صبر کرنا، قضائے الٰہی پر رضا مند ہونا، امتحان کے وقت ثابت قدم رہنا، دشمنوں کو بھی گالی گلوچ نہ کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنہوں نے ان باتوں کی تعلیم دی وہ حکیم و عالم تھے

اور ان کی دانشمندی سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انبیاء تھے، اچھا پانچ چیزیں اور بتا دیتا ہوں تاکہ پوری بیس خصلتیں ہو جائیں:

☆ وہ چیزیں جمع نہ کرو جسے کھانا نہ ہو۔

☆ وہ مکان نہ بناؤ جس میں بسنا نہ ہو۔

☆ ایسی باتوں میں مقابلہ نہ کرو جنھیں کل چھوڑ دینا ہو۔

☆ خدا کا تقویٰ رکھو جس کی طرف لوٹ کر جانا اور جس کے حضور میں پیش ہونا ہے۔

☆ ان چیزوں کی رغبت رکھو جو آخرت میں تمہارے کام آئیں گی جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔

ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔

وفد ہمدان

یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا، یہ لوگ پہلے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر ایمان لا چکے تھے اور دیدار نبوی سے مشرف ہونے آئے تھے، طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں مکہ میں سوق المجاز میں کھڑا تھا اتنے میں ایک شخص آیا جو پکار پکار کر کہتا تھا:

"یاأیها الناس قولوا لااله الا الله تفلحوا" (لوگو! لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے)

ایک دوسرا شخص اس کے پیچھے پیچھے آیا جو کنکریاں اسے مارتا تھا اور کہتا تھا:

"یاأیها الناس لاتصدقوه فانه كذاب" (لوگو! اسے سچ نہ سمجھو یہ تو جھوٹا شخص ہے)

میں نے دریافت کیا کہ "یہ کون ہیں"؟

لوگوں نے کہا کہ "یہ تو بنی ہاشم کا ایک فرد ہے، جو اپنے کو رسول سمجھتا ہے اور یہ دوسرا اس کا چچا عبدالعزیٰ ہے"، (ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا) طارق کہتے ہیں کہ اس کے بعد برسوں گذر گئے، نبی کریم ﷺ مدینہ جارہے تھے، اس وقت ہماری قوم کے چند لوگ جن میں میں بھی تھا، مدینہ گئے، تاکہ وہاں کی کھجوریں مول لائیں، جب مدینہ کی آبادی کے متصل پہنچ گئے تو ہم اس لیے ٹھہر گئے کہ سفر کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے بدل کر شہر میں داخل ہوں گے، اتنے میں ایک شخص آیا جس پر دو پرانی چادریں تھیں، اس نے سلام کے بعد پوچھا کہ کدھر سے آئے، کدھر جاؤ گے؟ ہم نے کہا: ربذہ سے آئے ہیں اور یہیں تک قصد ہے، پوچھا: مدعا کیا ہے؟ ہم نے کہا کہ

کھجوریں خریدنی ہیں، ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ تھا جس پر مہار تھی، اس نے کہا: یہ اونٹ بیچتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں! اس قدر کھجوروں کے بدلے دے دیں گے، اس شخص نے یہ سن کر قیمت گھٹانے کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا اور مہار شتر سنبھال کر شہر کو چلا گیا، جب شہر کے اندر جا پہنچا تو اب آپس میں لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم نے کیا کیا اونٹ ایسے شخص کو دے دیا جس سے واقف تک نہیں اور قیمت وصول کرنے کا کوئی انتظام ہی نہیں کیا۔

ہمارے ساتھ ایک ہودج نشین (سردار قوم کی) عورت بھی تھی، وہ بولی کہ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، اگر ایسا آدمی قیمت نہ دے تو میں ادا کر دوں گی۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا، کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے اور (اونٹ کی قیمت) کھجوریں بھیجی ہیں (تمہاری ضیافت کی کھجوریں الگ ہیں) کھاؤ پیو اور قیمت کی کھجوروں کو ناپ کر پورا کر لو، جب ہم کھا پی کر سیر ہوئے تو شہر میں داخل ہوئے، دیکھا کہ وہی شخص مسجد کے ممبر پر کھڑے وعظ کر رہا ہے، ہم نے مندرجہ ذیل الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنے:

”تصدقوا فان الصدقة خير لكم،اليد العليا خير من اليد السفلى، أمك وأباك وأختك وأخاك و أدناك أدناك“ (لوگو! خیرات دیا کرو، خیرات کا دینا تمہارے لیے بہتر ہے، اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، ماں کو، باپ کو، بہن کو، بھائی کو، پھر قریبی کو اور دوسرے قریبی کو دو)

وفد نجیب

قبیلہ نجیب کے تیرہ شخص حاضر ہوئے تھے، یہ اپنی قوم کے مال ومویشی کی زکوۃ لے کر آئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اسے واپس لے جاؤ اور اپنے قبیلے کے فقراء پر تقسیم کردو" انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فقراء کو جو دے کر بچ رہا ہے ہم وہی لے کر آئے ہیں"، حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے بہتر کوئی وفد اب تک نہیں آیا"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہدایت خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہے، خدا جس کی بہبودی چاہتا ہے اس کے سینہ کو ایمان کے لیے کھول دیتا ہے"، ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتوں کا سوال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات لکھوا دیئے تھے۔

یہ لوگ قرآن اور سنن ہدیٰ کے سیکھنے میں بہت ہی راغب تھے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو ان کی تواضع کے لیے خاص طور پر متعین کردیا تھا۔

یہ لوگ واپسی کی اجازت کے لیے بہت ہی اضطراب ظاہر کرتے تھے، صحابہؓ نے پوچھا کہ "تم یہاں سے جانے کے لیے کیوں بے چین ہو"؟ کہا: "دل میں یہ جوش ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے جو انوار ہم نے حاصل کیے، نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار سے جو فیوض ہم نے پائے اور جو برکات اور فوائد ہم کو یہاں آکر حاصل ہوئے، ان سب کی اطلاع اپنی قوم کو جلد پہنچائیں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطیات سے سرفراز کیا اور رخصت فرمایا، "پوچھا! کوئی شخص تم میں سے باقی بھی رہا ہے"، انہوں نے کہا: "ہاں! ایک نوجوان لڑکا ہے

جسے سامان کے پاس ہم نے چھوڑ دیا تھا"، فرمایا: "اسے بھی بھیج دینا"، وہ حاضر ہوا تو اس نے کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے قوم کے لوگوں پر لطف و رحمت کی ہے مجھے بھی کچھ مرحمت فرمایئے"، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم کیا چاہتے ہو"؟ کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا مدعا اپنی قوم کی مدعا سے الگ ہے، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں اسلام کی محبت میں آئے ہیں اور صدقات کا مال بھی لائے تھے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم کیا چاہتے ہو"؟ کہا: "میں اپنے گھر سے صرف اس لیے آیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنا دے"، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے یہی دعا فرمادی، (۱۰ھ) کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا، تو اس قبیلہ کے لوگ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "اس نوجوان کی کیا خبر ہے"؟ لوگوں نے کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس جیسا شخص کبھی دیکھنے ہی میں نہیں آیا اور اس جیسا قانع کوئی سنا ہی نہیں گیا، اگر دنیا کی دولت اس کے سامنے تقسیم ہو رہی ہو تو وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا"۔

وفد بنی سعد ہذیم

یہ وفد جس وقت مسجد نبوی میں پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے، انہوں نے آپس میں طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے ہم کو کوئی بھی کام نہیں کرنا چاہیے، اس لیے ایک طرف الگ ہو کر بیٹھے رہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے فارغ ہوئے ان کو بلایا، پوچھا: ''کیا تم مسلمان ہو''؟ انہوں نے کہا: ''ہاں'' فرمایا: ''تم اپنے بھائی کے لیے دعا میں شامل کیوں نہ ہوئے''؟ عرض کیا: ''ہم سمجھتے تھے کہ بیعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی کام بھی کرنے کے مجاز نہیں''، فرمایا: ''جس وقت تم نے اسلام قبول کیا اسی وقت سے تم مسلمان ہو گئے''، اتنے میں وہ مسلمان بھی آ پہنچا جسے یہ لوگ اپنی سواری کے پاس بٹھا آئے تھے، وفد نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ہم سے چھوٹا ہے، اور اسی لیے ہمارا خادم ہے''، فرمایا:

''أصغر القوم خادمهم'' (چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے)

خدا اسے برکت دے''، اس دعا کی یہ برکت ہوئی کہ وہی قوم کا امام اور قرآن مجید کا قوم میں سب سے زیادہ جاننے والا بنا، جب یہ وفد لوٹ کر وطن گیا تو تمام قبیلے میں اسلام پھیل گیا۔

وفد بنی اسد

یہ دس شخص تھے جن میں وابصہ بن معبد اور خویلد تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کے ساتھ اندر مسجد میں تشریف فرما تھے، ان میں سے ایک نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم شہادت دیتے ہیں کہ خدا اکیلا ہے، لاشریک ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، دیکھئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم از خود حاضر ہو گئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمارے پاس کوئی آدمی بھی نہ بھیجا، اس پر آیت کا نزول ہوا:

﴿ یمنون علیك أن أسلموا قل لاتمنوا علی اسلامکم بل الله یمن علیکم أن هداکم للایمان ان کنتم صادقین ﴾ (یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ اسلام لے آئے ہیں، کہہ دیجئے کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ، بلکہ خدا تم پر اس بات کا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت کی اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو)

پھر ان لوگوں نے سوال کیا کہ "جانوروں کی بولیوں اور شگونوں وغیرہ سے فال لینا کیسا ہے"؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب سے انہیں منع فرمایا، انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک بات رہ گئی، اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے"، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ کیا ہے"؟ انہوں نے کہا: "خط کھینچنا"؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اسے ایک نبی نے لوگوں کو سکھایا تھا جس کسی کو صحت سے وہ علم مل گیا بیشک وہ علم ہے"۔

وفد بہراء

یہ لوگ مدینہ میں آئے، حضرت مقدادؓ کے گھر کے سامنے آ کر اونٹ بٹھائے، حضرت مقدادؓ نے گھر والوں سے کہا کہ ''ان کے لیے کچھ کھانا تیار کرو'' اور خود ان کے پاس گئے اور خوش آمدید کہہ کر اپنے گھر لے آئے، ان کے سامنے حیس رکھا گیا، حیس ایک کھانا ہے جو کھجور اور ستو ملا کر گھی میں تیار کیا جاتا ہے، گھی کے ساتھ کبھی چربی بھی ڈال دیا کرتے ہیں، اس کھانے میں سے کچھ نبی کریم ﷺ کے لیے بھی حضرت مقدادؓ نے بھیجا، نبی کریم ﷺ نے کچھ کھا کر وہ برتن واپس فرما دیا، اب حضرت مقدادؓ دونوں وقت وہی پیالہ ان مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے وہ مزے لے لے کر کھایا کرتے، خوب کھایا کرتے، مگر کھانا کم نہ ہوا کرتا تھا، ان لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی، آخر ایک روز اپنے میزبان سے پوچھا: ''مقدادؓ! ہم نے تو سنا تھا کہ مدینہ والوں کی خوراک ستو، جو وغیرہ ہیں، تم تو ہر وقت وہ کھانا کھلاتے ہو جو ہمارے یہاں بہت عمدہ سمجھا جاتا ہے اور جو ہر روز ہم کو بھی میسر نہیں آ سکتا اور پھر ایسا لذیذ کہ ہم نے کبھی ایسا کھایا بھی نہیں''۔

حضرت مقدادؓ نے کہا: ''صاحبو! یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی برکت ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی انگشت ہائے مبارک لگ چکی ہے ہیں''، یہ سنتے ہی سب نے باتفاق اپنا ایمان تازہ کیا کہ ''بیشک وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں''، یہ لوگ مدینہ میں کچھ عرصہ ٹھہرے، قرآن اور احکام سیکھے اور واپس چلے گئے۔

وفد خولان

یہ دس شخص تھے، جو بماہ شعبان (۱۰ھ) میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے، انہوں نے آ کر عرض کیا کہ "ہم اپنی قوم کے پسماندوں کی جانب سے وکیل ہو کر آئے ہیں، خدا اور رسول پر ہمارا ایمان ہے، ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ خدا اور رسول کا ہم پر احسان ہے، ہم یہاں محض زیارت کے لیے حاضر ہوئے ہیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من زارني بالمدينة كان في جواري يوم القيامة" (جس نے مدینہ میں آ کر میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرا ہم سایہ ہوگا)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "عم انس کا کیا ہوا"؟ (یہ ایک بت کا نام ہے جو اس قوم کا معبود تھا) وفد نے عرض کیا: "ہزار شکر ہے کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو ہمارے لیے اس کا بدل بنا دیا ہے، بعض بعض بوڑھے اور بوڑھی عورتیں رہ گئی ہیں جو اس کی پوجا کیے جاتی ہیں، اب انشاء اللہ ہم اسے جا کر گرائیں گے، ہم مدتوں دھوکے اور فتنے میں رہے"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی دن کا واقعہ تو سناؤ"، وفد نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک دفعہ ہم نے سو (۱۰۰) نرگاؤ جمع کیے اور سب کے سب ایک ہی دن عم انس کے لیے قربان کیے گئے اور درندوں کے لیے چھوڑ دیے گئے، حالانکہ ہم کو گوشت اور جانوروں کی بہت ضرورت تھی"، انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ "چوپایوں اور زراعت میں سے عم انس کا حصہ برابر نکالا جاتا تھا، جب کوئی

زراعت کرتا تو اس کا وسطی حصہ عم انس کے لیے مقرر کرتا اور ایک کنارے کا خدا کے نام مقرر کر دیتا، اگر کھیتی کو ہوا مار جاتی تو خدا کا حصہ تو عم انس کے نام کر دیتے، مگر عم انس کا حصہ خدا کے نام پر نہ کرتے"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرائض دین سکھائے اور خصوصیت سے ان باتوں کی وصیت فرمائی:

(۱) عہد پورا کرنا۔

(۲) امانت کو ادا کرنا۔

(۳) ہمسایہ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔

(۴) کسی ایک شخص پر بھی ظلم نہ کرنا، یہ بھی فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکی ہوگا۔

وفد محارب

یہ دس شخص تھے، جو قوم کے وکیل ہو کر (۱۰ھ) میں آئے تھے، حضرت بلالؓ ان کی مہمانی کے لیے مامور تھے، صبح وشام کا کھانا وہی لایا کرتے تھے، ایک روز ظہر سے عصر تک کا پورا وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کو دے دیا۔

ان میں سے ایک شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنا شروع کیا پھر فرمایا کہ "میں نے تم کو پہلے بھی دیکھا ہے"، یہ شخص بولا: "خدا کی قسم! ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی اور میں نے بدترین کلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیا اور بہت بری طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو رد کیا تھا"، یہ بازار عکاظ کا ذکر ہے، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سمجھاتے پھرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں ٹھیک ہے"، اس شخص نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس روز میرے دوستوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا اور اسلام سے دور رہنے والا نہ تھا، وہ سب تو اپنے آبائی مذہب ہی پر مر گئے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آج تک باقی رکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا مجھے نصیب ہوا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب کے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں"، اس شخص نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری پہلی حالت کے لیے معافی کی دعا فرمایئے"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام ان سب باتوں کو مٹا دیتا ہے جو کفر میں ہوئی ہوں"۔

وفد بنی عبس

یہ وفد انتقال مبارک سے چار ماہ پیشتر آیا تھا، یہ علاقہ نجران کے باشندے تھے، یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے تھے، انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے منادیان اسلام سے سنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرماتے ہیں:

"لا اسلام لمن لاھجرۃ لہ" (اس کے پاس اسلام نہیں جس نے ہجرت نہ کی ہو)

ہمارے پاس زر و مال بھی ہے اور مویشی بھی جن پر ہماری گذران ہے، پس اگر ہجرت کے بغیر ہمارا اسلام ہی ٹھیک نہیں تو مال و متاع کیا ہمارے کام آئیں گے اور مویشی ہمیں کیا فائدہ دیں گے؟ بہتر ہے کہ ہم سب کچھ فروخت کر کے سب خدمت عالی میں حاضر ہو جائیں"، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اتقوا اللہ حیث کنتم فلن یلتکم من أعمالکم شیئاً" (تم جہاں آباد ہو وہیں رہ کر خداترسی کو اپنا شیوہ بنائے رکھو، تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی)

وفد غامد

یہ وفد (۱۰ھ) میں آیا تھا، اس میں دس آدمی تھے، یہ مدینہ سے باہر آ کر اترے، ایک لڑکے کو بٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ "تم سامان کے پاس کسے چھوڑ آئے ہو"؟ لوگوں نے کہا: "ایک لڑکے کو"، فرمایا: "تمہارے بعد وہ سو گیا، ایک شخص آیا اور گٹھری چرا کر لے گیا"، ایک شخص بولا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ گٹھری تو میری تھی"، فرمایا: "گھبراؤ نہیں، وہ لڑکا اٹھا، چور کے پیچھے پیچھے بھاگا، اسے جا پکڑا، سب مال صحیح سالم مل گیا"، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے جب واپس پہنچے تو لڑکے سے معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی طرح اس کے ساتھ ماجرا ہوا تھا، یہ لوگ اسی وقت مسلمان ہو گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما دیا کہ انہیں قرآن یاد کرائیں اور شرائع اسلام سکھائیں، جب وہ واپس جانے لگے تو انہیں شرائع اسلام ایک کاغذ پر لکھوا کر دیئے گئے۔

وفد بنی فزارہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس آئے، تو بنی فزارہ کا ایک وفد جس میں پندرہ آدمی شامل تھے، خدمت مبارک میں حاضر ہوا، ان کو اسلام کا اقرار تھا، ان کی سواری لاغر کمزور اونٹ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ "تمہاری بستیوں کا کیا حال ہے"؟ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بستیوں میں قحط ہے، مواشی مر گئے، باغ خشک ہو گئے، بال بچے بھوکے مر رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے دعا کریں کہ ہماری فریاد سنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری سفارش خدا سے کریں، خدا ہماری سفارش آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے، خرابی ہو تیرے لیے، میں تو خدا کے پاس شفاعت کروں گا لیکن خدا کس کے پاس شفاعت کرے گا؟ وہ معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ سب سے بزرگ تر ہے، آسمانوں اور زمین پر اسی کا حکم ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم میں بارش کے لیے دعا فرمائی۔

وفد سلامان

یہ سترہ شخص تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تھے، انہی میں حبیب بن عمرو تھا، انہوں نے سوال کیا کہ "سب اعمال سے افضل کیا چیز ہے"؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وقت پر نماز پڑھنا"، ان لوگوں نے عرض کیا کہ "ہمارے یہاں بارش نہیں ہوئی"، دعا فرمایئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے فرمایا:

"اللھم اسقھم الغیث فی دارھم" (اے اللہ ان کو ان کے گھروں میں سیراب کردے)

حبیب نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان مبارک ہاتھوں کو اٹھا کر دعا فرمایئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کردی۔

جب وفد اپنے وطن لوٹ کر گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی روز بارش ہوئی تھی، جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔

وفد نجران

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے، جہاں عیسائی عرب آباد تھے، یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے جن کا لقب سید اور عاقب تھا، عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا۔

یہ کلیسا تین سو کھالوں سے گنبد کی شکل میں بنایا گیا تھا، جو شخص اس کے حدود میں آجاتا تھا وہ مامون ہوجاتا تھا، اس کلیسا کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس کلیسا کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد میں اتارا، تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہؓ نے روکا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "پڑھنے دو"، چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کرکے نماز ادا کی، ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا، نہایت محترم اور فاضل شخص تھا، قیصر روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لیے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔

ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مسائل پوچھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی رو سے ان کا جواب دیا۔

ان کے زمانہ قیام میں سورۂ آل عمران کی ابتداء کی اسی (۸۰) آیتیں اتریں، ان آیتوں میں ان کے سوالات کا جواب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا کہ "ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ ”جب تم صلیب پوجتے ہو، عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیوں کر مسلمان ہو سکتے ہو“، جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے مطابق ان سے کہہ دیا کہ اچھا مباہلہ کرو، یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل وعیال کو لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے تو خود ان کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے، اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے، غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی، اور جاتے وقت انہوں نے یہ درخواست کی کہ ایک امانت دار شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیا جائے جسے جزیہ ادا کر دیا کریں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو ان کے ساتھ بھیج دیا اور فرمایا کہ ”یہ شخص میری امت کا امین ہے“، حضرت ابوعبیدہ کے فیضان صحبت سے علاقہ میں اسلام پھیل گیا۔

وفد نخع

یہ وفد نصف محرم (۱۱ھ) میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا، اس کے بعد کوئی وفد حاضر نہیں ہوا، یہ دو اشخاص تھے اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر آئے تھے، ان کو دار الضیافہ (مہمان خانہ) میں اتارا گیا، ایک شخص ان میں سے زرارہ بن عمرو تھا، اس نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے راستے میں خواب دیکھے جو عجیب تھے''، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیان کرو''، کہا: ''میں نے دیکھا کہ ایک بکری نے بچہ دیا ہے جو سپید اور سیاہ رنگ کا ابلق ہے''، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تمہاری عورت کے بچہ ہونے والا تھا''؟ اس نے کہا: ''ہاں'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کے فرزند پیدا ہوا ہے جو تیرا بیٹا ہے''، زرارہ نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابلق ہونے کے کیا معنی''؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قریب آؤ''، پھر آہستہ سے پوچھا ''کیا تیرے جسم پر برص کے داغ ہیں جسے لوگوں سے چھپاتے رہے ہو''؟ زرارہ نے کہا: ''قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آج تک میرے اس راز کی کسی اطلاع نہ تھی''، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بچہ پر یہ اسی کا اثر ہے''، زرارہ نے دوسرا خواب سنایا کہ ''میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا کہ گوشوارے باز و بند، خلخال پہنے ہوئے ہے''، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی تاویل ملک عرب ہے، جو اب آسائش و آرائش حاصل کر رہا ہے''، زرارہ نے عرض کیا: ''میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا ہے جس کے کچھ بال سفید، کچھ سیاہ ہیں اور زمین سے باہر نکلی ہے''، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ دنیا ہے جس قدر باقی رہ گئی ہے''، زرارہ نے عرض

کیا: ”میں نے دیکھا کہ ایک آگ زمین سے نمودار ہوئی، میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان آ گئی اور وہ آگ کہہ رہی ہے: جھلسو جھلسو بینا ہو کہ نابینا ہو، لوگو! اپنی غذا، اپنا کنبہ، اپنا مال مجھے کھانے کے لیے دو“، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ ایک فساد ہے جو آخر زمانے میں ظاہر ہوگا“، زرارہ نے عرض کیا کہ ”یہ کیسا فتنہ ہوگا“؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، ایک دوسرے سے ایسے گتھ جائیں گے جیسے ہاتھوں کی انگلیاں پنجہ ڈالنے میں گتھ جاتی ہیں، بدکاران دنوں اپنے آپ کو نیکوکار سمجھے گا، مومن کا خون پانی سے بڑھ کر خوشگوار سمجھا جائے گا، اگر تیرا بیٹا مر گیا، تب تو اس فتنہ کو دیکھ لے گا، تو مر گیا تو تیرا بیٹا دیکھ لے گا“، زرارہ نے عرض کیا: ”یارسول اللہ ﷺ! دعا کیجیے کہ میں اس فتنہ کو نہ دیکھوں“، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ”الٰہی! یہ اس فتنہ کو نہ پائے“، زرارہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا بچ رہا، اس نے سیدنا عثمان غنیؓ کی بیعت کو توڑ دیا تھا۔

آخری گذارش

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اپنے رسالہ "حکایات صحابہؓ" کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

صحابہ کرامؓ دین کی بنیاد ہیں، دین کے اول (قبول کرنے والے اور اس کو) پھیلانے والے ہیں، ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، حق تعالیٰ اپنے فضل سے ان پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہنچایا۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اعزاز واکرام میں داخل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا اعزاز واکرام کرنا، اور ان کے حق کو پہچاننا، اور ان کا اتباع کرنا، اور ان کی تعریف کرنا، اور ان کے لیے استغفار اور دعائے مغفرت کرنا، اور ان کے آپس کے اختلاف میں لب کشائی نہ کرنا، ان کے فضائل بیان کرنا، کیونکہ صحابہؓ کے فضائل قرآن مجید اور احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کا اتباع کرو ہدایت پاؤ گے، حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہو سکتا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے، اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے ان سے

بغض رکھتا ہے، جو شخص ان کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی، اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی، اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز کیا ہے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ان کو میرے سب صحابہ سے افضل قرار دیا ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ''جو شخص صحابہؓ کے بارے میں میری رعایت رکھے گا وہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ سکے گا اور جو ان کے بارے میں رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں پہنچ سکے گا وہ مجھے صرف دور ہی سے دیکھے گا''، حضرت سہل بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی تعظیم نہ کرے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے لطف و فضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عتاب سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو، میرے محسنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو، تلامذہ کو اور سب مومنین کو محفوظ رکھے اور ان حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے۔ آمین.

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ.

مآخذ

☆ صحیح بخاری .... ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ
☆ صحیح مسلم .... مسلم بن الحجاج قشیریؒ
☆ جامع ترمذی .... محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی
☆ موطا امام مالک .... مالک بن انس مدنیؒ
☆ مشکوٰۃ شریف .... محمد بن عبداللہ الخطیب التمریزیؒ
☆ سنن ابی داؤد .... سلیمان بن اشعث سجستانیؒ
☆ مسند احمد بن حنبل .... احمد بن حنبل شیبانی
☆ مستدرک حاکم .... ابوعبداللہ حاکمؒ
☆ طبقات ابن سعد .... ابوعبداللہ محمد بن سعدؒ
☆ اسد الغابہ .... علامہ ابن اثیرؒ
☆ الاصابہ فی تمییز الصحابہ .... حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
☆ تہذیب التہذیب .... حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
☆ الاستیعاب .... حافظ ابن عبدالبرؒ
☆ سیر الصحابہؓ .... مولانا شاہ معین الدین ندویؒ
☆ سیر انصار اول/دوم .... مولانا سعید انصاریؒ
☆ سیر الصحابیات .... مولانا شاہ معین الدین ندویؒ
☆ حیاۃ الصحابہ .... حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

☆حکایات صحابہ .... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

☆سیرت الصدیق .... مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانیؒ

☆المرتضی .... حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

☆الفاروق .... شمس الائمہ علامہ شبلی نعمانیؒ

☆سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم .... علامہ شبلی نعمانیؒ رعلامہ سید سلیمان ندویؒ

☆سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم .... حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

☆صور من حیاۃ الصحابہؓ .... ڈاکٹر عبد الرحمان رافت پاشا

☆اسوۂ صحابہ .... مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ

☆اسوۂ صحابیات .... مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ

☆اہل کتاب صحابہ وتابعین .... مولانا مجیب اللہ ندویؒ

☆معارف الحدیث ہشتم .... مولانا محمد منظور نعمانیؒ

☆تاریخ اسلام .... شاہ معین الدین ندویؒ